هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ

بیان القرآن

3

ترجمہ و مختصر تفسیر

سورۃ الانعام تا سورۃ التوبہ

مرتب
حافظ خالد محمود خضر
لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین

از
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

BOOK FAIR ONLINE BOOK STORE

BOOK FAIR PUBLISHER
176, Basement, Ali Market,
Opp. Bible Society, New Anarkali,
Lahore - Pakistan. Cell: 0309 5005471

يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ بِرَحْمَتِكَ أَسْتَغِيثُ

جملہ حقوق بحق مرکزی انجمن خدام القرآن ودین حق ٹرسٹ محفوظ ہیں

بیان القرآن کا یہ ایڈیشن Book Fair Publisher نے
ناشر سے تحریری اجازت حاصل کر کے شائع کیا ہے

نام کتاب : بیان القرآن (جلدیں)

از : ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اشاعت : 2020ء

مرتبین : حافظ خالد محمود خضر
لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین

شائع کردہ : سیّد حذیفہ حسن ہاشمی

اہتمام : معاذ ہاشمی / زاہد محمود شیخ

مطبع : مشتاق اے پریس / التمش مبین

سرورق : خواجہ افضل کمال

تزئین و آرائش : آرٹ ورکس انٹرنیشنل

ہدیہ مکمل سیٹ :

ضروری گزارش

ایک مسلمان، مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کر سکتا۔ سہواً جو اغلاط ہوگئی ہوں، ان کی تصحیح واصلاح کا انتہائی اہتمام کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کی تصحیح پر ہم زرکثیر صرف کرتے ہیں۔ تاہم انسان، انسان ہی ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع ہوں تو اسی گزارش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں فوری مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے اور آپ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی کے مصداق بن جائیں۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی جَزَاءً جَمِیْلًا جَزِیْلًا

والسلام
مفتی عاصم زبیر ہاشمی
محکمہ جیل خانہ جات حکومت پنجاب

حُسنِ ترتیب

عرضِ مرتّب	4
سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ	5
سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ	99
سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ	207
سُوْرَةُ التَّوْبَةِ	257

عرضِ مُرتّب

یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور فضل و احسان کا مظہر ہے کہ اُس نے ہمیں ''بیان القرآن'' حصّہ اوّل اور حصّہ دوم کے بعد حصّہ سوم کی ترتیب و تدوین اور اشاعت و طباعت کی توفیق مرحمت فرمائی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ! جیسا کہ ''بیان القرآن'' کے قارئین جانتے ہیں، یہ تفسیری کاوش محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن کو ترتیب و تسوید اور تدوین کے مراحل سے گزار کر تخریج احادیث کے اضافے کے ساتھ جزءاً جزءاً کتابی صورت میں پیش کی جا رہی ہے۔ دعوتِ قرآنی کی نشر و اشاعت کے اس کام میں لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین صاحب (ایجوکیشن کور) نہایت دلچسپی اور سرگرمی کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی بھرپور جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہاں اس امر کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ''بیان القرآن'' کی ترتیب و تسوید کا بالکل ابتدائی کام یعنی اسے کیسٹ سے سن کر صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنا تنظیم اسلامی حلقہ خواتین نے سرانجام دیا ہے، جس پر ہماری یہ بہنیں بجا طور پر تشکر و تحسین اور دُعائے خیر کی مستحق ہیں۔

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی حیاتِ مستعار میں ''بیان القرآن'' کا صرف حصّہ اوّل ہی شائع ہو سکا تھا' جبکہ حصّہ دوم پریس جانے کے لیے تیار تھا کہ آپ اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ محترم ڈاکٹر صاحب انتہائی خوش قسمت ہیں کہ اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی' حدیث نبویؐ میں دی گئی بشارت کے مصداق' آپ کا دفترِ عمل مکمل طور پر بند نہیں ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُہٗ' اِلَّا مِنْ ثَلَاثَۃٍ : اِلَّا مِنْ صَدَقَۃٍ جَارِیَۃٍ اَوْ عِلْمٍ یُنْتَفَعُ بِہٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ یَدْعُوْ لَہٗ)) (رواہ مسلم و الترمذی) ''جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس سے اس کے اعمال کا تعلق ختم ہو جاتا ہے (یعنی نامہ اعمال بند ہو جاتا ہے) سوائے تین چیزوں کے: صدقہ جاریہ یا ایسا علم جس سے نفع اُٹھایا جاتا رہے' یا نیک اولاد جو اس کے لیے دُعا کرتی رہے''۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی خوش بختی کا کیا کہنا کہ مذکورہ بالا تین چیزوں میں سے صرف ایک یا دو نہیں' پوری تین سعادتیں ان کے حصّے میں آئی ہیں' جو ان کے حسنات و درجات میں روز افزوں ترقی و اضافہ کا باعث ہیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب اپنے حصّے کا کام مکمل کر گئے' لیکن ہمیں اپنے حصّے کا کام کرتے رہنا ہے۔

بیان القرآن (حصّہ سوم) سورۃ الانعام' سورۃ الاعراف' سورۃ الانفال اور سورۃ التوبۃ کی ترجمانی پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت قرآنی کو شرفِ قبول عطا فرما کر اسے محترم ڈاکٹر صاحب کے بلندیٔ درجات کا ذریعہ بنائے، اس کی ترتیب و تدوین اور اشاعت و طباعت میں شریک تمام خواتین و حضرات کے لیے اسے دُنیوی و اُخروی فوز و فلاح کا باعث بنائے اور ہمیں وہ ہمت و استقامت عطا فرمائے جو اس عظیم کام کی تکمیل کے لیے درکار ہے۔ آمین!

حافظ خالد محمود خضر

مدیر شعبہ مطبوعات

جمعۃ المبارک

۲۲ جولائی ۲۰۱۱ء

پس نوشت (مئی ۲۰۱۸ء)

بیان القرآن حصّہ سوم کی دس اشاعتوں کے بعد پیش نظر اشاعت (۱۱) لیفٹیننٹ کرنل (ر) عاشق حسین صاحب کی نظر ثانی اور مزید ایڈیٹنگ کے بعد پیش کی جا رہی ہے' جس سے اس کے حسنِ معنوی میں یقیناً اضافہ ہوا ہے۔

عرضِ ناشر

مفکرِ اسلام، مفسرِ قرآن، حضرت ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی تفسیر و ترجمہ قرآن "بیان القرآن" کا سات جلدوں پر مشتمل مکمل سیٹ حاضر خدمت ہے۔ مرکزی انجمن "خدام القرآن" لاہور کے بعد بک فیئر پبلشرز اس اعزاز اور سعادت کو حاصل کرنے والا پہلا ادارہ ہے۔

قرآن حکیم فرقانِ حمید تمام علوم کا سرچشمہ اور بصائر و حکم کا خزینہ ہے۔ اس کے تمام علوم کا احاطہ کرنا کسی ایک انسان کے بس کی بات نہیں، اپنی اپنی سمجھ اور استعداد کے مطابق شمار کرنے والے شمار کرتے ہیں تو بقول ایک بزرگ کے، اس کتاب میں 70 ہزار علوم ہیں۔ علم تفسیر فی الحقیقت قرآن کے بے شمار علوم کا ایک جزو اور حصّہ ہے لیکن یہ ایک علم بھی اپنے دامن میں بہت سے علوم سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ علوم صحیح تفسیر کرنے کے لئے ضروری ہیں یا یوں کہیئے کہ تفسیر کے تقاضوں کے تحت پیدا ہوتے ہیں مثلاً علم آیاتِ متشابہات، شانِ نزول، اسماء قرآں و سور، ضمائر، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، امثال القرآن، اعلام القرآن، ارض القرآن وغیرہ۔

تفسیر کا مادہ ف، س، ر (فسر) ہے اور اس مادہ سے جو الفاظ بنتے ہیں، ان میں بالعموم شرح و ایضاح کے معنی شامل ہوتے ہیں چنانچہ فَسَرَ (ماضی) کے مصدری معنی ہیں: "واضح کرنا، تشریح کرنا، مراد بتانا، پردہ ہٹانا" "فَسَرَ الامر" کے معنی ہوں گے معاملہ کی وضاحت کرنا، مراد بتانا۔ اسی سے تفسیر ہے کیونکہ اس میں عبارت کو کھول کر معانی کی وضاحت کی جاتی ہے۔

تفسیر "فَسَّرَ" سے بابِ تفعیل کا مصدر ہے اور اس کے معنی کسی عبارت کے مطلب کو واضح کرنے یا کلام کے معنی بیان کرنے کے ہیں۔ تفسیر کی سیدھی سی تعریف یہ ہے کہ وہ علم جس کے ذریعے اللہ کی کتاب قرآن حکیم جو اس کے محبوب حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی، اس علم کے ذریعہ قرآن کے معانی کا بیان، اس کے احکام کا استخراج معلوم کیا جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں لغت، نحو، صرف، معانی و بیان وغیرہ سے مدد لی جاتی ہے۔ اس میں شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ کے بیان کی حاجت بھی پیش آتی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کئی دہائیوں تک علم حاصل کیا، انتہائی شدت کے ساتھ قرآن پر غور و فکر کیا اور پھر اسے احسن طریقے کے ساتھ "جدید ذہن" تک پہنچانے کے لئے اپنی زندگی کے تمام ہو جانے تک جدوجہد کی۔ ان کے جذبے کی شدت و اخلاص اور اللہ کے دین کے ساتھ لگاؤ نے ان کو اللہ کی مخلوق میں قبولیت و مقبولیت عطا کی، یہی وجہ ہے کہ وطن عزیز کے مفسرین قرآن میں ان کا مقام و مرتبہ سب سے بلند اور بااثر ہے جس کی گواہی سوشل میڈیا کے اعداد و شمار سے بھی ملتی ہے۔ تقریباً سات لاکھ افراد روزانہ ان کے "حلقہ" میں شامل ہو رہے ہیں۔

میں بے حد شکر گزار ہوں، مرکزی انجمن خدام القرآن، قرآن اکیڈمی اور تنظیم اسلامی کا، اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے تمام وارثین کا جنہوں نے ہمیں بیان القرآن شائع کرنے کی اجازت دی۔

میں اپنے والد معاذ ہاشمی، والدہ عائشہ حسن، دعا پبلی کیشنز کے روحِ رواں شیخ زاہد محمود، عظیم احمد، مفتی عاصم زبیر ہاشمی، محترم مولانا عرفان صاحب (مرغزار کالونی)، اور برادرانِ اصغر حافظ عبدالحنان ہاشمی اور خضر حسن ہاشمی اور پاک فوج کے نوجوان افسر عبداللہ ہاشمی کا بھی شکر گزار ہوں جن کی مدد و اعانت سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا، اور ان کی دعاؤں کی بدولت "بک فیئر" اس سعادت سے بہرہ مند ہوا۔ والسلام

حذیفہ حسن ہاشمی

بک فیئر پبلشر علی پلازہ، نیو انارکلی بازار لاہور

بیانُ القرآن

سُوۡرَۃُ الۡاَنۡعَام

(٦)

سُوْرَةُ الْاَنْعَام

تمہیدی کلمات

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے، حجم کے اعتبار سے قرآن مجید کا دو تہائی حصہ مکی ہے، جبکہ لگ بھگ ایک تہائی حصہ مدنی سورتوں پر مشتمل ہے۔ البتہ قرآن حکیم میں مکی اور مدنی سورتوں کے جو سات گروپ ہیں، ان میں سے پہلے گروپ میں مکّی سورت صرف ایک ہے یعنی سورۃ الفاتحہ۔ یہ سورۃ اگرچہ حجم کے اعتبار سے بہت ہی چھوٹی (کل سات آیات پر مشتمل) ہے، مگر معنوی اعتبار سے بہت عظمت اور فضیلت کی حامل ہے۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ سورۃ مکّی اور مدنی تقسیم سے بہت اعلیٰ وارفع اور بلند تر ہے۔ بہرحال مکی اور مدنی سورتوں کے پہلے گروپ میں تو مکّی قرآن گویا بہت ہی تھوڑا ہے (سورۃ الفاتحہ کی صورت میں)، البتہ دوسرے گروپ میں دو بڑی مکّی سورتوں یعنی سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف کا جوڑا شامل ہے۔ اب ہم اس جوڑے کی پہلی سورۃ یعنی سورۃ الانعام کا مطالعہ کرنے جا رہے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق سورۃ الانعام پوری کی پوری بیک وقت، ایک ہی تنزیل میں نازل ہوئی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کے جلو میں اس سورۃ کو لے کر اُترے۔ اس سورت سے مکی اور مدنی سورتوں کا دوسرا گروپ شروع ہو رہا ہے جو چار سورتوں پر مشتمل ہے۔ یہ گروپ اس لحاظ سے بہت متوازن ہے کہ اس میں دو مکی سورتیں (الانعام اور الاعراف) اور دو ہی مدنی سورتیں (الانفال اور التوبہ) ہیں۔ مضامین کی مناسبت سے یہ چاروں سورتیں بھی دو دو کے جوڑوں میں ہیں، یعنی ایک جوڑا مکی سورتوں کا جب کہ دوسرا جوڑا مدنی سورتوں کا۔

اس سے پہلے ہم مدنی قرآن پڑھ رہے تھے (سوائے سورۃ الفاتحہ کے)، لیکن اب مکی قرآن کا ایک حصہ ہمارے زیر مطالعہ آ رہا ہے۔ سورۃ البقرۃ، سورۂ آلِ عمران، سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ (مدنیات) میں منافقین اور یہود و نصاریٰ سے براہِ راست خطاب تھا، لیکن اب مکی سورتوں (سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف) میں مشرکینِ عرب سے گفتگو ہے۔ ان سورتوں میں اہلِ کتاب کا ذکر تو ہے، لیکن ان سے براہِ راست کوئی خطاب یا گفتگو نہیں ہے۔

مکی اور مدنی سورتیں اپنے ماحول اور پس منظر کے اعتبار سے مضامین و موضوعات کے دو الگ الگ گلدستے پیش کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے میں نے مکی اور مدنی قرآن کو دو الگ الگ جنتوں کے نام سے موسوم کر رکھا ہے ـــــ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾﴾ (الرحمٰن) ''اور جو کوئی اپنے ربّ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈر گیا اُس کے لیے دو جنتیں ہوں گی'' ـــــ قرآن مجید کی ایک مکی جنت ہے اور دوسری

مدنی جنت۔ گویا قبل ازیں ہم مدنی جنت کی سیر کر رہے تھے اب ہم مکی جنت میں داخل ہو رہے ہیں۔ لہٰذا سورۃ الانعام پڑھتے ہوئے آپ بالکل ایک نیا ماحول محسوس کریں گے۔ یہ دونوں سورتیں (سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف) چونکہ رسول اللہ ﷺ کے قیامِ مکہ کے تقریباً آخری دور میں نازل ہوئی تھیں اس لیے ان میں مشرکینِ عرب (بنی اسماعیل) پر بالکل اسی انداز سے اتمامِ حُجّت کیا گیا ہے جیسے مدنی سورتوں میں اہلِ کتاب پر کیا گیا تھا۔ پھر ان سورتوں کے موضوعات کے اندر بڑی پیاری تقسیم ملتی ہے۔ مکی سورتوں کا اہم ترین مضمون 'ایمان' ہے یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ' وغیرہ۔ ایمان کی طرف بلانے کے لیے شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی اصطلاحات کے مطابق قرآن حکیم میں دو طرح سے استدلال کیا جاتا ہے: التّذکیر بآلاءِ اللّٰہ اور التّذکیر بِاَیّامِ اللّٰہ۔

التّذکیر بآلاءِ اللّٰہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے احسانات' اس کی نعمتوں' اس کی عظمت وقدرت' اس کی آیاتِ آفاقیہ وآیاتِ انفسیہ وغیرہ کے حوالے سے یاددہانی اور تذکیر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان ہمارے اندر پہلے سے بِالقُوّۃ (potentially) تو موجود ہے' مگر یہ فعال نہیں ہے' سویا ہوا (dormant) ہے۔ اسے فعال (active) کرنے اور جگانے کے لیے اللہ کی قدرت' اس کی نعمتوں اور انفس وآفاق میں اس کی نشانیوں سے استدلال کر کے یاددہانی کرائی جاتی ہے' جس کو شاہ ولی اللہؒ نے التّذکیر بِآلاءِ اللّٰہ کا نام دیا ہے۔

دعوت اِلی الایمان کے قرآنی استدلال کا دوسرا پہلو یا طریقہ شاہ ولی اللہؒ کے مطابق التّذکیر بِاَیّامِ اللّٰہ ہے' یعنی اللہ کے دِنوں کے حوالے سے استدلال۔ اللہ تعالیٰ کے دنوں کے اعتبار سے سب سے اہم اور عبرت ناک وہ دِن ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی قوموں کو تہس نہس کر دیا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ جب بھی کسی قوم کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا اور اُس رسول نے اپنی امکانی حد تک قوم کے افراد کو حق کی دعوت پہنچا دی' حق کو مبرہن کر کے ان پر اتمامِ حجت کر دیا' لیکن اس کے باوجود بھی اگر وہ قوم کفر پر اَڑی رہی اور اُس نے رسول کی دعوت کو رَدّ کر دیا تو پھر اُس قوم کے ساتھ رعایت نہیں برتی گئی' یعنی ایسی صورت میں وہ قوم ختم کر دی گئی۔ جیسے قومِ نوحؑ کے ساتھ ہوا تھا' حضرت نوح علیہ السلام اور آپؑ کے معدودے چند اہلِ ایمان ساتھی ایک کشتی پر محفوظ رہے' باقی پوری نوعِ انسانی (جو اُس وقت تک اسی قوم کے افراد تک محدود تھی) نیست ونابود کر دی گئی۔ قومِ عاد پوری ختم کر کے نسیاً منسیا کر دی گئی' صرف حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے چند لوگوں کو بچایا گیا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور مُٹھی بھر اہلِ ایمان کے علاوہ قومِ ثمود کو بھی برباد کر دیا گیا۔ اسی طرح قومِ شعیبؑ کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ عامورہ اور سدوم کی بستیوں کو بھی ملیا میٹ کر دیا گیا' صرف حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیٹیوں کے ساتھ وہاں سے نکل سکے' باقی پوری قوم ختم ہو گئی۔ اسی طرح آلِ فرعون کو بھی غرق کر دیا گیا۔

اس کے علاوہ ازلی وابدی حقائق بھی اَیّامِ اللّٰہ میں شامل ہیں' یعنی ازل میں کیا واقعات پیش آئے' ابد میں کیا ہوگا' بعث بعد الموت کی تفصیلات' عالمِ برزخ اور عالمِ آخرت کے احوال' اصحابِ جنت' اصحابِ جہنم اور اصحابِ اعراف کی کیفیات وغیرہ۔ اس لحاظ سے سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف میں موضوعات کی جو ایک خوبصورت اور متوازن تقسیم ملتی ہے وہ اس طرح ہے کہ سورۃ الانعام میں جگہ جگہ التّذکیر بِآلاءِ اللّٰہ کی تفصیلات

ہیں‘ جبکہ سورۃ الاعراف کا بڑا حصہ التَّذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ پر مشتمل ہے۔

یہاں پر رسول اور نبی کی دعوت کے فرق کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ رسول کی دعوت کا انکار کرنے کی صورت میں متعلقہ قوم تباہ و برباد کر دی جاتی ہے۔ اللہ کی طرف سے رسول کے آ جانے کے بعد بھی اگر کسی قوم کی آنکھیں نہیں کھلتیں تو اس سے ثابت ہو گیا کہ اس قوم کے افراد خیر سے مکمل طور پر خالی ہو چکے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ قوم گویا زمین کا بوجھ ہے‘ جس کا صفایا ضروری ہے۔ چنانچہ جس طرح کسی باغ کی صفائی کے لیے جھاڑ جھنکاڑ کو اکٹھا کر کے آگ لگا دی جاتی ہے‘ اسی طرح ایسی قوم کو نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ جب کہ نبی کا معاملہ یہ نہیں ہوتا۔ نبی کی حیثیت ایسی ہوتی ہے جیسے اولیاء اللہ ہیں۔ جس کسی نے نبی کی بات مان لی اس کو فائدہ ہو گیا‘ جس نے نہیں مانی وہ ذاتی طور پر نقصان میں رہا‘ لیکن نبی کے انکار سے پوری قوم کی تباہی اور ہلاکت نہیں ہوتی۔ اولیاء اللہ اور انبیاءؑ میں فرق یہ ہے کہ اولیاء اللہ پر وحی نہیں آتی‘ جبکہ انبیاءؑ پر وحی آتی تھی۔

مکی اور مدنی سورتوں کے مضامین میں جو بنیادی فرق ہے اسے ایک دفعہ پھر سمجھ لیجیے۔ مکی سورتوں میں خطاب اور دعوت کا رخ زیادہ تر مشرکینِ عرب کی طرف ہے‘ لہٰذا ان سورتوں کا اصل مضمون توحید ہے‘ یعنی توحید کا اثبات‘ شرک کی نفی اور ایمانیات کا تذکرہ ہے۔ ان سورتوں میں اہل ایمان سے خطاب بہت کم ہے‘ اور ہے بھی تو براہِ راست نہیں بلکہ بالواسطہ ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ سے واحد کے صیغے میں خطاب کیا جاتا ہے اور آپؐ کے ذریعے سے مسلمان مخاطب ہوتے ہیں۔ ان سورتوں میں نفاق کا ذکر شاید ہی کہیں ملے‘ کیونکہ مکی دور میں نفاق کا مرض موجود ہی نہیں تھا۔ اہلِ مکہ کے اندر کردار کی پختگی تھی‘ وہ وعدے کے پکے تھے‘ جس چیز کو مانتے تھے پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ مانتے تھے اور نہ ماننے کی صورت میں اُس کی مخالفت بھی بہت شدّ و مدّ سے کرتے تھے۔ ان میں چال بازیاں اور ریشہ دوانیاں نہیں تھیں۔ اس کے علاوہ مکی سورتوں میں انسانی اخلاقیات پر بڑا زور دیا گیا ہے‘ مثلاً سچ بولنے کی تاکید‘ جھوٹ کی حوصلہ شکنی‘ بخل کی مذمت‘ سخاوت کی تعریف‘ مساکین کو کھانا کھلانے پر زور اور ان لوگوں پر تنقید جو دولت مند ہونے کے باوجود کٹھور دل ہیں۔ اِن سورتوں کا ایک خاص اور اہم مضمون سابقہ قوموں اور رسولوں کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔ ان سورتوں میں اس سلسلے میں جو فلسفہ بار بار بیان ہوا ہے اس کا ذکر ان سطور میں ’’التَّذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ‘‘ کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے۔ اس فلسفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کا انکار کرنے والی قوم کو ہمیشہ عذابِ استیصال سے دوچار ہونا پڑتا رہا ہے۔ جیسے ارشاد ہوا: ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ﴾ (الانعام: ۴۵) ’’پس جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی ظالم قوم کی‘‘۔

دوسری طرف مدنی سورتوں میں زیادہ تر خطاب یا تو مسلمانوں سے بحیثیت اُمتِ مسلمہ ہے یا پھر اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) سے بحیثیت سابقہ اُمتِ مسلمہ‘ دعوت کے انداز میں بھی اور ملامت کے طور پر بھی‘ ترغیب سے بھی اور ترہیب سے بھی۔ ان سورتوں میں نفاق اور منافقین کا ذکر کثرت سے ہے۔ اوس اور خزرج کے جو لوگ مدینہ میں آباد تھے وہ اگرچہ تھے تو عرب ہی‘ لیکن یہودیوں کے زیر اثر رہنے کی وجہ سے اُن کا مزاج اور کردار بدل چکا تھا۔ جو اخلاقی خرابیاں کسی بگڑی ہوئی مسلمان اُمت میں ہوتی ہیں‘ وہ یہودِ مدینہ میں بتمام و کمال موجود تھیں۔ چنانچہ ان کے زیر اثر اوس و خزرج کے لوگوں میں بھی اخلاق و کردار کی ویسی ہی کمزوریاں کسی نہ کسی

درجے میں پائی جاتی تھیں اور اسی وجہ سے مدینہ میں منافقین کا باقاعدہ ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ منافقین اور منافقت کا ذکر مدنی سورتوں میں ایک مستقل مضمون کے طور پر آیا ہے۔ مدنی سورتوں کا اہم ترین مضمون احکامِ شریعت یعنی جائز و ناجائز' فرائض' واجبات' اوامر و نواہی وغیرہ کی تفاصیل پر مبنی ہے۔

موضوع کی مناسبت سے مکی سورتوں کے مضامین کی ایک اور تقسیم کا ذکر کرنا بھی یہاں ضروری محسوس ہوتا ہے۔ مکی اور مدنی سورتوں کے جن سات گروپوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ان کے دوسرے اور تیسرے گروپ میں جو مکی سورتیں (سورۃ الانعام' سورۃ الاعراف اور سورۂ یونس سے لے کر سورۃ المؤمنون تک مسلسل چودہ سورتیں) شامل ہیں ان میں ایمانیات میں سے زیادہ زور رسالت پر ہے' درمیانی دو گروپس کی سورتوں میں زیادہ زور توحید پر ہے' جبکہ آخری دو گروپوں میں شامل مکی سورتوں میں زیادہ زور آخرت (بعث بعد الموت' جزا و سزا' جنت اور جہنم) پر ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

آیات ۱ تا ۱۱

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیۡنَ
كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ ۝١ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّی
عِنۡدَهٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ۝٢ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الۡاَرۡضِ ؕ يَعۡلَمُ سِرَّكُمۡ وَجَهۡرَكُمۡ
وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُوۡنَ ۝٣ وَمَا تَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ مِّنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ ۝٤
فَقَدۡ كَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ ؕ فَسَوۡفَ يَاۡتِيۡهِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝٥ اَلَمۡ
يَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّكَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّكُمۡ وَاَرۡسَلۡنَا
السَّمَآءَ عَلَيۡهِمۡ مِّدۡرَارًا ۖ وَّجَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَكۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ
وَاَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ ۝٦ وَلَوۡ نَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ كِتٰبًا فِیۡ قِرۡطَاسٍ فَلَمَسُوۡهُ
بِاَيۡدِيۡهِمۡ لَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۝٧ وَقَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ
مَلَكٌ ؕ وَلَوۡ اَنۡزَلۡنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الۡاَمۡرُ ثُمَّ لَا يُنۡظَرُوۡنَ ۝٨ وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلۡنٰهُ
رَجُلًا وَّلَلَبَسۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّا يَلۡبِسُوۡنَ ۝٩ وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيۡنَ
سَخِرُوۡا مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝١٠ قُلۡ سِيۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ثُمَّ انۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ ع ١
عَاقِبَةُ الۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝١١

آیت ۱ ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ﴾ ”کُل تعریف اور تمام شکر اُس اللہ کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی اور بنایا اندھیروں اور اُجالے کو۔“

اس سورت کی ابتدائی آیت کے حوالے سے ایک خاص نکتہ یہ نوٹ کر لیجیے کہ قرآن مجید میں تقریباً سات سات پاروں کے وقفے سے ایک سورۃ ”اَلۡحَمۡدُ“ کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ مثلاً قرآن کا آغاز ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ سے ہوا ہے، پھر ساتویں پارے میں سورۃ الانعام ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ﴾ سے شروع ہو رہی ہے، اس کے بعد پندرھویں پارے میں سورۃ الکہف کا آغاز ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَلَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ①﴾ سے ہو رہا ہے، پھر بائیسویں پارے میں اکٹھی دو سورتیں (سورۂ سبا اور سورۂ فاطر) ﴿اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ﴾ سے شروع ہوتی ہیں۔ اس طرح تقریباً ایک جیسے وقفوں سے سورتوں کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور تعریف سے ہوتا ہے۔

یہاں دوسرا نکتہ نوٹ کرنے کا یہ ہے کہ اس آیت میں خَلَقَ اور جَعَلَ دو ایک جیسے اَفعال مادّی اور غیر مادّی تخلیق کا فرق واضح کرنے کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ آسمان اور زمین چونکہ مادّی حقیقتیں ہیں لہٰذا ان کے لیے لفظ خَلَقَ آیا ہے، لیکن اندھیرا اور اُجالا اس طرح کی مادّی چیزیں نہیں ہیں (بلکہ اندھیرا تو کوئی چیز یا حقیقت ہے ہی نہیں، کسی جگہ یا کسی وقت میں نور کے نہ ہونے کا نام اندھیرا ہے)، اس لیے ان کے لیے الگ فعل جَعَلَ استعمال ہوا ہے کہ اُس نے ان دونوں کو ٹھہرا دیا، بنا دیا، نمایاں کر دیا، جس سے معلوم ہو گیا کہ یہ اُجالا ہے اور یہ اندھیرا ہے۔

﴿ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ①﴾ ”پھر بھی وہ لوگ جو اپنے ربّ کا کفر کرتے ہیں اُس کے برابر کیے دیتے ہیں (جھوٹے معبودوں کو)۔“

یعنی یَعۡدِلُوۡنَ بِہٖ شُرَکَآءَ ہُمۡ کہ وہ ان نام نہاد معبودوں کو اللہ کے برابر کر دیتے ہیں، جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات یا حقوق میں شریک سمجھا ہوا ہے، حالانکہ یہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے، ظلمات اور نور کا بنانے والا بھی تنہا اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن پھر بھی ان لوگوں کے حال پر تعجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہمسر ٹھہراتے ہیں۔

شرک کے بارے میں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ شرک صرف یہی نہیں ہے کہ کوئی مورتی ہی سامنے رکھ کر اس کو سجدہ کیا جائے، بلکہ اور بہت سی باتیں اور بہت سے نظریات بھی شرک کے زمرے میں آتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جو ہر دور میں بھیس بدل بدل کر آتی ہے، چنانچہ اسے پہچاننے کے لیے بہت وسعتِ نظری کی ضرورت ہے۔ مثلاً آج کے دور کا ایک بہت بڑا شرک نظریۂ وطنیت ہے، جسے علامہ اقبال نے سب سے بڑا بُت قرار دیا ہے ع ”اِن تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے!“ یہ شرک کی وہ قسم ہے جس سے ہمارے پرانے دور کے علماء بھی واقف نہیں تھے۔ اس لیے کہ اس انداز میں وطنیت کا نظریہ پہلے دنیا میں تھا ہی نہیں۔

شرک کے بارے میں ایک بہت سخت آیت ہم دو دفعہ سورۃ النساء (آیت ۴۸ اور ۱۱۶) میں پڑھ چکے ہیں:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ ''اللہ تعالیٰ اِسے ہرگز معاف نہیں فرمائے گا کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے' البتہ اس سے کمتر گناہ جس کے لیے چاہے گا معاف فرما دے گا''۔ اللہ تعالیٰ شرک سے کمتر گناہوں میں سے جو چاہے گا' جس کے لیے چاہے گا' بغیر توبہ کے بھی بخش دے گا' البتہ شرک سے بھی اگر انسان تائب ہو جائے تو یہ بھی معاف ہو سکتا ہے۔ شرک اور توحید کے یہ مضامین حوامیم (وہ سورتیں جن کا آغاز حٰمٓ سے ہوتا ہے) میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوں گے۔ ان سورتوں کے مطالعے کے دوران' ان شاء اللہ' توحید عملی اور توحید نظری کے بارے میں بھی بات ہو گی۔ حوامیم سورۃ الفرقان سے سورۃ الاحقاف تک مکی سورتوں کے اس طویل سلسلے کا حصہ ہیں جس میں شامل تمام سورتوں کا مرکزی مضمون توحید ہے۔ سورۂ یٰسٓ اس سلسلے کے اندر مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ بہرحال یہاں تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ جو حضرات شرک کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ''حقیقت واقسامِ شرک'' کے موضوع پر میری تقاریر سماعت فرمائیں۔ (یہ چھ گھنٹوں کی تقاریر ہیں' جو اسی عنوان کے تحت اب کتابی شکل میں بھی دستیاب ہیں۔) بڑے بڑے جید علماء نے ان تقاریر کو پسند کیا ہے۔

آیت ۲ ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ﴾ ''وہی ہے جس نے تمہیں بنایا ہے گارے سے' پھر ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔''

یعنی ہر شخص جس کو اللہ نے دنیا میں بھیجا ہے اُس کا اِس دنیا میں رہنے کا ایک وقت معین ہے۔ ''اجل'' سے مراد ہر انسان کی موت کا وقت ہے۔

﴿وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ②﴾ ''اور ایک اور معین وقت اُس کے پاس موجود ہے' پھر بھی تم شک کرتے ہو!''

یعنی ایک تو ہے انفرادی موت کا وقت' جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ))(1) ''جس کو موت آ گئی اُس کی قیامت تو قائم ہو گئی''۔ جبکہ ایک اس دنیا کی اجتماعی موت کا مقررہ وقت ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اپنے پاس رکھا ہے' کسی اور کو نہیں دیا۔

آیت ۳ ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ﴾ ''اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔''

ایسا نہیں ہے کہ آسمانوں کا خدا کوئی اور ہو' زمین کا کوئی اور۔ ہاں فرشتوں کے مختلف طبقات ہیں۔ جیسے زمین کے فرشتے' فضا کے فرشتے اور آسمانوں کے فرشتے معین ہیں۔ پھر ہر آسمان کے الگ فرشتے ہیں۔ پھر ملائکہ مقربین ہیں۔ لیکن ذاتِ باری تعالیٰ تو ظاہر ہے ایک ہی ہے۔

﴿يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③﴾ ''وہ جانتا ہے تمہارا چھپا بھی اور تمہارا ظاہر بھی' اور وہ جانتا ہے جو کچھ (نیکی یا بدی) تم کماتے ہو۔''

---

(۱) تخریج الکشاف للزیلعی : ۴۳٦/۱۔ وتخریج الاحیاء للعراقی : ۷۹/٤۔ وسلسلة الاحادیث الضعیفة للالبانی:۱۱٦٦۔ راوی : انس بن مالک ؓ۔ اسنادہٗ ضعیف۔

آیت ۴ ﴿وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۝۴﴾ ''اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے' مگر یہ اس سے اعراض کرنے والے بنے ہوئے ہیں۔''

ہم نئی سے نئی سورتیں بھیج رہے ہیں' نئی سے نئی آیات نازل کر رہے ہیں' لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اعراض پر تُلے ہوئے ہیں۔

آیت ۵ ﴿فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ﴾ ''تو اب انہوں نے جھٹلا دیا ہے حق کو جبکہ ان کے پاس آچکا ہے۔''

یہاں ''فَقَدْ كَذَّبُوْا'' کا انداز ملاحظہ کیجیے اور یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ یہ مکی دور کے آخری زمانے کی سورت ہے جبکہ حضور ﷺ کو دعوت دیتے ہوئے تقریباً بارہ برس ہو چکے تھے۔ مطلب یہ کہ اب تک بھی جو لوگ ایمان نہیں لائے' وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر پورے طور سے جم چکے ہیں۔

﴿فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵﴾ ''تو اب جلد ہی ان کے پاس آ جائیں گی اُس چیز کی خبریں جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔''

مشرکینِ مکہ مذاق اڑاتے تھے کہ عذاب کی دھمکیاں سنتے سنتے ہمیں بارہ سال ہو گئے ہیں' لیکن اب تک کوئی عذاب نہیں آیا' لہٰذا یہ خالی دھونس ہے' صرف دھمکی ہے۔ اس طرح وہ لوگ اللہ کی آیات کا استہزا کرتے تھے۔ یہاں دوٹوک انداز میں واضح کیا جا رہا ہے کہ جن چیزوں کا یہ لوگ مذاق اڑایا کرتے تھے ان کی حقیقت عنقریب ان پر کھلنا شروع ہو جائے گی۔ واضح رہے کہ اس گروپ کی پہلی دو مکی سورتیں (الانعام اور الاعراف) مشرکینِ عرب پر اتمامِ حجت کی سورتیں ہیں اور ان کے بعد دو مدنی سورتوں (الانفال اور التوبہ) میں ان لوگوں پر عذابِ موعود کا بیان ہے۔ یعنی ان لوگوں پر عذاب کی پہلی قسط غزوۂ بدر میں آئی تھی' جس کا ذکر سورۃ الانفال میں آیا ہے اور اس عذاب کی آخری قسط کے بارے میں تفصیل سورۃ التوبہ میں بیان ہوئی ہے۔ اسی مناسبت سے دو مکی اور دو مدنی سورتوں پر مشتمل یہ ایک گروپ بن گیا ہے۔

آیت ۶ ﴿اَلَمْ یَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ﴾ ''کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جنہیں ہم نے زمین میں ایسا تمکّن عطا فرمایا تھا جیسا تمہیں عطا نہیں کیا ہے''

اے قومِ قریش! ذرا قومِ عاد کی شان و شوکت کا تصور کرو! وہ لوگ اسی جزیرہ نمائے عرب میں آباد تھے۔ اُس قوم کی عظمت کے قصے ابھی تک تمہیں یاد ہیں۔ قومِ ثمود بھی بڑی طاقتور قوم تھی' اپنے علاقے میں ان کا بڑا رعب اور دبدبہ تھا۔ وہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ایسے عالی شان محل بناتے تھے کہ تم لوگ آج اس اہلیت کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے ہو۔ ہم نے ان قوموں کو زمین میں وہ قوت و سطوت دے رکھی تھی جو تمہیں نہیں دی ہے۔ تو جب ہم نے ایسی عظیم الشان اقوام کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا تو تمہاری کیا حیثیت ہے؟

﴿وَّاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَیْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمْ﴾ ''اور ہم نے ان پر

آسمان (سے مینہ) برسایا موسلا دھار اور ہم نے نہریں بہادیں ان کے نیچے"

ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور انہیں خوشحالی عطا کی۔ بارش کا پانی برکت والا (مَآءً مُّبٰرَكًا) ہوتا ہے جس سے زمین کی روئیدگی خوب بڑھتی ہے اور پھلوں' اناج وغیرہ کی بہتات ہوتی ہے۔

﴿فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ۝۶﴾ "پھر ان کو بھی ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کے بعد ایک اور قوم کو اُٹھا کھڑا کیا۔"

مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق بڑی بڑی طاقتور اقوام تباہ کر دی گئیں تو تم کس کھیت کی مولی ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہارے معاملے میں اللہ تعالیٰ کا قانون بدل جائے گا؟

اگلی آیت سے اس سورۂ مبارکہ کے مرکزی مضمون کا آغاز ہو رہا ہے۔ جس دور میں یہ سورتیں (الانعام اور الاعراف) نازل ہوئی تھیں اُس دور میں حضور ﷺ پر قریشِ مکّہ کا شدید دباؤ تھا کہ اگر آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور ہم سے اپنی رسالت منوانا چاہتے ہیں تو ہمیں کوئی حسّی معجزہ دکھائیے' مُردوں کو زندہ کیجیے' آسمان پر چڑھ کر دکھایئے' مکہ میں کوئی باغ بنا دیجیے' کوئی نیا چشمہ نکال دیجیے' سونے چاندی کا کوئی محل بنا دیجیے' آسمان سے کتاب لے کر آپؐ کو اترتے ہوئے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں' وغیرہ۔ ان کی طرف سے اس طرح کے تقاضے روز بروز زور پکڑتے جا رہے تھے اور عوام الناس میں یہ سوچ پختہ ہوتی جا رہی تھی کہ ہمارے سرداروں کے یہ مطالبات ٹھیک ہی تو ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اپنی قوم کو کیسے کیسے معجزے دکھائے تھے! اگر محمد (ﷺ) بھی نبوت کے دعوے دار ہیں تو آپؐ ویسے معجزات کیوں نہیں دکھاتے؟ جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ اب کوئی حسّی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا۔ سب سے بڑا معجزہ قرآن نازل کر دیا گیا ہے۔ جو شخص حق کا طالب ہے اس کے لیے اس میں ہدایت موجود ہے — ان حالات میں حضور ﷺ کی جانِ مبارک گویا چکّی کے دو پاٹوں کے درمیان آ گئی تھی۔ یہ اس سورۃ کا مرکزی مضمون ہے۔ آگے چل کر جب یہ موضوع اپنے نقطۂ عروج (climax) کو پہنچتا ہے تو اسے پڑھتے ہوئے واقعتاً رونگٹے کھڑے ہو جانے والی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

آیت ۷ ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ﴾ "اور اگر ہم نے اُتار (بھی) دی ان پر کوئی کتاب جو کاغذوں میں لکھی ہوئی ہو' پھر وہ اسے چھو بھی لیں اپنے ہاتھوں سے"

﴿لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝۷﴾ "تب بھی یہ کافر یہی کہیں گے کہ یہ تو ایک کھلا جادو ہے۔"

یہ لوگ ایسے معجزات کو دیکھ کر بھی یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھوں پر جادو کا اثر ہو گیا ہے' یا یہ کہ ہماری نظر بند کر دی گئی ہے۔ جو نہ ماننے کا تہیہ کر چکا ہو وہ صریح معجزات کو دیکھ کر بھی نہیں مانے گا۔ البتہ اگر ہم ان کے مطالبے پر کوئی ایسا معجزہ دکھا دیں گے تو ان کی مہلت ختم ہو جائے گی اور پھر اس کے بعد ان پر فوراً عذاب آ جائے گا۔ ابھی ہماری رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ انہیں مزید مہلت دی جائے۔ گویا ابھی اس دودھ کو مزید بلویا جانا مقصود ہے' شاید کہ اس میں سے کچھ مزید مکھن نکل آئے۔ اس لیے حسی معجزہ نہیں دکھایا جا رہا۔

آیت ۸ ﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ⑧﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں اُترا ان پر (علانیہ) کوئی فرشتہ؟ اور اگر ہم نے فرشتہ اتار دیا ہوتا تو پھر فیصلہ ہی چکا دیا جاتا' پھر انہیں کوئی مہلت نہ ملتی۔''

یعنی اس دنیا کی زندگی میں انسان کو جو امتحان درپیش ہے اس کا تعلق پردۂ غیب سے ہے۔ اگر غیب کا پردہ اٹھ جائے تو پھر امتحان ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد تو پھر نتیجے کا اعلان کرنا ہی باقی رہ جاتا ہے۔

آیت ۹ ﴿وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ⑨﴾ ''اور اگر ہم اس کو فرشتہ بناتے تب بھی آدمی ہی کی شکل میں بناتے اور انہیں ہم اُسی شبہ میں ڈال دیتے جس شبہ میں یہ اب مبتلا ہیں۔''

اگر محمدٌ رسول اللہ (ﷺ) کے بجائے کسی فرشتے کو نبی بنا کر بھیجا جاتا تو ظاہر ہے انسانوں کے درمیان اسے بھی ہم انسانی شکل میں ہی بھیجتے۔ اس طرح جو التباس انہیں اس وقت ہو رہا ہے وہی التباس انہیں فرشتے کی صورت میں بھی ہو جاتا۔ ہاں اگر فرشتوں میں ہمیں رسول بھیجنا ہوتا تو ضرور ہم کوئی فرشتہ ہی بھیجتے۔ حدیثِ جبریلؑ کے حوالے سے ہمیں معلوم ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ کے پاس انسانی شکل میں آئے تھے' اور یوں پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی پتا نہ چلا کہ یہ جبرائیلؑ ہیں' وہ انہیں انسان ہی سمجھتے رہے۔

آیت ۱۰ ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے بھی رسولوں کا (اسی طریقے سے) مذاق اڑایا گیا''

ان الفاظ میں نبی اکرم ﷺ کو گویا تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ دل گرفتہ نہ ہوں' یہ ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہو رہا۔ آپ سے پہلے بھی انبیاء و رُسل علیہم السلام کی دعوت کے جواب میں ان کی قومیں اسی طرح غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کرتی رہی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک ایسا سب کچھ جھیلتے رہے۔ سورۃ الاحقاف (آیت ۹) میں یہی بات حضور ﷺ کی زبان سے کہلوائی گئی ہے: ﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ﴾ یعنی اے نبی ﷺ! آپ انہیں کہہ دیجیے کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں' مجھ سے پہلے بھی بہت سے رسول آ چکے ہیں۔

﴿فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑩﴾ ''پھر گھیر لیا ان لوگوں میں سے ان کو جو مذاق اڑاتے تھے اُسی چیز نے جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔''

(اے نبی ﷺ!) اگرچہ آپ کی خواہش ہے کہ انہیں کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تاکہ ان کی زبانیں بند ہو جائیں' لیکن ہم ابھی ایسا نہیں چاہتے' اس لیے کہ ابھی ان کی مہلت کا وقت ختم نہیں ہوا۔ یعنی یہ سارا معاملہ وقت کے تعین کا ہے' یہاں time factor ہی اہم ہے' جس کا فیصلہ ہماری مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ان سے کہیے کہ گھومو پھرو زمین میں پھر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا!''

تمہارے اس جزیرہ نمائے عرب میں ہی قومِ عاد اور قومِ ثمود آباد تھیں۔ اور جب تم شام کی طرف سفر کرتے ہو تو وہاں راستے میں قومِ مدین کے مسکن بھی دیکھتے ہو اور قومِ لوط کے شہروں کے آثار بھی۔ یہ سب کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو، پھر تم ان قوموں کے انجام سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے؟

آیات ۱۲ تا ۲۰

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۟ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ ع ۸

آیت ۱۲ ﴿قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ﴾ ''ان سے پوچھیے کس کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں؟ کہہ دیجیے اللہ ہی کا ہے!''

دراصل یہ کہنا اس اعتبار سے ہے کہ مشرکینِ مکہ بھی اس کائنات کا مالک اور خالق اللہ ہی کو مانتے تھے۔ وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ لات، منات، عُزّیٰ اور ہُبل نے دنیا کو پیدا کیا ہے۔ وہ ایسے احمق نہیں تھے، بلکہ اپنے ان معبودوں کے بارے میں اُن کا ایمان یہ تھا: ﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ﴾ (یونس: ۱۸) کہ یہ اللہ کی جناب میں ہماری شفاعت کریں گے۔ آیت زیر مطالعہ کا یہ مضمون سورۃ العنکبوت (آیت ۶۱) میں بایں الفاظ آیا ہے:

﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ) اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ آسمان اور زمین کس نے بنائے ہیں اور سورج اور چاند کو کس نے مسخر کیا ہے؟ تو یہ لازماً کہیں گے کہ اللہ نے!'' چنانچہ وہ لوگ کائنات کی تخلیق کو اللہ ہی کی طرف منسوب کرتے تھے اور اس کا مالک بھی اللہ ہی کو سمجھتے تھے۔ البتہ ان کا شرکیہ عقیدہ یہ تھا کہ ہمارے یہ معبود اللہ کے بڑے چہیتے اور لاڈلے ہیں، اللہ

کے ہاں ان کے بڑے اونچے مراتب ہیں‘ یہ ہمیں اللہ کی پکڑ سے چھڑوالیں گے۔

﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ﴾ ”اُس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔“

یہ لزوم اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر کیا ہے‘ ہم اُس پر کوئی شے لازم قرار نہیں دے سکتے۔

﴿لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ﴾ ”وہ تمہیں لازماً جمع کر کے لے جائے گا قیامت کے دن کی طرف جس میں کوئی شک نہیں ہے۔“

یہاں ایک غور طلب نکتہ یہ ہے کہ قیامت کا دن تو بڑا سخت ہوگا‘ جس میں احتساب ہوگا‘ سزا ملے گی۔ پھر یہاں پر رحمت کے لزوم کا ذکر کس حوالے سے آیا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ رحمت کا ظہور قیامت کے دن خاص اہلِ ایمان کے لیے ہوگا۔ اس لحاظ سے ان الفاظ میں دراصل خوشخبری ہے انبیاء و رُسل علیہم السلام کے لیے‘ صدیقین‘ شہداء اور صالحین کے لیے‘ اور جملہ مخلص اہل ایمان کے لیے‘ کہ جو سختیاں اور مصیبتیں تم لوگ اپنی دنیوی زندگی میں برداشت کر رہے ہو‘ ان کا بدلہ دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت تمہاری منتظر ہے۔ بلاشبہ قیامت کے دن تمہاری خدمات کا تمہیں بھرپور صلہ ملے گا‘ تمہاری سرفروشیوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرِ محشر قدر افزائی کا اعلان ہوگا۔ اس لیے تمہیں یہ خیال نہ آنے پائے کہ ہم تو اپنا سب کچھ اللہ کے لیے لٹا بیٹھے ہیں‘ پتا نہیں وہ دن آئے گا بھی یا نہیں‘ پتا نہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہماری ملاقات ہوگی بھی یا نہیں‘ معلوم نہیں یہ سب کچھ واقعی حق ہے بھی یا نہیں! تو اے میرے بندو! ان وسوسوں کو اپنے دل و دماغ سے دور رکھو‘ اور خوشخبری سنو:

﴿كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ﴾

﴿اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫﴾ ”جو لوگ اپنے آپ کو خسارے میں ڈالنے کا فیصلہ کر چکے ہیں وہی ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے۔“

آیت ۱۳ ﴿وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬﴾ ”اور اُسی کا ہے جو کچھ ساکن ہو جاتا ہے رات میں اور (متحرک ہو جاتا ہے) دن کے وقت۔ اور وہ سب کچھ سننے والا‘ جاننے والا ہے۔“

یہاں سَكَنَ کے مقابل لفظ تَحَرَّكَ محذوف ہے۔ ایسے مقابل کے الفاظ کو عام طور پر قرآن مجید میں حذف کر دیا جاتا ہے تاکہ پڑھنے یا سننے والا خود سمجھے۔ جیسے یہاں رات کے ساتھ سکون کا لفظ آیا ہے اور اس کے ساتھ ہی دن کا ذکر کر دیا گیا ہے‘ جبکہ دن کا وقت سکون کے لیے نہیں ہے۔ لہٰذا آیت کا اصل مفہوم یوں واضح ہوتا ہے: وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَمَا تَحَرَّكَ فِي النَّهَارِ ”اور اُسی کا ہے جو کچھ رات کے وقت سکون پکڑتا ہے اور دن کے وقت متحرک ہو جاتا ہے۔“

آیت ۱۴ ﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”ان سے کہیے: کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا ولی بنالوں‘ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟“

تم بھی مانتے ہو کہ زمین و آسمان اور پوری کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے‘ تو ایسے خالق‘ مالک‘ مولا اور کارساز کو چھوڑ کر کیا میں کسی اور کو اپنا ولی اور حمایتی بنالوں؟ یہ تو بڑی حماقت کی بات ہے‘ بڑے گھاٹے کا سودا ہے۔

﴿وَهُوَ يُطۡعِمُ وَلَا يُطۡعَمُ ۗ﴾ ''اور وہ کھانا کھلاتا ہے' اُسے کھلایا نہیں جاتا۔''

تم بتوں کے سامنے نذریں اور حلوے مانڈے پیش کرتے ہو' لیکن اللہ کو تو ایسی چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ تو پوری مخلوق کا ربّ ہے' سب کو کھلاتا ہے' سب کا رازق ہے۔

﴿قُلۡ اِنِّیۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَسۡلَمَ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ڈنکے کی چوٹ) کہہ دیجیے مجھے تو حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلا فرمانبردار میں خود بنوں''

﴿وَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۱۴﴾﴾ ''اور تم ہرگز نہ ہونا مشرکین میں سے۔''

آیت ۱۵ ﴿قُلۡ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۵﴾﴾ ''کہہ دیجیے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے خوف ہے ایک بڑے (ہولناک) دن کے عذاب کا۔''

میں بھی اللہ کا بندہ ہوں۔ جیسے میں آپ لوگوں کو اللہ کی بندگی کی ترغیب دے رہا ہوں' ویسے ہی مجھے بھی اللہ کی بندگی کرنی ہے۔ مجھے کوئی استثناء حاصل نہیں ہے۔ جیسے میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ اللہ کی فرمانبرداری کرو' ویسے ہی مجھ پر اس کی فرمانبرداری فرض ہے۔ اور جیسے میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ اگر اللہ کی نافرمانی کرو گے تو پکڑے جاؤ گے' ایسے ہی میں بھی اگر بالفرض اس کی نافرمانی کروں گا تو مجھے بھی اللہ کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ ان آیات میں بہت اہم نکات بیان ہوئے ہیں' ان پر بہت غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔

آیت ۱۶ ﴿مَنۡ یُّصۡرَفۡ عَنۡہُ یَوۡمَئِذٍ فَقَدۡ رَحِمَہٗ ؕ وَذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۶﴾﴾ ''جو شخص اُس دن اس (عذاب) سے دُور رکھا گیا تو اُس پر اللہ کی بڑی رحمت ہوگئی' اور یہی ہوگی واضح کامیابی۔''

دُنیا کی بڑی سے بڑی کامیابیاں اُس دن کی کامیابی کے سامنے ہیچ ہیں۔ اس کامیابی کے سامنے دُنیوی دولت' وجاہت' عزت' شہرت' اقتدار وغیرہ ساری چیزیں عارضی اور فانی ہیں۔ اصل الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ تو آخرت کی کامیابی ہی ہے۔

آیت ۱۷ ﴿وَاِنۡ یَّمۡسَسۡکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗۤ اِلَّا ہُوَ ؕ﴾ ''اور اگر تمہیں اللہ کی طرف سے پہنچا دی جائے کوئی تکلیف تو کوئی نہیں ہے اس کا دور کرنے والا سوائے اُس کے۔''

یہ توحید کا بیان ہے۔ تکلیف میں پکارو تو اُسی کو پکارو' کسی اور کو نہ پکارو۔ ﴿وَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ ۘ﴾ (القصص: ۸۸)۔ وہی مشکل کشا ہے' وہی حاجت روا ہے اور وہی تمہاری تکلیفوں کو رفع کرنے والا ہے۔

﴿وَاِنۡ یَّمۡسَسۡکَ بِخَیۡرٍ فَہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۱۷﴾﴾ ''اور اگر اُس کی طرف سے کوئی خیر تمہیں پہنچا دی جائے تو یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

کوئی اُس کا ہاتھ روکنے والا نہیں ہے۔ اسے اپنے کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنے کے لیے کسی اور سے منظوری لینے کی حاجت نہیں۔ وہ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ہے۔

آیت ۱۸ ﴿وَہُوَ الۡقَاہِرُ فَوۡقَ عِبَادِہٖ ؕ وَہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۸﴾﴾ ''اور وہ اپنے بندوں پر پوری طرح

سے غالب ہے' اور وہ ہے کمال حکمت والا اور ہر شے کی خبر رکھنے والا۔''

وہ زور آور ہے' اس کا اقتدار پوری کائنات پر محیط ہے' اس کی مخلوقات میں سے کوئی بھی اس کے قابو سے باہر نہیں ہے۔

آیت ۱۹ ﴿قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۟ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۟﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے کونسی چیز ہے جو گواہی میں سب سے بڑی ہے؟ (پھر خود ہی) کہیے کہ اللہ (کی گواہی سب سے بڑی ہے)! وہ میرے اور تمہارے مابین گواہ ہے۔''

﴿وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ﴾ ''اور میری جانب یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں بھی خبردار کردوں اس کے ذریعے سے اور اُس کو بھی جس تک یہ پہنچ جائے۔''

یہ گویا اس سورۃ کے عمود یعنی مرکزی مضمون کا عکس ہے۔ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اس سورۃ کا عمود یہ مضمون ہے کہ مشرکین کے مطالبے پر کسی قسم کا حسی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا۔ اے نبی (ﷺ) ہم نے آپ پر جو قرآن نازل کیا ہے آپ کا اصل معجزہ یہی ہے۔ آپؐ تبشیر' انذار اور تذکیر کے فرائض اسی قرآن کے ذریعے سے سرانجام دیں۔ جس کے اندر صلاحیت ہے اور جو ہدایت چاہتا ہے' وہ ہدایت پالے گا۔ لیکن جس کے دل میں کجی' تعصب' ہٹ دھرمی' حسد اور تکبّر ہے' آپؐ اس کو دس لاکھ معجزے دکھا دیجیے وہ نہیں مانے گا۔ کیا علماءِ یہود حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزے دیکھ کر آپؑ پر ایمان لے آئے تھے؟ آپؑ گارے سے پرندے کی شکل بنا کر پھونک مارتے اور وہ اڑتا ہوا پرندہ بن جاتا۔ یہ احیائے موتیٰ اور خلقِ حیات تو وہ چیزیں ہیں جو بالخصوص اللہ تعالیٰ کے اپنے (exclusive) اَفعال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ایسی نشانیاں بھی ظاہر کر دیں' لیکن ایسے عظیم الشان معجزات دیکھ کر بھی علماءِ یہود ایمان نہ لائے' لہٰذا ہم ان کے مطالبے پر ایسا کوئی معجزہ نہیں دکھائیں گے۔ البتہ آپ (ﷺ) محنت اور کوشش جاری رکھیے' دعوت و تبلیغ کرتے جائیے۔

یہاں لفظ بِہٖ خاص طور پر لائق توجہ ہے۔ فرمایا کہ یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ میں خبردار کردوں تمہیں اس کے ذریعے سے (بِہٖ)۔ یعنی میرا انذار قرآن کے ذریعے سے ہے۔ مزید فرمایا: ﴿وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ﴾ ''اور جس تک یہ پہنچ جائے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں قرآن کو تم لوگوں تک پہنچا رہا ہوں' اس کے بعد جو اُمت بنے گی وہ آگے پہنچائے گی۔ جس تک یہ قرآن پہنچ گیا اُس تک گویا رسول اللہ ﷺ کا انذار پہنچ گیا' اس طرح یہ سلسلہ تا قیامت چلے گا' کیونکہ حضور ﷺ صرف اپنے زمانے کے لیے رسول بن کر نہیں آئے تھے۔ یہ آپ ﷺ ہی کی رسالت کا دور چل رہا ہے۔ جو انسان بھی قیامت تک دنیا میں آئے گا وہ آپ ﷺ کی اُمتِ دعوت میں شامل ہوگا' اُس تک قرآن کا پیغام پہنچانا اُمتِ محمد ﷺ کے ذمہ ہے۔

اب اگلی آیت میں آ رہا ہے ایک متجسسانہ سوال (searching question)۔ جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا' جب آپ کو معلوم ہو کہ آپ کا مخالف جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اپنے دل کے یقین سے نہیں کہہ رہا ہے' بلکہ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر کہہ رہا ہے' تو پھر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر متجسسانہ (searching)

انداز میں اس سے سوال کیا جاتا ہے۔ یہی انداز یہاں اختیار کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ﴾ ''کیا واقعی تم لوگ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کچھ اور بھی الٰہ ہیں؟''

﴿قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے (اگر تم یہ گواہی دیتے بھی ہو تو) میں اس کی گواہی نہیں دے سکتا۔'' تم ایسا کہو تو کہو' لیکن میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ایسی خلافِ عقل اور خلافِ فطرت بات کہوں۔

﴿قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ⑲﴾ ''کہہ دیجیے وہ تو بس ایک ہی الٰہ ہے اور میں بَری ہوں ان تمام چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہرا رہے ہو۔''

اب اگلی آیت میں یہودیوں کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہے۔ واضح رہے کہ یہ سورۃ مکی دور کے آخری سالوں میں نازل ہوئی۔ اس وقت تک مدینہ میں یہ خبریں پہنچ چکی تھیں کہ مکہ کے اندر ایک نئی دعوت بڑے زور وشور اور شدّومدّ کے ساتھ اُٹھ رہی ہے۔ چنانچہ مدینہ کے یہودیوں کی طرف سے سکھائے ہوئے سوالات مکہ کے لوگ حضور ﷺ سے اکثر امتحاناً پوچھا کرتے تھے۔ مثلاً آپ بتائیے کہ ذوالقرنین کون تھا؟ اگر آپ نبی ہیں تو بتایئے کہ اصحابِ کہف کا قصہ کیا تھا؟ اور یہ کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ ان سوالات اور ان کے جوابات کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل اور سورۃ الکھف میں آئے گا۔ مدینہ کے یہودیوں تک اُن کے سوالات کے جوابات سے متعلق بھی تمام خبریں پہنچ چکی تھیں اور ان کے سمجھ دار اور اہلِ علم لوگ سمجھ چکے تھے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے ہم منتظر تھے۔ مگر یہ لوگ یہ سب کچھ سمجھنے اور جان لینے کے باوجود بھی ایمان سے محروم رہ گئے۔

آیت ۲۰ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ﴾ ''وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی تھی پہچانتے ہیں اس کو جیسا کہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔''

يَعْرِفُوْنَهٗ کی ضمیر مفعولی دونوں طرف جا سکتی ہے' قرآن کی طرف بھی اور حضور ﷺ کی طرف بھی۔ البتہ اس سے قبل یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ قرآن اور رسول ﷺ مل کر ہی ''بَيِّنَه'' بنتے ہیں' یہ دونوں ایک وحدت اور ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ حضور ﷺ خود قرآنِ مجسّم ہیں۔ قرآن اگر ایک انسانی شخصیت اور سیرت و کردار کا جامہ پہن لے تو وہ محمد ﷺ کی شخصیت ہوگی۔ جیسا کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے فرمایا تھا: ''كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ''(۲) یعنی حضور ﷺ کی سیرت قرآن ہی تو ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑳﴾ ''(البتہ) جو لوگ اپنے آپ کو تباہ کرنے پر تُل گئے ہیں تو وہی ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے۔''

آیات ۲۱ تا ۳۰

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ㉑

(۲) مسند احمد' ح ۲۳۴۶۰' ۲۴۱۳۹۔ ۲۴۶۲۹۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَاۗؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ
تَزْعُمُوْنَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿٢٣﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ
كَذَبُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ
وَجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا
بِهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرٰٓي اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا
وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا
نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾
وَلَوْ تَرٰٓي اِذْ وُقِفُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٠﴾ ع ١٠

آیت ۲۱ ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢١﴾﴾

"اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے اللہ پر کوئی جھوٹی تہمت لگائی یا اُس کی آیات کو جھٹلایا۔ یقیناً ایسے ظالم (کبھی) فلاح نہیں پا سکتے۔"

یعنی یہ دو عظیم ترین جرائم شناعت میں باہم برابر ہیں' اللہ کی آیات کو جھٹلانا یا کوئی جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دینا۔

آیت ۲۲ ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَاۗؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٢٢﴾﴾

"اور جس دن ہم جمع کریں گے ان سب کو پھر کہیں گے ان سے جنہوں نے شرک کیا تھا: کہاں ہیں تمہارے وہ شرکاء جن کا تمہیں گھمنڈ ہو گیا تھا؟"

تمہارا گمان تھا کہ وہ تمہیں ہماری پکڑ سے بچا لیں گے۔ اب وہ تمہاری مدد کیوں نہیں کرتے؟

آیت ۲۳ ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿٢٣﴾﴾ "پھر نہیں ہوگی ان کی کوئی اور چال سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے کہ اللہ کی قسم جو ہمارا ربّ ہے ہم مشرک نہیں تھے۔"

آیت ۲۴ ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾﴾ "دیکھو کیسے وہ جھوٹ بولیں گے اپنے اوپر اور جو افترا انہوں نے کیا ہوا تھا وہ سب ان سے گم ہو جائے گا۔"

عذاب کو دیکھ کر اس وقت ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ جائیں گے اور ان کے یہ دعوے کہ فلاں دیوی انہیں بچا لے گی اور فلاں دیوتا ان کی سفارش کرے گا' سب نسیاً منسیاً ہو جائیں گے۔

آیت ۲۵ ﴿وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُ اِلَيۡكَ ۚ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو آپ کی بات کو بڑی توجہ سے سنتے ہیں۔''

مکہ میں قریش کے سرداروں کے لیے جب عوام کو ایمان لانے سے روکنا مشکل ہو گیا تو انہوں نے بھی علماءِ یہود کی طرح ایک ترکیب نکالی۔ وہ بڑے اہتمام کے ساتھ آ کر حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھتے اور بڑے انہماک سے کان لگا کر آپؐ کی باتیں سنتے۔ وہ یہ ظاہر کرتے کہ ہم سب کچھ بڑی توجہ سے سن رہے ہیں' تاکہ عام لوگ دیکھ کر یہ سمجھیں کہ واقعی ہمارے ذی فہم سردار یہ باتیں سننے' سمجھنے اور ماننے میں سنجیدہ ہیں' مگر پھر بعد میں عوام میں آ کر ان باتوں کو ردّ کر دیتے۔ عام لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ ان کی ایک چال تھی' تاکہ عوام یہ سمجھیں کہ ہمارے یہ سردار سمجھدار اور ذہین ہیں' یہ لوگ شوق سے محمد (ﷺ) کی محفل میں جاتے ہیں اور پورے انہماک سے ان کی باتیں سنتے ہیں' پھر اگر یہ لوگ اس دعوت کو سننے اور سمجھنے کے بعد ردّ کر رہے ہیں تو آخر اس کی کوئی علمی اور عقلی وجوہات تو ہوں گی۔ لہٰذا آیت زیر نظر میں ان کی اس سازش کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اے نبی (ﷺ) ان میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس آتے ہیں اور آپ کی باتیں بظاہر بڑی توجہ سے کان لگا کر سنتے ہیں۔

﴿وَجَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ وَفِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا ؕ وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا ؕ﴾ ''حالانکہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ ان کو سمجھ نہیں سکتے اور ان کے کانوں کے اندر ہم نے ثقل پیدا کر دیا ہے۔ اور اگر یہ ساری نشانیاں (جو یہ مانگ رہے ہیں) بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔''

اللہ نے ان کے دلوں اور دماغوں پر یہ پردے کیوں ڈال دیے؟ یہ سب کچھ اللہ کی اس سنت کے مطابق ہے کہ جب نبی کے مخاطبین اس کی دعوت کے مقابلے میں حسد' تکبر اور تعصب دکھاتے ہوئے اپنی ضد پر اڑے رہتے ہیں تو ان کی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں سلب کر لی جاتی ہیں۔ جیسے سورۃ البقرۃ (آیت ۷) میں فرمایا گیا: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ ؕ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ ﴾ ''اللہ نے مہر کر دی ہے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر۔ اور ان کی آنکھوں کے سامنے پردہ پڑ چکا ہے''۔ لہٰذا ان کا بظاہر توجہ سے نبی ﷺ کی باتوں کو سننا ان کے لیے مفید نہیں ہو گا۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوۡكَ يُجَادِلُوۡنَكَ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۲۵﴾ ''یہاں تک کہ (اے نبی ﷺ) جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑا (اور مناظرہ) کرتے ہیں (اور) کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن جو آپ سنا رہے ہیں) کچھ بھی نہیں صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔''

یعنی یہ جو کچھ آپ (ﷺ) ہمیں سنا رہے ہیں یہ پرانی باتیں اور پرانے قصے ہیں' جو معلوم ہوتا ہے کہ آپ

نے یہودیوں اور نصرانیوں سے سن رکھے ہیں۔

آیت ۲۶ ﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ﴾ ''اور وہ اس سے روکتے بھی ہیں اور خود بھی رُک جاتے ہیں۔''

اس جملے میں لفظی اور معنوی اعتبار سے آپس میں ملتے جلتے دو افعال استعمال ہوئے ہیں' ایک کا مادہ 'ن ھ ی' ہے اور دوسرے کا 'ن ء ی' ہے۔ نَھٰی یَنْھٰی (روکنا) تو معروف فعل ہے اور ''نہی'' کا لفظ اردو میں بھی عام استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا ﴿يَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ کے معنی ہیں ''وہ روکتے ہیں اس سے''۔ کس کو روکتے ہیں؟ اپنے عوام کو۔ ان کی لیڈری اور سرداری عوام کے بل پر ہی تو ہے۔ عوام برگشتہ ہو جائیں گے تو اُن کی لیڈری کہاں رہے گی۔ عوام کو اپنے قابو میں کرنا اور ان کی عقل اور سمجھ پر اپنا تسلط قائم رکھنا ایسے نام نہاد لیڈروں کے لیے انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک طرف تو وہ اپنے عوام کو راہِ ہدایت اختیار کرنے سے روکتے ہیں اور دوسری طرف وہ خود اس سے گریز اور پہلوتہی کرتے ہیں۔ نَاٰی یَنْاٰی نَأْيًا کا مفہوم ہے دور ہونا' کنی کترانا' جیسے سورۂ بنی اسرائیل (آیت ۸۳) میں فرمایا: ﴿وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ﴾ ''اور انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم اس پر انعام کرتے ہیں تو منہ پھیر لیتا اور پہلوتہی کرتا ہے''۔ چنانچہ ﴿يَنْئَوْنَ عَنْهُ﴾ کے معنی ہیں ''وہ اس سے گریز کرتے ہیں' کنّی کتراتے ہیں۔''

﴿وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۲۶﴾ ''اور وہ نہیں ہلاک کر رہے کسی کو سوائے اپنے آپ کے' لیکن انہیں اس کا احساس نہیں ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا﴾ ''اور کاش تم دیکھ پاتے جب یہ کھڑے کیے جائیں گے آگ کے کنارے پر تو یہ کہیں گے ہائے کاش! کسی طرح ہمیں لوٹا دیا جائے (تو ہم تصدیق کریں گے) اور ہم اپنے رب کی آیات کو نہیں جھٹلائیں گے''

یہاں پر نُرَدُّ کے بعد فَنُصَدِّقُ محذوف مانا جائے گا' کہ اگر ہمیں لوٹا دیا جائے تو ہم تصدیق کریں گے اور اپنے ربّ کی آیات کو جھٹلائیں گے نہیں۔ کاش کسی نہ کسی طرح ایک دفعہ پھر ہمیں دنیا میں واپس بھیج دیا جائے۔

﴿وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲۷﴾ ''اور ہم (پکے اور سچے) مؤمن بن جائیں گے۔''

آیت ۲۸ ﴿بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ﴾ ''بلکہ یہ تو ان پر وہی حقیقت ظاہر ہوئی ہے جو اس سے پہلے (اپنے دل میں) چھپائے ہوئے تھے۔''

ایسا نہیں تھا کہ انہیں حقیقت کا علم نہیں تھا۔ حق پہلے ہی ان پر واضح تھا' بات ان پر پوری طرح کھل چکی تھی' لیکن اس وقت ان پر حسد' بغض اور تکبر کے پردے پڑے ہوئے تھے۔

﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۲۸﴾ ''اور اگر (بالفرض) انہیں لوٹا بھی دیا جائے تو پھر وہی کچھ کریں گے جس سے انہیں روکا جا رہا تھا اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔''

دنیا میں جا کر پھر وہاں کے تقاضے سامنے آ جائیں گے' دنیا کے مال و دولت اور اولاد کی محبت اور دوسری

نفسانی خواہشات پھر انہیں گمراہی کے راستے پر ڈال دیں گی۔

آیت ۲۹ ﴿وَ قَالُوْٓا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے مگر بس ہماری دنیا ہی کی زندگی اور ہم (مرنے کے بعد) پھر زندہ نہیں کیے جائیں گے۔''

جیسے آج کل کفر و الحاد کے مختلف shades ہیں' نزولِ قرآن کے زمانے میں بھی ایسا ہی تھا۔ آج ایسے لوگ بھی دنیا میں موجود ہیں جو اللہ کو تو مانتے ہیں' آخرت کو نہیں مانتے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ اور آخرت کو مانتے ہیں' لیکن رسالت کو نہیں مانتے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو بالکل ملحد اور مادہ پرست ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ ہم خود ہی پیدا ہوتے ہیں اور خود ہی اپنی طبعی موت مر جاتے ہیں' اور ہماری زندگی صرف یہی ہے' مرنے کے بعد اٹھنے والا کوئی معاملہ نہیں۔ اسی طرح حضور ﷺ کے دور میں بھی کفر و شرک کے مختلف shades موجود تھے۔ قریش کے اکثر لوگ اور عرب کے بیشتر مشرکین اللہ کو مانتے تھے' آخرت کو مانتے تھے' بعث بعد الموت کو بھی مانتے تھے' لیکن اس کے ساتھ وہ دیوی دیوتاؤں کی سفارش اور شفاعت کے قائل تھے کہ قیامت کے دن ہمیں فلاں چھڑا لے گا' فلاں بچا لے گا' فلاں ہمارا حمایتی اور مددگار ہوگا۔ لیکن ایک طبقہ ان میں بھی ایسا تھا جو کہتا تھا کہ ہماری زندگی بس اسی دنیا کی حد تک ہے' اس کے بعد کوئی اور زندگی نہیں ہے۔ یہاں اس آیت میں انہی لوگوں کا تذکرہ ہے۔

آیت ۳۰ ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ﴾ ''اور کاش کہ تم دیکھ سکتے جبکہ یہ کھڑے کیے جائیں گے اپنے ربّ کے سامنے۔ (اُس وقت) وہ پوچھے گا: کیا یہ حق نہیں ہے؟''

﴿قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۰﴾ ''وہ کہیں گے: کیوں نہیں' ہمارے ربّ کی قسم (یہ حق ہے)! تو وہ کہے گا کہ اب مزا چکھو عذاب کا اپنے کفر کی پاداش میں۔''

آیات ۳۱ تا ۴۱

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا
عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝۳۱
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ ۝۳۲ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ
الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰي مَا
كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓي اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَاۗءَكَ مِنْ نَّبَاِى
الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۴ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي
الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَي الْهُدٰى فَلَا

تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۞ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ
يُرْجَعُوْنَ ۞ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ
اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ
تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ
وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۞ ع

آیت ۳۱ ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''بڑے گھاٹے میں پڑ گئے وہ لوگ جو اللہ سے ملاقات کے انکاری ہیں۔''

وہ اس بات کو جھٹلا رہے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی پیشی' حاضری یا اللہ سے ملاقات ہوگی۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ ''یہاں تک کہ جب آ جائے گا ان پر وہ وقت اچانک''

ایک شخص کے لیے انفرادی طور پر تو السَّاعَة (گھڑی) سے مراد اُس کی موت کا وقت ہے' لیکن عام طور پر اس سے قیامت ہی مراد لی گئی ہے۔ چنانچہ اس کا مطلب ہے کہ جب قیامت اچانک آ جائے گی۔

﴿قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۞﴾ ''تو وہ کہیں گے ہائے افسوس ہماری اس کوتاہی پر جو اس (قیامت) کے بارے میں ہم سے ہوئی' اور وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر۔ آگاہ ہو جاؤ' بہت بُرا بوجھ ہوگا جو وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے۔''

جب قیامت حق بن کر سامنے آ جائے گی تو ان کی حسرت کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ وہ اپنی پیٹھوں پر کفر' شرک اور گناہوں کے بوجھ اٹھائے ہوئے میدانِ حشر میں پیش ہوں گے۔

آیت ۳۲ ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ﴾ ''اور نہیں ہے دُنیا کی زندگی مگر کھیل اور کچھ جی بہلا لینا۔''

اس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کی زندگی کی کوئی حقیقت نہیں ہے' بلکہ تقابل میں ایسا کہا جاتا ہے کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی محض لہو ولعب ہے۔ ایک شے ابدی ہے' ہمیشہ ہمیش کے لیے ہے اور ایک شے عارضی اور فانی ہے۔ ان دونوں کا آپس میں کیا مقابلہ؟ جیسے دعائے استخارہ میں الفاظ آئے ہیں: فَاِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ (اے اللہ! تو ہی سب کچھ جانتا ہے' میں کچھ نہیں جانتا)۔ ظاہر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کچھ بھی نہیں جانتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علم کے مقابلے میں کسی دوسرے کا علم کچھ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسی طرح یہاں آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی زندگی کو لعب اور لہو قرار دیا گیا ہے۔ ورنہ دنیا تو ایک اعتبار سے آخرت کی

کھیتی ہے۔ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے کہ: ((اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ))[۳] ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے''۔ یہاں بوؤ گے تو وہاں کاٹو گے۔اگر یہاں بوؤ گے نہیں تو وہاں کاٹو گے کیا؟ یہ تعلق ہے آپس میں دنیا اور آخرت کا۔اس اعتبار سے دنیا ایک حقیقت ہے اور ایک امتحانی وقفہ ہے۔لیکن جب آپ تقابل کریں گے دنیا اور آخرت کا تو دنیا اور اس کا مال ومتاعِ آخرت کی ابدیت اور اس کی شان وشوکت کے مقابلے میں گویا نہ ہونے کے برابر ہے۔دنیا کی زندگی تو محض تین گھنٹے کے ایک ڈرامہ کی مانند ہے جس میں کسی کو بادشاہ بنا دیا جاتا ہے اور کسی کو فقیر۔جب ڈرامہ ختم ہوتا ہے تو نہ بادشاہ سلامت بادشاہ ہیں اور نہ فقیر فقیر ہے۔ڈرامہ ہال سے باہر جا کر کپڑے تبدیل کیے اور سب کردار اپنی اصل حالت میں آ گئے۔یہ ہے دنیا کی اصل حقیقت۔اسی مفہوم میں اس آیت میں دنیا کو کھیل تماشا قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۳۲﴾ ''اور یقیناً آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کریں' تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

اب وہ مقام آ گیا ہے جسے میں نے اس سورۃ کے عمود کا ذروۂ سنام (climax) قرار دیا تھا۔یہاں ترجمہ کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی ہے' لیکن ہمیں ترجمانی کی کوشش تو بہرحال کرنی ہے۔

آیت ۳۳ ﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) ہمیں خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ لوگ کہہ رہے ہیں اس سے آپ غمگین ہوتے ہیں''

ہم جانتے ہیں کہ جو مطالبات یہ لوگ کر رہے ہیں اور آپؐ سے معجزات دکھانے کا تقاضا کر رہے ہیں اس سے آپؐ رنجیدہ ہوتے ہیں۔آپ ﷺ کی ذات گویا چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آ گئی ہے۔ایک طرف اللہ کی مشیت ہے اور دوسری طرف ان لوگوں کے تقاضے۔اب اس کا پہلا جواب تو یہ ہے:

﴿فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۳۳﴾ ''تو (اے نبی ﷺ! آپ صبر کیجیے) یقیناً وہ آپ کو نہیں جھٹلا رہے' بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی نشانیوں کا انکار کر رہے ہیں۔''

دراصل یہ لوگ قرآن کا انکار کر رہے ہیں' ہمارا انکار کر رہے ہیں۔یہ سمجھانے اور دلجوئی کرنے کا بہت خوبصورت انداز ہے۔کیا انہوں نے آپؐ کو کبھی جھوٹا کہا؟ نہیں کہا! آپؐ پر کوئی تہمت انہوں نے لگائی؟ نہیں لگائی! لہٰذا یہ لوگ جو تکذیب کر رہے ہیں' یہ آپؐ کی تکذیب نہیں ہو رہی' یہ ہماری تکذیب ہو رہی ہے' غصہ تو ہمیں آنا چاہیے' ناراض تو ہمیں ہونا چاہیے۔قرآن ہمارا کلام ہے اور یہ لوگ ہمارے کلام کو جھٹلا رہے ہیں۔آپؐ کا کام تو ہمارے کلام کو ان تک پہنچا دینا ہے۔یہ سمجھانے کا ایسا انداز ہے' جیسے کوئی شفیق استاد اپنے شاگرد کو سمجھا رہا ہو۔

---

(۳) اسے حافظ زین الدین العراقی نے ''تخریج الاحیاء'' (۴/۲۴) میں' علامہ محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی نے ''المقاصد الحسنۃ'' (ح ۲۶۰) میں' ملا علی قاری نے ''الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة'' (ح ۲۰۶) میں اور علامہ زرقانی نے ''مختصر المقاصد'' (ح ۴۶۷) میں نقل کیا ہے۔اس حدیث کے بارے میں محدثین کی آراء کا خلاصہ یہ ہے: قیل لا اصل له او باصله موضوع۔ (مرتب)

اب اگلی آیات میں یہ بات درجہ بدرجہ آگے بڑھے گی۔ لہٰذا ان آیات کو پڑھتے ہوئے یہ اصول ذہن میں ضرور رکھئے کہ اَلرَّبُّ رَبٌّ وَاِنْ تَنَزَّلَ وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَقّٰی۔ اب اس ضمن میں دوسرا جواب ملاحظہ ہو:

آیت ۳۴ ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ﴾ ”اور آپؐ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا تو انہوں نے صبر کیا اس پر جو انہیں جھٹلایا گیا اور جو انہیں ایذائیں پہنچائی گئیں‘ یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد پہنچ گئی۔ اور (اے نبی ﷺ!) اللہ کے ان کلمات کو بدلنے والا کوئی نہیں۔“

ہمارا ایک قانون‘ ایک طریقہ اور ایک ضابطہ ہے‘ اس لیے آپ (ﷺ) کو یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا۔ آپ کو جس منصب پر فائز کیا گیا ہے اس کے بارے میں ہم نے پہلے ہی بتا دیا تھا: ﴿اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝﴾ (المزمل) ”بے شک ہم آپ پر عنقریب ایک بھاری بوجھ ڈالنے والے ہیں۔“

﴿وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾ ”اور آپؐ کے پاس رسولوں کی خبریں آ چکی ہیں۔“

آپ (ﷺ) تمام انبیاء و رسلؑ کے حالات و واقعات سے آگاہ ہیں۔ آپ (ﷺ) کے علم میں ہے کہ ہمارے بندے نوح (علیہ السلام) نے ساڑھے نو سو برس تک صبر کیا۔ اب اس کے بعد سخت ترین بات آ رہی ہے۔

آیت ۳۵ ﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ﴾ ”اور اگر ان کا اعراض آپؐ پر بہت شاق گزر رہا ہے تو اگر آپؐ میں طاقت ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ لگالیں یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگالیں تو لے آئیں کوئی نشانی۔“

ہمارا تو فیصلہ اٹل ہے کہ ہم کوئی ایسا معجزہ نہیں دکھائیں گے‘ آپ لے آئیں جہاں سے لا سکتے ہیں۔ غور کیجیے کس انداز میں حضور ﷺ سے گفتگو ہو رہی ہے۔

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ ”اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا“

اگر اللہ چاہتا تو آنِ واحد میں سب کو صاحبِ ایمان اور نیک بنا دیتا۔ اس کے لیے تو ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔

﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝﴾ ”تو آپؐ جذبات سے مغلوب ہونے والوں میں سے نہ بنیں!“

اس معاملے میں آپؐ جذباتی نہ ہوں۔ یہی لفظ سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام سے خطاب میں آیا ہے۔ جب حضرت نوحؑ نے عرض کی کہ اے اللہ! میرا بیٹا میری نگاہوں کے سامنے غرق ہو گیا جب کہ تیرا وعدہ تھا کہ میرے اہل کو تو بچا لے گا: ﴿اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ﴾ (ھود: ٤٥) ”میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے“۔ تو اس کا جواب بھی بہت سخت تھا: ﴿اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝﴾ ”میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤ“۔ ذرا غور کریں‘ یہ اللہ کا وہ بندہ ہے جس نے ساڑھے نو سو برس تک اللہ کی چاکری کی‘ اللہ کے دین کی دعوت پھیلائی‘ اس میں محنت کی‘ مشقت کی اور ہر طرح کی مشکلات اٹھائیں۔ لیکن اللہ کی شان بہت بلند ہے‘ بہت بلند ہے‘ بہت بلند ہے! ظاہر ہے اگر سب

انسانوں کو ہدایت پر لانا مقصود ہو تو اللہ کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ آنِ واحد میں سب کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مانند بنا دے' اور اگر وہ سب کو بگاڑنا چاہے تو آنِ واحد میں سب کے سب ابلیس بن جائیں۔ مگر اصل مقصود تو امتحان اور آزمائش ہے۔ لہٰذا جو حق کا طالب ہوگا اور جو حق پر چلنا چاہے گا' حق صرف اسی کو ملے گا۔

آیت ۳۶ ﴿اِنَّمَا یَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ یَسۡمَعُوۡنَ ؕ وَ الۡمَوۡتٰی یَبۡعَثُہُمُ اللّٰہُ ثُمَّ اِلَیۡہِ یُرۡجَعُوۡنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''بات تو وہی قبول کریں گے جو (حقیقتاً) سنتے ہیں۔ رہے یہ مُردے تو اللہ ان کو اٹھائے گا' پھر وہ اُسی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔''

آیت ۳۷ ﴿وَ قَالُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ عَلَیۡہِ اٰیَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ ؕ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں کیوں نہیں اُتار دی گئی اس پر کوئی نشانی اُس کے ربّ کی طرف سے؟''

ان کے پاس بس یہی ایک دلیل رہ گئی تھی کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں تو ان پر اللہ کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتار دی جاتی؟ اسی ایک حجت پر انہوں نے ڈیرہ لگا لیا تھا۔ باقی ساری دلیلوں میں وہ مات کھا رہے تھے۔ اس صورتِ حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں تنگی (ضیق) کی جو کیفیت پیدا ہو رہی تھی اس کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے۔ جیسے سورۃ الحجر میں فرمایا گیا: ﴿وَ لَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّکَ یَضِیۡقُ صَدۡرُکَ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ ﴿ۙ۹۷﴾﴾ ''ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ بھنچتا ہے ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں۔''

﴿قُلۡ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۷﴾﴾ ''کہہ دو' اللہ قادر ہے کہ وہ کوئی (بڑی سے بڑی) نشانی اُتار دے' لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔''

یہ لوگ نہیں جانتے کہ اس طرح کا معجزہ دکھانے کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ اس طرح ان کی مہلت ختم ہو جائے گی۔ یہ بدبخت لوگ جس موقف پر مورچہ لگا کر بیٹھ گئے ہیں اس کی حساسیت کا انہیں علم ہی نہیں۔ انہیں معلوم نہیں ہے کہ معجزہ نہ دکھانا ان کے لیے ہماری رحمت کا مظہر ہے' اس لیے کہ ہم ابھی انہیں مزید مہلت دینا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ دودھ ابھی اور بلویا جائے' شاید اس میں سے کچھ اور مکھن نکل آئے۔

آیت ۳۸ ﴿وَ مَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡہِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُکُمۡ ؕ﴾ ''اور نہیں ہے زمین پر چلنے والا کوئی بھی جانور اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتا ہے' مگر وہ بھی تمہاری ہی طرح کی اُمتیں ہیں۔''

انسانوں کی طرح جانوروں' پرندوں اور کیڑوں مکوڑوں کے بھی رہنے سہنے کے اپنے اپنے طور طریقے اور نظام ہیں' ان کے اپنے leaders ہوتے ہیں جن کے تحت وہ بہت منظم طور پر رہتے ہیں۔ یہ چیزیں آج کی سائنسی تحقیق سے ثابت شدہ ہیں۔ جیسے چیونٹیوں کی ایک ملکہ ہوتی ہے' جس کے ماتحت وہ منظم انداز میں رہتی اور کام وغیرہ کرتی ہیں۔ اسی طرح شہد کی مکھیوں کی بھی ملکہ ہوتی ہے۔

﴿مَا فَرَّطۡنَا فِی الۡکِتٰبِ مِنۡ شَیۡءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّہِمۡ یُحۡشَرُوۡنَ ﴿۳۸﴾﴾ ''ہم نے تو اپنی کتاب میں کسی

شے کی کوئی کمی نہیں رکھی ہے' پھر یہ اپنے ربّ کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

قرآن میں ہم نے ہر طرح کے دلائل دے دیے ہیں' ہر طرح کے شواہد پیش کر دیے ہیں' ہر طرح سے استشہاد کر دیا ہے۔ ان سب کو آخر کار ہمارے حضور پیش ہونا ہے۔ وہاں پر ہر ایک کو اپنے کیے کا پورا بدلہ مل جائے گا۔

آیت ۳۹ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ﴾ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں (اور) اندھیروں میں (بھٹک رہے) ہیں۔''

﴿مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۳۹﴾ ''جس کو اللہ چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر لے آتا ہے۔''

''اللہ گمراہ کر دیتا ہے'' کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ اس کی گمراہی پر مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے' اس کی گمراہی کا فیصلہ کر دیتا ہے۔

آیت ۴۰ ﴿قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۰﴾ ''ان سے کہیے' ذرا غور کرو' اگر تم پر (کسی وقت) اللہ کا عذاب آ جائے یا تم پر قیامت آ جائے تو (اُس وقت) کیا تم سوائے اللہ کے کسی اور کو پکارو گے؟ اگر تم سچے ہو (تو ذرا جواب دو)!''

یہ بھی ایک متجسسانہ (searching) سوال ہے۔ اس حوالے سے حقیقت یہ تھی کہ جب بھی کبھی کوئی مصیبت آتی' مثلاً سمندر میں سفر کے دوران کبھی طوفان آ جاتا' موت سامنے نظر آنے لگتی تو مشرکین کو لات' منات' عُزّیٰ' ہُبل وغیرہ میں سے کوئی بھی دوسرا خدا یاد نہ رہتا۔ ایسے مشکل وقت میں وہ صرف اللہ ہی کو پکارتے تھے۔ چنانچہ خود ان سے سوال کیا جا رہا ہے کہ ہر شخص ذرا اپنے دل سے پوچھے کہ آخر مصیبت کے وقت اسے ایک اللہ ہی کیوں یاد آتا ہے؟ کسی شخص میں شرافت کی کچھ بھی رمق موجود ہو تو اس طرح کے سوالات کے جواب میں اس کا دل ضرور گواہی دیتا ہے کہ ہاں بات تو ٹھیک ہے' واقعی مشکل وقت میں میری زبان پر بے اختیار ''اللہ'' ہی کا نام آتا ہے۔ گویا ایک اللہ کو ماننا اور اس پر ایمان رکھنا انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔

آیت ۴۱ ﴿بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝۴۱﴾ ''بلکہ (مصیبت کی گھڑی میں) تم اسی کو پکارتے ہو' پھر اگر وہ چاہتا ہے تو جس تکلیف کے لیے تم اسے پکارتے ہو وہ دُور کر دیتا ہے اور (ایسے مواقع پر) تم بھول جاتے ہو اُن کو جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔''

آیات ۴۲ تا ۵۰

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝
فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ

اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى
قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ۝
قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ۝
وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ۝
قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ
اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ۝ ع

آیت ۴۲ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ۝﴾
''اور ہم نے بھیجا ہے بہت سی اُمتوں کی طرف آپؐ سے قبل (رسولوں کو)' پھر ہم نے پکڑا انہیں سختیوں اور تکلیفوں سے' شاید کہ وہ عاجزی کریں۔''

یہاں رسولوں کی بعثت کے بارے میں ایک اہم قانون بیان ہو رہا ہے (واضح رہے کہ یہاں انبیاء نہیں بلکہ صرف رسل مراد ہیں) کہ جب بھی کسی قوم کی طرف کوئی رسول بھیجا جاتا تھا تو اس قوم کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے چھوٹے چھوٹے عذاب آتے تھے' لیکن اگر وہ قوم اس کے باوجود بھی نہ سنبھلتی اور اپنے رسول پر ایمان نہ لاتی' تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی رسّی ڈھیلی چھوڑ دی جاتی تھی' تاکہ چند دن کی جو مہلت ہے اس میں وہ خوب دل کھول کر من مانیاں کر لیں۔ پھر اچانک اللہ کا بڑا عذاب ان کو آ پکڑتا تھا جس سے وہ قوم نیست و نابود کر دی جاتی تھی۔ یہ مضمون اصل میں سورۃ الاعراف کا عمود ہے اور وہاں بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

آیت ۴۳ ﴿فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝﴾ ''تو کیوں نہ ایسا ہوا کہ جب ہماری طرف سے کوئی سختی ان پر آئی تو وہ گڑگڑاتے' لیکن ان کے دل تو سخت ہو چکے تھے اور شیطان نے مزین کیے رکھا ان کے لیے ان اعمال کو جو وہ کر رہے تھے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار کی تنبیہات کے باوجود بھی وہ لوگ سوچنے' سمجھنے اور اپنے رویے پر نظرِ ثانی کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔

آیت ۴۴ ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ﴾ ''پھر جب انہوں نے بھلا دیا اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر دروازے کھول دیے ہر چیز کے۔''

کہ اب کھاؤ پیو' عیش کرو' اب دنیا میں ہر قسم کی نعمتیں تمہیں ملیں گی' تاکہ اس دنیا میں جو تمہارا نصیب ہے اس

سے خوب فائدہ اٹھالو۔

﴿حَتّٰۤی اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ۝۴۴﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ اترانے لگے ان چیزوں پر جو انہیں مل گئی تھیں تو اچانک ہم نے انہیں پکڑ لیا' پھر وہ بالکل مایوس ہو کر رہ گئے۔''

آیت ۴۵ ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝۴۵﴾ ''پھر جڑ کاٹ دی گئی اُس قوم کی جس نے ظلم (اور کفروشرک) کی روش اختیار کی تھی۔ اور کُل شکر اور تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

آیت ۴۶ ﴿قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِهٖ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) پوچھیے! کیا تم نے کبھی غور کیا کہ اگر اللہ تمہاری آنکھیں اور تمہارے کان چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو دوبارہ تمہیں یہ (ساری صلاحیتیں) دلائے گا؟''

﴿اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ هُمْ یَصْدِفُوْنَ۝۴۶﴾ ''دیکھیے ہم کس طرح ان کے لیے اپنی آیات مختلف پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں' پھر بھی وہ کنارہ کشی کرتے ہیں۔''

ع ''اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں'' کے مصداق قرآن میں مختلف مضامین پھرا پھرا کر' مختلف انداز سے کفار و مشرکین کے سامنے لائے گئے' مگر اس کے باوجود یہ لوگ مسلسل اعراض کر رہے ہیں اور ایمان نہیں لا رہے۔

آیت ۴۷ ﴿قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ۝۴۷﴾ ''(ان سے) کہیے دیکھو تو اگر تم پر عذاب آ جائے اچانک یا علی الاعلان' تو کون ہلاک ہوگا سوائے ظالموں کے؟''

یہ عذاب اچانک آئے یا بتدریج' پیشگی اطلاع کے بغیر وارد ہو جائے یا ڈنکے کی چوٹ اعلان کر کے آئے' ہلاک تو ہر صورت میں وہی لوگ ہوں گے جو اللہ کے رسول کی دعوت کو ٹھکرا کر' اپنی جانوں پر ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اب اگلی آیت میں انبیاء و رُسل علیہم السلام کی بعثت کا وہی بنیادی مقصد بیان ہو رہا ہے جو اس سے پہلے ہم سورۃ النساء (آیت ۱۶۵) میں پڑھ چکے ہیں: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ......﴾

آیت ۴۸ ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ﴾ ''ہم نہیں بھیجتے رہے ہیں اپنے رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر۔''

﴿فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۝۴۸﴾ ''تو جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے اپنی اصلاح کر لی تو اُن پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

یعنی تمام انبیاء و رُسل اہلِ حق کے لیے بشارت دینے والے اور اہلِ باطل کے لیے خبردار کرنے والے تھے۔

آیت ۴۹ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا ان پر عذاب مسلط ہو کر رہے گا ان کی نافرمانی کے باعث۔''

آیت ۵۰ ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے اختیار میں ہیں اللہ کے خزانے اور نہ (میں نے دعویٰ کیا ہے کہ) مجھے غیب کا علم حاصل ہے اور نہ میں نے (کبھی) یہ کہا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔''

تم لوگ مجھ سے معجزات دکھانے کے مطالبات کرتے ہو اور غیب کے احوال پوچھتے ہو' لیکن کسی شخص سے مطالبہ تو کیا جانا چاہیے اُس کے دعوے کے مطابق۔ میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میں غیب جانتا ہوں اور الوہیت میں میرا حصہ ہے۔ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ میں اللہ کا ایک بندہ ہوں' بشر ہوں' مجھ پر وحی آتی ہے' مجھے مامور کیا گیا ہے کہ تمہیں خبردار کر دوں اور وہ کام میں کر رہا ہوں۔

﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ﴾ ''میں تو بس اتباع کر رہا ہوں اُس شے کا جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔''

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾ ''کہیے تو کیا اب برابر ہو جائیں گے اندھے اور دیکھنے والے؟ تو کیا تم غور و فکر سے کام نہیں لیتے؟''

آیات ۵۱ تا ۵۵

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ
لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا
عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ
اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ
كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًاۢ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ
ع ٥ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ۧ

ابھی پچھلے رکوع میں ہم نے پڑھا: ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ﴾ (آیت ۴۸) کہ تمام رسول تبشیر اور انذار کے لیے آتے رہے اور اسی سورت میں ہم یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے کہلوایا گیا: ﴿وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ﴾ (آیت ۱۹) ''یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے سے میں خبردار کروں تم لوگوں کو اور اُن تمام لوگوں کو بھی جن تک یہ پہنچے''۔ یہاں اب پھر قرآن کے ذریعے سے (بِہٖ) انذار کا حکم آ رہا ہے کہ (اے نبی ﷺ) آپ کا کام انذار

اور تبشیر ہے جسے آپ اس قرآن کے ذریعے سے سرانجام دیں۔

آیت ۵۱ ﴿وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ﴾ ''اور خبردار کر دیجیے اِس (قرآن) کے ذریعے سے اُن لوگوں کو جنہیں واقعتاً کچھ خوف ہے کہ وہ اپنے ربّ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے''

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے، مشرکینِ مکّہ میں بہت کم لوگ تھے جو بعث بعد الموت کے منکر تھے۔ ان میں زیادہ تر لوگوں کا عقیدہ یہی تھا کہ مرنے کے بعد ہم اٹھائے جائیں گے، قیامت آئے گی اور سب انسانوں کی اللہ کے حضور پیشی ہو گی، لیکن اپنے باطل معبودوں کے بارے میں اُن کا گمان تھا کہ وہ انہیں چھڑانے کے لیے وہاں موجود ہوں گے اور انہیں سزا سے بچالیں گے۔

﴿لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝﴾ ''اس حال میں کہ ان کے لیے نہیں ہو گا اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارش کرنے والا، شاید کہ (اس طرح سمجھانے سے) ان میں کچھ تقویٰ پیدا ہو جائے۔''

ان کو خبردار کر دیں کہ اپنے باطل معبودوں کی شفاعت کے بارے میں وہ لوگ اپنی غلط فہمیوں کو دور کر لیں۔ شاید کہ حقیقتِ حال کا ادراک ہونے کے بعد ان کے دلوں میں کچھ خوفِ خدا پیدا ہو جائے۔

آیت ۵۲ ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ﴾ ''اور مت دھتکاریے آپ ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے ربّ کو صبح شام (اور) وہ اُس کی رضا کے طالب ہیں۔''

دراصل یہ اشارہ ہے اس خاص معاملے کی طرف جو تقریباً تمام رسولوں کے ساتھ پیش آیا۔ واقعہ یہ ہے کہ عام طور پر رسولوں کی دعوت پر سب سے پہلے مفلس اور نادار لوگ ہی لبیک کہتے رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نبی کی محفل میں دیکھ کر صاحبِ ثروت وحیثیت لوگ اس دعوت سے اس لیے بھی بدکتے تھے کہ اگر ہم ایمان لائیں گے تو ہمیں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا۔ اس حوالے سے قرآن مجید میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا خصوصی طور پر ذکر ہوا ہے۔ آپؑ کی قوم کے سردار کہتے تھے کہ اے نوح ہم تو آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں، آپ کے پیغام کو سمجھنا بھی چاہتے ہیں، لیکن جب ہم آپ کے اردگرد گھٹیا قسم کے لوگوں کو بیٹھے دیکھتے ہیں تو ہماری غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ ہم ان کے ساتھ بیٹھیں۔ یہی بات سردارانِ قریش رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے کہ آپؐ کے پاس ہر وقت جن لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے وہ لوگ ہمارے معاشرے کے پست طبقات سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں سے اکثر ہمارے غلام ہیں۔ ایسے لوگوں کی موجودگی میں آپؐ کی محفل میں بیٹھنا ہمارے شایانِ شان نہیں۔ ان کی ایسی باتوں کے جواب میں یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی (ﷺ) آپ ان کی ایسی باتوں سے کوئی اثر نہ لیں، اور ان کے لیے آپؐ خواہ مخواہ اپنے مخلص ساتھیوں کو خود سے دور نہ کریں۔ اگر وہ غریب ہیں یا ان کا تعلق پست طبقات سے ہے تو کیا ہوا، ان کی شان تو یہ ہے کہ وہ صبح شام اللہ کو پکارتے ہیں، اللہ سے مناجات کرتے ہیں، اُس کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں، اُس کے روئے انور کے طالب ہیں اور اُس کی رضا چاہتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ایسے لوگوں کے بارے میں ہی فرمایا گیا ہے: ﴿مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ﴾ (آیت ۲۰۷) کہ یہ

وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانیں اور اپنی زندگیاں اللہ کی رضا جوئی کے لیے وقف کر دی ہیں۔

﴿مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ ''آپ کے ذمے ان کے حساب میں سے کچھ نہیں ہے اور نہ آپ کے حساب میں سے ان کے ذمے کچھ ہے''

یعنی ہر شخص اپنے اعمال کے لیے خود جواب دہ ہے اور ہر شخص کو اپنی کمائی خود کرنی ہے۔ آپؐ کے ذمے آپ کا فرض ہے' وہ آپؐ ادا کرتے رہیں۔ جو لوگ آپ (ﷺ) کی دعوت پر ایمان لا رہے ہیں وہ بھی اللہ کی نظر میں ہیں اور جو اس سے پہلو تہی کر رہے ہیں ان کا حساب بھی وہ لے لے گا۔ ہر ایک کو اُس کے طرزِ عمل کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ نہ آپؐ ان کی طرف سے جواب دہ ہیں اور نہ وہ آپؐ کی طرف سے۔

﴿فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۲﴾ ''تو اگر (بالفرض) آپ انہیں اپنے سے دُور کریں گے تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔''

آیت ۵۳ ﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے آزمایا ہے''

یہ اللہ کی آزمائش کا ایک طریقہ ہے۔ مثلاً ایک شخص مفلس اور نادار ہے' اگر وہ کسی دولت مند اور صاحبِ منصب و حیثیت شخص کو حق کی دعوت دیتا ہے تو وہ اس پر حقارت بھری نظر ڈال کر مسکرا دیتا ہے کہ اس کو دیکھو اور اس کی اوقات کو دیکھو' یہ سمجھانے چلا ہے مجھ کو! حالانکہ اصولی طور پر اس صاحبِ حیثیت شخص کو غور کرنا چاہیے کہ جو بات اس سے کہی جا رہی ہے وہ صحیح ہے یا غلط' نہ کہ بات کہنے والے کے مرتبہ و منصب کو دیکھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس طرح ہم لوگوں کی آزمائش کرتے ہیں۔

﴿لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝۵۳﴾ ''تا کہ وہ کہیں کہ کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے خاص انعام کیا ہے ہم میں سے؟ تو کیا اللہ زیادہ واقف نہیں ہے ان سے جو واقعتاً اس کا شکر کرنے والے ہیں؟''

صاحبِ حیثیت لوگ تو دعویٰ رکھتے ہیں کہ اللہ کا انعام اور احسان تو ہم پر ہوا ہے' دولت مند تو ہم ہیں' چودھراہٹیں تو ہماری ہیں۔ یہ جو نچلے طبقات کے لوگ ہیں ان کو ہم پر فضیلت کیسے مل سکتی ہے؟ سردارانِ قریش بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل کرنی تھی' کسی کو نبوت دینی تھی تو اس کے لیے کوئی ﴿رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ (الزخرف: ۳۱) منتخب کیا جاتا۔ یعنی یہ مکہ اور طائف جو دو بڑے شہر ہیں ان میں بڑے بڑے سردار ہیں' سرمایہ دار ہیں' بڑی بڑی شخصیات ہیں' ان میں سے کسی کو نبوت ملتی تو کوئی بات بھی تھی۔ یہ کیا ہوا کہ مکہ کا ایک یتیم جس کا بچپن مفلسی میں گزرا ہے' جوانی مشقت میں کٹی ہے' جس کے پاس دولت ہے نہ کوئی منصب' وہ نبوت کا دعویدار بن گیا ہے۔ اس قسم کے اعتراضات کا ایک اور مسکت جواب اسی سورۃ کی آیت ۱۲۴ میں ان الفاظ میں آئے گا: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ ''اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ اپنی

رسالت کا منصب کس کو دینا چاہیے"۔ اور کس میں اس منصب کو سنبھالنے کی صلاحیت ہے۔ جیسے طالوت کے بارے میں لوگوں نے کہہ دیا تھا کہ وہ کیسے بادشاہ بن سکتا ہے: ﴿وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ﴾ (البقرۃ: ٢٤٧) "اسے تو مال و دولت کی وسعت بھی نہیں دی گئی۔" ہم دولت مند ہیں، ہمارے مقابلے میں اس کی کوئی مالی حیثیت نہیں۔ اس کا جواب یوں دیا گیا کہ طالوت کو جسم اور علم کے اندر کشادگی ﴿بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ عطا فرمائی گئی ہے۔ لہٰذا اس میں بادشاہ بننے کی اہلیت تم لوگوں سے زیادہ ہے۔

اب اگلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو مزید تاکید کی جارہی ہے کہ ان غریب و نادار مؤمنین کے ساتھ آپ کا برتاؤ کیسا ہونا چاہیے۔

آیت ۵۴ ﴿وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ﴾ "جب آپؐ کے پاس آئیں وہ لوگ جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ان سے کہیں کہ تم پر سلامتی ہو، تمہارے ربّ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے"

﴿أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٥٤﴾﴾ "(اور تمہارے لیے اللہ کی خاص رحمت کا مظہر یہ ہے) کہ تم میں سے جو کوئی کسی برے کام کا ارتکاب کر بیٹھے گا جہالت کی بنا پر، پھر وہ اس کے بعد توبہ کرے گا اور اصلاح کر لے گا تو یقیناً اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔"

آیت ۵۵ ﴿وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٥٥﴾﴾ "اور اسی طرح ہم اپنی آیات کی تفصیل بیان کرتے ہیں تاکہ (لوگ ان پر غور و فکر کریں) اور مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔"

یہاں پر "نُفَصِّلُ الْآيَاتِ" کے بعد "لِيَتَفَكَّرُوا بِهَا" محذوف مانا جائے گا۔ یعنی ہم آیات کی تفصیل اس لیے بیان کرتے ہیں کہ لوگ ان پر غور و فکر کریں۔ اگر وہ ان پر غور کریں گے، تفکر کریں گے تو مجرموں کا راستہ ان کے سامنے کھل کر واضح ہو جائے گا۔

آیات ۵۶ تا ۶۰

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ ۙ
قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾ قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ ۚ مَا
عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ يَقُصُّ الْحَقَّ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ﴿٥٧﴾ قُلْ
لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ
بِالظَّالِمِينَ ﴿٥٨﴾ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا
تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا

فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾ وَھُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ
فِیْهِ لِیُقْضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَیْهِ مَرْجِعُکُمْ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

آیت ۵۶ ﴿قُلْ اِنِّیْ نُھِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ مجھے تو منع کر دیا گیا ہے ان کو پوجنے سے جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا۔''

یہ لات‘ منات‘ عُزّیٰ وغیرہ جن کو تم لوگ اللہ کے علاوہ معبود مانتے ہو‘ ان کو میں نہیں پکار سکتا۔ مجھے اس سے منع کر دیا گیا ہے۔ مجھے تو حکم دیا گیا ہے: ﴿لَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾﴾ (الجن) کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو مت پکارو۔

﴿قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَھْوَآءَکُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُھْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کر سکتا‘ اگر ایسا کروں گا تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور پھر نہ رہوں گا میں ہدایت پانے والوں میں۔''

آیت ۵۷ ﴿قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے رب کی طرف سے ایک بڑی بَیِّنَه پر ہوں''

یہ بیّنه کیا ہے؟ اس کی وضاحت سورۂ ہود میں آئے گی۔ یہاں اس بارے میں مختصراً یہ سمجھ لیجیے کہ ایک عام انسان کے لیے بَیِّنَه دو چیزوں سے مل کر بنتی ہے‘ انسان کی فطرتِ سلیمہ اور وحی الٰہی۔ فطرتِ سلیمہ اور عقل سلیم ہر انسان کے اندر اللہ کی طرف سے ودیعت کر دی گئی ہے جس کی بنا پر اس کو نیکی بدی اور اچھے برے کی تمیز فطری طور پر عطا ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اگر کسی انسان تک نبی یا رسول کے ذریعے سے اللہ کی وحی بھی پہنچ گئی اور اس وحی نے بھی اُن حقائق کی تصدیق کر دی جن تک وہ اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقل سلیم کی راہنمائی میں پہنچ چکا تھا‘ تو اس پر حجت تمام ہو گئی۔ اس طرح یہ دونوں چیزیں یعنی فطرتِ سلیمہ اور وحی الٰہی مل کر اس شخص کے لیے بیّنه بن گئیں۔ پھر اللہ کا رسول اور وحی الٰہی دونوں مل کر بھی لوگوں کے حق میں بَیِّنَه بن جاتے ہیں۔ خود رسولؐ کے حق میں بَیِّنَه یہ ہے کہ آپؐ اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقل سلیم کی راہنمائی میں جن حقائق تک پہنچ چکے تھے وحی الٰہی نے آ کر ان حقائق کو اجاگر کر دیا۔ چنانچہ یہاں حضور ﷺ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ آپؐ ان کو بتائیں کہ میں کوئی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں نہیں مار رہا‘ میں تو اپنے ربّ کی طرف سے بیّنه پر ہوں۔ میں جس راستے پر چل رہا ہوں وہ بہت واضح اور روشن راستہ ہے‘ اور مجھ پر اس راستہ کی باطنی حقیقت بھی منکشف کر دی گئی ہے۔

﴿وَکَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ﴾ ''اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ میرے پاس وہ شے موجود نہیں ہے جس کی تم جلدی مچا رہے ہو۔''

وہ لوگ جلدی مچا رہے تھے کہ لے آیئے ہمارے اوپر عذاب۔ دس برس سے آپ ہمیں عذاب کی دھمکیاں دے رہے ہیں‘ اب جب کہ ہم نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا ہے تو وہ عذاب ہم پر آ کیوں نہیں جاتا؟ جواب

کے طور پر حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ انہیں صاف الفاظ میں بتا دیجیے کہ عذاب کا فیصلہ میرے اختیار میں نہیں ہے' وہ عذاب جب آئے گا' جیسے آئے گا' اللہ کے فیصلے سے آئے گا اور جب وہ چاہے گا ضرور آئے گا۔

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝﴾ ''فیصلے کا اختیار کسی کو نہیں سوائے اللہ کے۔ وہ حق کو کھول کر بیان کر دیتا ہے اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔''

آیت ۵۸ ﴿قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

''کہہ دیجیے اگر میرے پاس وہ ہوتا جس کی تم جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان (کبھی کا) فیصلہ طے ہو چکا ہوتا۔ اور اللہ خوب واقف ہے ظالموں سے۔''

ان الفاظ سے ایک حد تک تلخی اور بیزاری ظاہر ہو رہی ہے کہ اگر یہ فیصلہ کرنا میرے اختیار میں ہوتا تو میں تم لوگوں کو مزید مہلت نہ دیتا۔ اب میں بھی تمہارے رویے سے تنگ آ چکا ہوں' میرے صبر کا پیمانہ آخری حد تک پہنچ چکا ہے۔

آیت ۵۹ ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ﴾ ''اور اُسی کے پاس غیب کے سارے خزانے ہیں' کوئی نہیں جانتا اُن (خزانوں) کو سوائے اُس کے' اور وہ جانتا ہے جو کچھ ہے خشکی میں اور سمندر میں۔''

﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا﴾ ''اور نہیں گرتا کوئی ایک پتا بھی (کسی درخت سے) مگر وہ اُس کے علم میں ہوتا ہے''

﴿وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ ''اور نہیں (گرتا) کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں' اور نہ کوئی تر و تازہ اور نہ کوئی سوکھی چیز' مگر ایک کتابِ مبین میں (سب کی سب) موجود ہیں۔''

یہ کتابِ مبین اللہ کا علمِ قدیم ہے' جس میں ہر شے (مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْن) آنِ واحد کی طرح موجود ہے۔

آیت ۶۰ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ﴾ ''اور وہی ہے جو تمہیں وفات دیتا ہے رات کے وقت''

سورۂ آلِ عمران کی آیت ۵۵ کی تشریح کے سلسلے میں یُوَفِّیْ ' یَتَوَفّٰی اور مُتَوَفِّیْ وغیرہ الفاظ کی وضاحت ہو چکی ہے' جس سے قادیانیوں کی ساری خباثت کا توڑ ہو جاتا ہے۔ ذرا غور کیجیے! یہاں وفات دینے کے کیا معنی ہیں؟ کیا نیند کے دوران انسان مر جاتا ہے؟ نہیں' جان تو بدن میں رہتی ہے' البتہ شعور نہیں رہتا۔ اس سلسلے میں تین چیزیں الگ الگ ہیں' جسم' جان اور شعور۔ فارسی کا ایک بڑا خوبصورت شعر ہے ؎

جاں نہاں در جسم' اُو در جاں نہاں　　　اے نہاں' اندر نہاں' اے جانِ جاں!

''جان جسم کے اندر پنہاں ہے اور جان میں وہ پنہاں ہے۔ اے کہ جو پنہاں شے کے اندر پنہاں ہے' تو ہی تو جانِ جاں ہے!''

اس شعر میں ''اَوْ'' (وہ) سے مراد کچھ اور ہے' جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ یہاں موضوع کے حوالے سے صرف یہ سمجھ لیجیے کہ انسانی شخصیت کی مذکورہ تین چیزوں (یعنی جسم' جان اور شعور) میں سے نیند کی حالت میں صرف شعور جاتا ہے' جبکہ موت میں شعور بھی جاتا ہے اور جان بھی چلی جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ''توفّی'' مکمل صورت میں وقوع پذیر ہوا تھا' یعنی جسم' جان اور شعور تینوں چیزوں کے ساتھ۔ عام آدمی کی موت کی صورت میں یہ ''توفّی'' ادھورا ہوتا ہے' یعنی جسم یہیں رہ جاتا ہے' جان اور شعور چلے جاتے ہیں' جب کہ نیند کی حالت میں صرف شعور جاتا ہے۔

﴿وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ﴾ ''اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو دن کے وقت' پھر وہ اس میں (اگلی صبح کو) تمہیں اُٹھاتا ہے' تاکہ (تمہاری) مدتِ معیّن پوری ہو جائے۔''

یعنی انسان جب سوتا ہے تو ایک طرح سے موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے' کیونکہ نیند آدھی موت ہے۔ جیسے کہ صبح کے وقت اٹھنے کی مسنون دعا میں مذکور ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرِ (کُل شکر اور کُل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے دوبارہ زندہ کیا' اس کے بعد کہ اس نے مجھ پر موت وارد کر دی تھی اور اُسی کی طرف جی اُٹھنا ہے)۔ اس دعا سے ایک بڑا عجیب نکتہ ذہن میں آتا ہے۔ وہ یہ کہ ہر روز صبح اٹھتے ہی جس شخص کی زبان پر یہ الفاظ آتے ہوں: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرِ'' قیامت کے دن جب وہ قبر سے اٹھے گا تو دنیا میں اپنی عادت کے سبب اُس کی زبان پر' ان شاء اللہ' خود بخود یہی ترانہ جاری ہو جائے گا' جو اُس وقت لفظی اعتبار سے صد فی صد درست ہو گا' کیونکہ وہ اٹھنا حقیقی موت کے بعد کا اٹھنا ہو گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ زندگی میں روزانہ اس کی ریہرسل کی جائے تاکہ یہ عادت پختہ ہو جائے۔

﴿ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾﴾ ''پھر اُسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے' پھر وہ تمہیں جتلا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔''

آیات ۶۱ تا ۷۰

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۚ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٦٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ

فَوۡقِكُمۡ اَوۡ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِكُمۡ اَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَعًا وَّيُذِيۡقَ بَعۡضَكُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ ؕ اُنۡظُرۡ
كَيۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَفۡقَهُوۡنَ ۝٦٥ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوۡمُكَ وَهُوَ الۡحَـقُّ ؕ قُلْ لَّسۡتُ
عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍ ؕ ۝٦٦ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسۡتَقَرٌّ وَّسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۝٦٧ وَاِذَا رَاَيۡتَ الَّذِيۡنَ يَخُوۡضُوۡنَ فِىۡۤ
اٰيٰتِنَا فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا فِىۡ حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنۡسِيَنَّكَ الشَّيۡطٰنُ فَلَا
تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰى مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ۝٦٨ وَمَا عَلَى الَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ
شَىۡءٍ وَّلٰـكِنۡ ذِكۡرٰى لَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ۝٦٩ وَذَرِ الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَعِبًا وَّلَهۡوًا وَّغَرَّتۡهُمُ
الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا وَذَكِّرۡ بِهٖۤ اَنۡ تُبۡسَلَ نَفۡسٌۢ بِمَا كَسَبَتۡ ‌ۖ لَيۡسَ لَهَا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِىٌّ وَّلَا
شَفِيۡعٌ ۚ وَاِنۡ تَعۡدِلۡ كُلَّ عَدۡلٍ لَّا يُؤۡخَذۡ مِنۡهَا ؕ اُولٰٓـئِكَ الَّذِيۡنَ اُبۡسِلُوۡا بِمَا كَسَبُوۡا ‌ۚ لَهُمۡ
شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ ۝٧٠ ع ٨

آیت ٦١ ﴿وَهُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ وَيُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ حَفَظَةً ؕ﴾ ’’اور وہ اپنے بندوں پر پوری طرح غالب ہے اور وہ تم پر نگہبان بھیجتا رہتا ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کی مشیت سے انسان کو اپنی اجلِ معیّن تک بہرصورت زندہ رہنا ہے‘ اس لیے ہر انسان کے ساتھ اللہ کے مقرر کردہ فرشتے اس کے باڈی گارڈز کی حیثیت سے ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ اس غیر مرئی حفاظتی حصار کی موجودگی کو بعض اوقات انسان خود بھی محسوس کرتا ہے جب انسان کو کوئی ایسا حادثہ پیش آتا ہے جس سے زندہ بچ جانے کا بظاہر کوئی امکان نہیں ہوتا‘ لیکن یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کسی غیبی ہاتھ نے اسے بچالیا ہو۔ اس طرح جب تک انسان کی موت کا وقت نہیں آتا‘ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ محافظ اُس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں۔

﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا وَهُمۡ لَا يُفَرِّطُوۡنَ ۝٦١﴾ ’’یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کو قبضے میں لے لیتے ہیں اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔‘‘

اب یہاں پھر لفظ تَوَفّٰی شعور اور جان دونوں کے جانے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرشتے جان نکالنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ انہیں جو حکم دیا جاتا ہے‘ جب دیا جاتا ہے وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

آیت ٦٢ ﴿ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَى اللّٰهِ مَوۡلٰٮهُمُ الۡحَـقِّ ؕ﴾ ’’پھر وہ لوٹا دیے جاتے ہیں اللہ کی طرف جو اُن کا مولیٰ ہے برحق۔‘‘

﴿اَلَا لَهُ الۡحُكۡمُ قف وَهُوَ اَسۡرَعُ الۡحٰسِبِيۡنَ ۝٦٢﴾ ’’آگاہ ہو جاؤ فیصلے کا اختیار اُسی کے ہاتھ میں ہے‘ اور وہ حساب کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر تیز ہے۔‘‘

حقیقی حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ یہ بات یہاں دوسری دفعہ آئی ہے۔ اس سے پہلے آیت ۵۷ میں بھی ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ﴾ کہ فیصلے کا اختیار کلیتاً اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں مزید فرمایا کہ وہ سب سے زیادہ تیز حساب چکانے والا ہے۔ اُسے حساب چکانے میں کچھ دیر نہیں لگے گی' صرف حرفِ کن کہنے سے آنِ واحد میں وہ سب کچھ ہو جائے گا جو وہ چاہے گا۔

آیت ٦٣ ﴿قُلۡ مَنۡ یُّنَجِّیۡکُمۡ مِّنۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ تَدۡعُوۡنَہٗ تَضَرُّعًا وَّخُفۡیَۃً ۚ﴾ ''ان سے پوچھئے کون تمہیں نجات دیتا ہے خشکی اور سمندروں کے اندھیروں سے جبکہ تم اُسی کو پکارتے ہو بہت ہی گڑگڑاتے ہوئے اور (دل ہی دل میں) چپکے چپکے۔''

کبھی تم نے غور کیا کہ جب تم سمندر میں سفر کرتے ہوئے کسی خوفناک طوفان میں گھر جاتے ہو' وہاں گھپ اندھیرے میں جب ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا اور سمندر کی خوفناک طوفانی لہریں ہر لحہ موت کا پیغام دے رہی ہوتی ہیں تو ایسے میں اللہ کے سوا تمہیں کون بچاتا ہے؟ کون ہے جو ایسے جان لیوا حالات میں تمہاری دستگیری کرتا ہے اور تمہارے لیے عافیت کا راستہ نکالتا ہے۔ اسی طرح ع ''اندھیری شب ہے جدا اپنے قافلے سے ہے تو!'' کے مصداق جب کوئی قافلہ صحرا میں بھٹک جاتا ہے' اندھیری رات میں نہ دائیں کا پتا ہوتا ہے نہ بائیں کی خبر' ہر درخت اندھیرے میں ایک آسیب معلوم ہوتا ہے' ایسے خوفناک ماحول اور انتہائی مایوسی کے عالم میں بھی سب خداؤں کو بھلا کر تم لوگ ایک اللہ ہی کو پکارتے ہو۔

﴿لَئِنۡ اَنۡجٰنَا مِنۡ ہٰذِہٖ لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۶۳﴾﴾ ''(اور کہتے ہو) اگر اللہ نے ہمیں اس سے بچا لیا تو ہم ضرور شکر گزار بن کر رہیں گے۔''

آیت ٦٤ ﴿قُلِ اللّٰہُ یُنَجِّیۡکُمۡ مِّنۡہَا وَمِنۡ کُلِّ کَرۡبٍ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تُشۡرِکُوۡنَ ﴿۶۴﴾﴾ ''کہیے اللہ ہی نجات دیتا ہے تمہیں اس سے اور ہر تکلیف سے' پھر تم شرک کرنے لگتے ہو!''

مصیبت سے نجات کے بعد پھر سے تمہیں دیویاں' دیوتا' جھوٹے معبود اور اپنے سردار یاد آ جاتے ہیں۔

اب اگلی آیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں عذابِ الٰہی کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں۔

آیت ٦٥ ﴿قُلۡ ہُوَ الۡقَادِرُ عَلٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَ عَلَیۡکُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِکُمۡ﴾ ''کہہ دیجیے کہ وہ قادر ہے اس پر کہ تم پر بھیج دے کوئی عذاب تمہارے اوپر سے''

مثلاً آسمان کا کوئی ٹکڑا یا کوئی شہابِ ثاقب (meteorite) گر جائے۔ آج کل ایسی خبریں اکثر سننے کو ملتی ہیں کہ اس طرح کی کوئی چیز زمین پر گرنے والی ہے' لیکن پھر اللہ کے حکم سے وہ خلا میں ہی تحلیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ozone کی تہہ بھی اللہ تعالیٰ نے زمین اور زمین والوں کے بچاؤ کے لیے پیدا کر رکھی ہے' وہ چاہے تو اس حفاظتی چھتری کو ہٹا دے۔ بہر حال آسمانوں سے عذاب نازل ہونے کی کوئی بھی صورت ہو سکتی ہے اور اللہ جب چاہے یہ عذاب نازل ہو سکتا ہے۔

﴿اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ ''یا تمہارے قدموں کے نیچے سے''

اللہ کا کوئی عذاب تمہارے قدموں کے نیچے سے بھی آ سکتا ہے۔ زمین پھٹ سکتی ہے' زلزلے کے باعث شہروں کے شہر زمین میں دھنس سکتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ قیامت سے پہلے تین بڑے بڑے ''خسف'' ہوں گے' یعنی زمین وسیع پیمانے پر تین مختلف جگہوں سے دھنس جائے گی۔ عذاب کی دو شکلیں تو یہ ہیں' اُوپر سے یا قدموں کے نیچے سے۔

﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ﴾ ''یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر دے اور ایک کی طاقت کا مزا دوسرے کو چکھا دے۔''

خانہ جنگی کی صورت میں یہ عذاب کی تیسری قسم کا ذکر ہے کہ کسی ملک کے عوام کے مختلف گروہ آپس میں لڑ پڑیں۔ جیسے پنجابی اور اردو بولنے والے آپس میں الجھ جائیں' بلوچ اور پختون ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں' شیعہ سُنّی کو مارے اور سُنّی شیعہ کو قتل کرے۔ اللہ تعالیٰ کو آسمان سے کچھ گرانے کی ضرورت ہے نہ زمین کو دھنسانے کی۔ یہ گروہ بندی اور اس کی بنیاد پر باہمی خون ریزی عذابِ الٰہی کی بدترین شکل ہے' جو آج بدقسمتی سے مسلمانانِ پاکستان پر مسلّط ہے۔ تقسیم ہند سے قبل جب ہندو سے مقابلہ تھا تو مسلمان ایک قوم تھے۔ پاکستان بنا تو اُس کے تمام باسی پاکستانی تھے۔ اب یہی پاکستانی قوم چھوٹی چھوٹی قومیتوں اور عصبیتوں میں تحلیل ہو چکی ہے اور ہر گروہ دوسرے گروہ کے خلاف سرگرمِ عمل ہے۔

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝﴾ ''دیکھو کس کس طرح ہم اپنی آیات کی تصریف کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں۔''

تصریف کے معنی ہیں گھمانا۔ ع ''اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں'' کے مصداق ایک ہی بات کو اسلوب بدل بدل کر' مختلف انداز میں' نئی ترتیب اور نئی ترکیب کے ساتھ بیان کرنا۔

آیت ٦٦ ﴿وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) آپ کی قوم نے اسے جھٹلا دیا حالانکہ وہ حق ہے۔''

یہاں بِہٖ سے مراد قرآن ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے' اس سورۃ کا عمود یہ مضمون ہے کہ مشرکین کے مطالبے پر کوئی حسی معجزہ نہیں دکھایا جائے گا' اور یہ کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اصل معجزہ قرآن ہے۔ اسی لیے اس مضمون کی تفصیل کے بیان میں ''بِہٖ'' کی تکرار کثرت سے ملے گی۔

﴿قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝﴾ ''(ان سے) کہہ دیجیے کہ (اب) میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔''

اب میں نہیں کہہ سکتا کہ کب اللہ کے عذاب کا دروازہ کھل جائے اور عذابِ ہلاکت تم پر ٹوٹ پڑے۔

آیت ٦٧ ﴿لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ''ہر بڑی بات کے لیے ایک وقت مقرر ہے' اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔''

جیسا کہ سورۃ الانبیاء میں فرمایا گیا: ﴿وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝﴾ ''میں یہ تو نہیں

جانتا کہ جس عذاب کی تمہیں دھمکی دی جا رہی ہے وہ قریب آ چکا ہے یا دُور ہے''۔البتہ یہ ضرور جانتا ہوں کہ اگر تمہاری روش یہی رہی تو یہ عذاب تم پر ضرور آ کر رہے گا۔

اب وہ آیت آ رہی ہے جس کا حوالہ سورۃ النساء کی آیت ۱۴۰ میں آیا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ تم پر کتاب میں یہ بات نازل کر چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے پاس مت بیٹھو.....''۔یعنی ایمان کا کم از کم تقاضا ہے کہ ایسی محفل سے احتجاج کے طور پر واک آؤٹ تو ضرور کیا جائے۔

آیت ۶۸ ﴿وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ ''اور جب تم دیکھو لوگوں کو کہ وہ ہماری آیات میں مین میخ نکال رہے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہو جاؤ''

اردو میں ''غور وخوض'' کی ترکیب کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔''غور'' اور ''خوض'' دونوں عربی زبان کے الفاظ ہیں اور معانی کے اعتبار سے دونوں کی آپس میں مشابہت ہے۔'غور' مثبت انداز میں کسی چیز کی تحقیق کرنے کے لیے بولا جاتا ہے جب کہ 'خوض' منفی طور پر کسی معاملے کی چھان بین کرنے اور خواہ مخواہ میں بال کی کھال اُتارنے کے معنی دیتا ہے۔اس جملے میں لفظ یَخُوْضُوْنَ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

﴿حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ﴾ ''یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔''

جب کسی محفل میں لوگ اللہ اور اُس کی آیات کا تمسخر اڑا رہے ہوں تو ان سے کنارہ کشی کر لو' اور جب وہ کسی دوسرے موضوع پر گفتگو کرنے لگیں تو پھر تم ان کے پاس جا سکتے ہو۔

﴿وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۶۸﴾ ''اور اگر تمہیں شیطان بھلا دے تو یاد آ جانے کے بعد ایسے ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو۔''

یعنی کسی محفل میں گفتگو شروع ہوئی اور کچھ دیر تک تمہیں احساس نہیں ہوا کہ یہ لوگ کس موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں' لیکن جونہی احساس ہو جائے کہ ان کی گفتگو اور اندازِ گفتگو قابلِ اعتراض ہے تو احتجاج کرتے ہوئے فوراً وہاں سے واک آؤٹ کر جاؤ۔لیکن چونکہ دعوت وتبلیغ کے لیے تمہارا لوگوں کے پاس جانا ایک ضرورت ہے لہٰذا ایسی محفلوں کے بارے میں کسی بہتر صورتِ حال کے منتظر رہو' اور جب ان لوگوں کا رویہ مثبت ہو تو ان کے پاس دوبارہ جانے میں کوئی حرج نہیں۔یعنی وہی 'قَالُوْا سَلٰمًا'' والا انداز ہونا چاہیے کہ علیحدہ بھی ہونا پڑے تو لٹھ مار کر نہ ہوا جائے بلکہ چپکے سے' متانت کے ساتھ کنارہ کر لیا جائے۔

آیت ۶۹ ﴿وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝۶۹﴾ ''اور یقیناً جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہیں ان پر ان لوگوں کے حساب کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے' لیکن یہ یاد دہانی ہے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔''

آیت ۷۰ ﴿وَذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا﴾ ''اور چھوڑ دو اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے''

آج بھی ہمارے معاشرے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو دین کے معاملے میں کبھی سنجیدہ نہیں ہوتے اور دین کی ہر بات کو استہزا اور تمسخر میں اڑانے کے عادی ہوتے ہیں۔

﴿وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ ''اور ان کو دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے دنیا کی زندگی نے''

ایسے لوگوں کی ساری توجہ' تمام بھاگ دوڑ دنیا کے لیے ہے۔ زیادہ سے زیادہ کمانا' مال جمع کرنا اور جائیدادیں بنانا ہی ان کا مقصدِ حیات ہے' خواہ حلال سے ہو یا حرام سے' اس بارے میں انہیں کوئی پروا نہیں ہوتی۔

﴿وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ﴾ ''اور آپ تذکیر کیجیے اسی (قرآن) کے ذریعے سے مبادا کوئی جان اپنے کرتوتوں کے سبب گرفتار ہو جائے۔''

سورۂ قٓ کی آخری آیت میں حکم دیا گیا ہے: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿٤٥﴾﴾ کہ آپ قرآن کے ذریعے سے تذکیر کیجیے اُس شخص کو جس کے اندر اللہ کی وعید کا کچھ خوف ہے۔ اسی طرح یہاں بھی حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ دنیا کے ان پرستاروں کو بھی قرآن کے ذریعے سے تذکیر کرتے رہیے' انہیں یاد دہانی کراتے رہیے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے کرتوتوں اور بداعمالیوں کے وبال میں گرفتار ہو جائے۔

﴿لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ﴾ ''پھر اُس کے لیے نہیں ہوگا اللہ کے مقابلے میں کوئی کارساز اور نہ کوئی سفارشی۔''

شفاعت کے بارے میں دوٹوک انکار (categorical denial) یہاں دوسری دفعہ آیا ہے۔ اس سے پہلے آیت ۵۱ میں بھی یہ مضمون آ چکا ہے۔ سورۃ البقرۃ (آیت ۲۵۴) میں ﴿يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ﴾ کے دوٹوک الفاظ کے بعد اگلی آیت (آیت الکرسی) میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾۔ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ شفاعت کی کچھ شرائط اور کچھ حدود (limits) بھی ہیں۔ ظاہر ہے یہ شرائط وحدود شفاعتِ حقّہ کی نفی نہیں کرتیں لیکن ان شرائط اور حدود و قیود کے بغیر مطلق شفاعت کا تصور گویا ایمان بالآخرت کی نفی کے مترادف ہے۔ یعنی جب آپ کو چھڑانے والے موجود ہیں تو پھر ڈر کا ہے کا؟ جو دل چاہے کریں' جس ڈھب سے چاہیں زندگی بسر کریں۔ بس گاہے بگاہے اللہ تعالیٰ کو یاد کراتے رہیں کہ ہم شرابی ہیں' زانی ہیں' چور ہیں' ڈاکو ہیں' حرام خور ہیں' غبن کرتے ہیں' جو کچھ بھی ہیں' لیکن اے اللہ! تیرے محبوب ﷺ کی اُمت میں ہیں! تو اگر آخرت کے معاملات اسی طرح سے طے ہونے ہیں تو خواہ مخواہ کاہے کو کوئی اپنا ہاتھ روکے' جی بھر کر عیش کیوں نہ کرے؟ اور ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست!'' کے محاورے کو اپنی زندگی کا ماٹو کیوں نہ بنائے؟

﴿وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا﴾ ''اور اگر وہ فدیہ دینا چاہے کُل کا کُل فدیہ تو بھی اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔''

یہ مضمون بھی سورۃ البقرۃ میں دو مرتبہ (آیت ۴۸ اور ۱۲۳ میں) آ چکا ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾﴾ ''یہی لوگ ہیں جو گرفتار ہو چکے ہیں اپنے کرتوتوں کی پاداش میں۔ ان کے لیے کھولتا ہوا پانی ہوگا پینے کو اور دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کی پاداش میں۔''

آیات ۷۱ تا ۸۲

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۭ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ڛ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَاۗجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَاۗجُّوْۗنِّىْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْــــًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۹ ۱۲ ۱۵

آیت ۷۱ ﴿قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہیے: کیا ہم پکاریں اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کو جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان؟''

یہ بُت کسی کو کچھ نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ تو خود اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔ اپنی ناک پر بیٹھی ہوئی مکھی تک نہیں اڑا سکتے۔ ان کو پکارنے کا کیا فائدہ؟ ان کے سامنے سجدہ کرنے سے کیا حاصل؟ بُتوں کے بارے

میں تو یہ بات خیر بہت ہی واضح ہے' لیکن ان کے علاوہ بھی پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی کسی کے لیے خیر کی کچھ قدرت رکھتا ہے نہ شر کی۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کا مفہوم یہی ہے۔ یہ یقین جب انسان کے دل کی گہرائیوں میں پوری طرح جاگزیں ہو جائے تو تب ہی توحید مکمل ہوتی ہے' جس کے بعد انسان کسی کے آگے جھک کر کبھی اپنی عزتِ نفس کا سودا نہیں کرتا۔ اس نکتے کی وضاحت رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے اس طرح فرمائی تھی: ''اس بات کو اچھی طرح جان لو کہ اگر دنیا کے تمام انسان مل کر چاہیں کہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچا دیں تو اس کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے' اور اگر تمام انسان مل کر چاہیں کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچا دیں تو اس کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جو اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ دیا ہے''(۴)۔ لہٰذا ''یک در گیر و محکم بگیر'' کے مصداق مدد کے لیے پکارو تو اُسی ایک اللہ کو پکارو۔ غیر اللہ کو پکارنے' کسی دوسرے سے سوال کرنے' کسی اور سے ڈرنے' التجائیں کرنے' استغاثہ کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

﴿وَنُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ ھَدٰىنَا اللّٰہُ کَالَّذِی اسْتَھْوَتْہُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ﴾ ''اور ہم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹا دیے جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دے دی ہے' اُس شخص کی مانند جسے شیاطین نے بیابان میں بھٹکا کر حیران و سرگرداں چھوڑ دیا ہو؟''

﴿لَہٗٓ اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَہٗٓ اِلَی الْھُدَی ائْتِنَا﴾ ''اُس کے ساتھی اس کو سیدھے راستے کی طرف پکار رہے ہوں کہ آؤ ہماری طرف!''

یہاں جماعتی زندگی کی برکت اور انفرادی زندگی کی قباحت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اگر آپ اکیلے ہوں' کہیں بھٹک گئے ہوں' تو آپ کے لیے دوبارہ سیدھے راستے پر آنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن جماعتی زندگی میں دوسرے ساتھیوں کے مشورے اور ان کی راہنمائی سے ہر فرد کو اپنی سمت کے سیدھا رکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ جیسے سورۃ التوبہ میں فرمایا گیا: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾(۱۱۹) ''اے اہل ایمان' اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ساتھ رہو صادقین (سچوں) کے''۔ مؤمنین صادقین کی صحبت کے اثر سے انسان کے لیے نیکی کے راستہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص معاشی مجبوریوں یا اہلِ خانہ کے دباؤ کے باعث حرام کی طرف مائل ہونا بھی چاہے تو نیک دل دوست احباب کی معیت کے باعث وہ اس گناہ سے محفوظ رہتا ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾(۷۱) ''کہہ دیجیے یقیناً اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے' اور ہمیں تو حکم ہوا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے پروردگار کی فرمانبرداری اختیار کریں۔''

آیت ۷۲ ﴿وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّقُوْہُ وَھُوَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ﴾(۷۲) ''اور یہ کہ نماز قائم کرو

(٤) سنن الترمذی' ابواب صفة القیامة والرقائق والورع (قال الترمذی ھذا حدیثٌ حسنٌ صحیحٌ) ۔الاربعین للنووی' ح ١٩۔

اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور وہی ہے جس کی طرف تمہیں جمع کر دیا جائے گا۔''

آیت ۷۳ ﴿وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ﴾ ''اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین بنائے ہیں حق کے ساتھ۔''

یعنی یہ زمین و آسمان اللہ تعالیٰ نے خاص مقصد کے تحت پیدا کیے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ آلِ عمران میں فرمایا گیا: ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ﴾ (آیت ۱۹۱) ''اے رب ہمارے! تو نے یہ سب باطل (بے مقصد) پیدا نہیں کیا''۔ گویا ''حق'' کا لفظ یہاں ''باطل'' کے مقابلے میں آیا ہے۔

﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ﴾ ''اور جس دن وہ کہے گا ہو جا تو وہ ہو جائے گا۔''

جب وہ چاہے گا اس کائنات کی بساط کو لپیٹ دے گا۔ اُسی نے اسے حق کے ساتھ بنایا ہے اور اُسی کے حکم کے ساتھ یہ لپیٹ دی جائے گی۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴) ''جس دن ہم (ان تمام خلاؤں' فضاؤں اور) آسمانوں کو ایسے لپیٹ دیں گے جیسے کتابوں کا طومار لپیٹ دیا جاتا ہے''۔ اسی طرح سورۃ الزمر میں ارشاد ہوا: ﴿وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ ۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ﴾ (آیت ٦٧) ''اور (اُس روز) آسمان اللہ کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔''

﴿قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ﴾ ''اُس کا فرمان ہی حق ہے۔''

اُس کا فرمان شدنی ہے۔ اس کا کُنْ کہہ دینا برحق ہے۔ اسے کسی چیز کو تخلیق کرنے کے لیے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں' اس کے لیے مادہ (material) یا توانائی (energy) وغیرہ کچھ بھی اسے درکار نہیں۔

﴿وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ﴾ ''اور اُسی کے لیے ہوگی بادشاہی جس دن صور پھونکا جائے گا۔''

اگرچہ حقیقت میں تو دنیا میں بھی بادشاہی اُسی کی ہے لیکن دنیا میں جھوٹے سچے کئی بادشاہ ڈراموں کے کرداروں کی طرح اِدھر اُدھر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مگر یہ سب کے سب نسیاً منسیا ہو جائیں گے اور قیامت کے دن سب کو صرف اللہ ہی کی بادشاہی نظر آئے گی۔ لہٰذا اس وقت تمام جن و انس کو مخاطب کر کے پوچھا جائے گا: ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ﴾ کہ آج بادشاہی کس کی ہے؟ پھر جواب بھی خود ہی دیا جائے گا: ﴿لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝١٦﴾ (المؤمن) یعنی صرف اللہ کی جو اکیلا اور سب پر غالب ہے۔

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝١٧﴾ ''وہ تمام غیب اور کھلی باتوں کا جاننے والا ہے' اور وہ کمالِ حکمت والا اور ہر شے سے باخبر ہے۔''

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپؑ کی نسل کے بعض انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر آرہا ہے۔ انبیاء کے ناموں پر مشتمل ایک خوبصورت گلدستہ تو سورۃ النساء کے آخر میں ہم دیکھ آئے ہیں' وہاں آیات ۱۶۳ اور ۱۶۴ میں ہم نے ۱۳ انبیاء و رُسل کے نام پڑھے تھے۔ جبکہ یہاں اس گلدستے میں ۱۷ انبیاء و رسل کے نام شامل ہیں۔ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کا ذکر یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ آیا ہے' لیکن یہ ذکر قصص النبیین کے انداز میں ہے۔ آپؑ کی قوم پر کسی عذاب کا ذکر قرآن مجید میں نہیں آیا۔ اسی لیے آپؑ کا ذکر یہاں اس سورت میں الگ آیا ہے اور سورۃ الاعراف میں ان پیغمبروں کے ساتھ نہیں آیا جن کی قوموں پر عذاب آیا تھا۔ واضح رہے کہ اس سورۃ میں التّذکیر بِآلَاءِ اللّٰہ کی مثالیں بیان ہوئی ہیں' جبکہ سورۃ الاعراف میں التّذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ کا ظہور نظر آتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ' حضرت ہودؑ' حضرت صالحؑ' حضرت شعیبؑ' حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کا ذکر سورۃ الاعراف میں انباء الرسل کے انداز میں آیا ہے۔ یعنی ان رسولوں کی قوموں پر عذاب آیا اور اُن کو عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔

آیت ۷۴ ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ﴾ ''اور یاد کرو جب کہا تھا ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کیا تم نے ان بُتوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے؟''

تورات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ''تارِخ'' لکھا گیا ہے۔ چنانچہ میرا خیال ہے کہ یہاں پر لفظ ''آزر'' خصوصی طور پر تورات میں مندرج اس نام کی تصحیح کرنے کے لیے آیا ہے۔ ورنہ یہاں یہ فقرہ لفظ ''آزر'' کے بغیر بھی مکمل تھا۔ اس واضح نشاندہی کے باوجود بھی بعض لوگ مغالطے میں پڑ گئے ہیں اور تورات میں مذکور نام ہی درست سمجھتے ہیں۔ جیسے اہل تشیع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام ''تارخ'' ہی مانتے ہیں اور آزر جس کا ذکر یہاں آیا ہے اس کو وہ لوگ آپؑ کا چچا بتاتے ہیں۔ ان کے یہ موقف اختیار کرنے کی ایک خاص وجہ ہے' جس کے بیان کا یہ موقع نہیں۔

﴿اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۷۴﴾ ''میری رائے میں تو آپ اور آپ کی قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔''

آیت ۷۵ ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اور اسی طرح ہم دکھاتے رہے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت''

یہاں ملکوت سے مراد وہ پورا نظام ہے جس کے تحت اللہ تعالیٰ اس کائنات کو چلا رہا ہے۔ یعنی وہ تکوینی حکومت (Universal Government) جسے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ کارندے چلا رہے ہیں۔ اس نظام کا مشاہدہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو اس لیے کراتا ہے تاکہ اس بارے میں انہیں عین الیقین حاصل ہو جائے۔

﴿وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝۷۵﴾ ''تاکہ وہ پوری طرح یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔''

اس فقرے میں ''و'' کی وجہ سے ہم اس سے پہلے یہ فقرہ محذوف مانیں گے: ''تاکہ وہ اپنی قوم پر حُجت قائم کر سکے' وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ''اور ہو جائے پوری طرح یقین کرنے والوں میں سے۔''

اب آئندہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں مزید تفصیل آ رہی ہے۔ ان آیات کی توجیہہ و تشریح مختلف لوگوں نے مختلف انداز میں کی ہے۔ بعض حضرات کے نزدیک یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذہنی ارتقاء کے کچھ مراحل کا ذکر ہے کہ ایک مرحلے پر واقعتاً آپؑ نے ایک ستارے کے بارے میں یوں سمجھا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ چھپ گیا تو آپؑ نے سمجھا کہ یہ تو ڈوب گیا ہے' یہ میرا رب نہیں ہو سکتا۔ پھر چاند کو دیکھ کر آپؑ

نے ایسا ہی سمجھا۔ پھر سورج کو دیکھا تو ایسا ہی خیال آپؑ کے دل میں آیا۔ بہرحال بعض حضرات کی رائے ہے کہ آپؑ نے واقعتاً ایسا ہی سمجھا' اور ان آیات کے الفاظ سے ایسا کچھ متبادر بھی ہوتا ہے' لیکن اس سلسلے میں صحیح رائے یہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم پر حجت قائم کرنے کے لیے یہ تدریجی طریقہ اختیار کیا۔ آگے آیت ۸۳ کے ان الفاظ سے اس موقف کی تائید بھی ہوتی ہے: ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ﴾۔

اس حوالے سے یہاں یہ نکتہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو اللہ کے نبی تھے اور کوئی نبی زندگی کے کسی بھی مرحلے پر کبھی شرک کا ارتکاب نہیں کرتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی فطرت اور سرشت اتنی خالص ہوتی ہے کہ وہ کبھی شرک میں مبتلا ہو ہی نہیں سکتے۔ انبیاء کا مرتبہ تو بہت ہی بلند ہے' اللہ تعالیٰ نے تو صدیقین کو بھی یہ شان عطا کر رکھی ہے کہ وہ بھی شرک میں کبھی مبتلا نہیں ہوتے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما جو صحابہ کرامؓ میں سے صِدّیقین ہیں' انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی کبھی شرک نہیں کیا تھا۔

آیت ۷۶ ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ﴾ ''پس جب رات نے انؑ کو (اپنی تاریکی میں) ڈھانپ لیا تو انہوں نے دیکھا ایک (چمکدار) ستارے کو' تو کہا یہ میرا رب ہے!''

یہ سوالیہ انداز بھی ہو سکتا ہے' گویا کہہ رہے ہوں کہ کیا یہ میرا رب ہے؟ اس کے علاوہ یہ استعجابیہ انداز بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے آپؑ نے لوگوں کو چونکانے کے لیے ایسے کہا ہو۔

﴿فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝﴾ ''پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہنے لگے کہ میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام Babilonia (آج کا عراق) کے شہر ''اُر'' میں پیدا ہوئے۔ موجودہ دور میں اس شہر کے کھنڈرات دریافت ہو چکے ہیں۔ وہاں سے آپؑ ہجرت کر کے فلسطین گئے' وہاں سے حجاز گئے اور اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو وہاں آباد کیا۔ جب کہ اپنے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو آپؑ نے فلسطین میں آباد کیا۔ اُس وقت عراق میں شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے۔ وہ لوگ بُت پرستی اور ستارہ پرستی کے ساتھ ساتھ نمرود کی پرستش بھی کرتے تھے' جس کا دعویٰ تھا کہ میں خدا ہوں۔ نمرود کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جو محاجّہ (مکالمہ) ہوا تھا اس کی تفصیل ہم سورۃ البقرۃ میں پڑھ چکے ہیں' اس مکالمے میں اس نے ''اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ'' کا دعویٰ اسی حوالے سے کیا تھا کہ لوگوں کی زندگی اور موت میرے ہاتھ میں ہے' میں جس کو چاہوں زندہ رکھوں' جس کو چاہوں مار دوں۔

آیت ۷۷ ﴿فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ۝﴾ ''پھر جب انہوں نے دیکھا چاند چمکتا ہوا تو کہا یہ ہے میرا ربّ! پھر جب وہ بھی غائب ہو گیا تو انہوں نے کہا اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔''

گویا یہ وہ الفاظ ہیں جن سے متبادر ہوتا ہے کہ اس وقت تک شاید آپؑ ذہنی اور فکری ارتقاء کے مراحل طے کر رہے تھے۔ لیکن اس بارے میں درست رائے یہی ہے کہ آپؑ نے اپنی قوم پر حجت قائم کرنے کے لیے یہ

تدریجی انداز اختیار کیا تھا۔

آیت ۷۸ ﴿فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝﴾ ''پھر جب دیکھا سورج کو بہت چمکدار تو کہنے لگے ہاں یہ ہے میرا ربّ' یہ سب سے بڑا ہے! پھر جب وہ بھی غائب ہو گیا تو انہوں نے کہا اے میری قوم کے لوگو! میں اعلانِ براءت کرتا ہوں ان سب سے جنہیں تم شریک ٹھہرا رہے ہو۔''

آیت ۷۹ ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝﴾ ''میں نے تو اپنا رُخ کر لیا ہے یکسو ہو کر اُس ہستی کی طرف جس نے آسمان و زمین کو بنایا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

آیت ۸۰ ﴿وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ﴾ ''اب (اس پر) آپؑ کی قوم آپؑ سے بحث کرنے لگی۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان کے بعد آپؑ کی قوم نے آپؑ سے حجت بازی شروع کر دی کہ یہ آپؑ نے کیا کہہ دیا' آپؑ نے تو تمام دیویوں اور دیوتاؤں کی نفی کر دی' سارے ستاروں اور چاند سورج کی ربوبیت سے انکار کر دیا! اب ان سارے خداؤں کی نحوست تم پر پڑے گی۔ اب تمہاری شامت آنے ہی والی ہے۔

﴿قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا ؕ﴾ ''(ابراہیمؑ نے) کہا: کیا تم مجھ سے حجت بازی کر رہے ہو اللہ کے بارے میں' جب کہ مجھے تو اُس نے ہدایت دی ہے۔ اور مجھے کوئی خوف نہیں ہے اُن (ہستیوں) کا جنہیں تم اُس کا شریک ٹھہراتے رہے ہو' سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کوئی بات چاہے۔''

مجھے کسی کا کوئی خوف نہیں' نہ تمہاری کسی دیوی کا' نہ کسی دیوتا کا' نہ کسی ستارے کی نحوست کا اور نہ تمہارے کسی اور خدا کا۔ ہاں اگر اللہ ہی چاہے کہ مجھے کوئی تکلیف پہنچے' کوئی آزمائش آ جائے تو اس کی مرضی کے آگے میرا بھی سرِ تسلیم خم ہے' کیونکہ وہ میرا خالق اور میرا رب ہے

﴿وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ ''میرا رب ہر شے کا علم کے اعتبار سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔ تو کیا تم لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے؟''

میرے رب کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ تو کیا تم لوگ سوچتے نہیں ہو' عقل سے کام نہیں لیتے ہو؟

آیت ۸۱ ﴿وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ﴾ ''اور میں کیسے ڈروں اُن سے جنہیں تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے جب کہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیے ہیں جن کے لیے اللہ نے تم پر کوئی سند نہیں اُتاری۔''

اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں شراکت کی کوئی سند موجود ہی نہیں۔ نہ عقل اور فطرت میں اس کی کوئی

بنیاد ہے نہ کسی آسمانی کتاب کی تعلیمات میں کسی دوسرے معبود کے لیے کوئی گنجائش ہے۔

﴿فَاَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ ۚ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۱﴾﴾ ''تو (ہم دونوں) فریقین میں سے کون امن کا زیادہ حق دار ہے؟ اگر تم علم رکھتے ہو (تو بتاؤ!)''

یعنی ایک شخص موحد ہے' وہ ایک اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اللہ ساری کائنات کا بلا شرکتِ غیرے مالک ہے' ہر شے اُس کے قبضہ قدرت میں ہے' جبکہ دوسرا وہ ہے جو اللہ کو ماننے کے ساتھ ساتھ اس کے اقتدار و اختیار میں بعض دوسری ہستیوں کو بھی شریک سمجھتا ہے' کچھ چھوٹے معبودوں اور دیوی دیوتاؤں کو بھی مانتا ہے۔ تو اب ذرا بتاؤ کہ امن' چین' روحانی اطمینان اور حقیقی سکونِ قلب کا زیادہ حق دار ان دونوں میں سے کون ہوگا؟ سوال کرنے کے بعد اس کا جواب بھی خود ہی ارشاد فرمایا:

آیت ۸۲ ﴿اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَہُمۡ بِظُلۡمٍ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو کسی طرح کے شرک سے آلودہ نہیں کیا''

یہاں لفظ ''ظلم'' قابلِ توجہ ہے۔ ظلم کسی چھوٹے گناہ کو بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسی لیے اس لفظ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھبرا گئے تھے کہ حضورؐ کون شخص ہوگا جس نے کبھی کوئی ظلم نہ کیا ہو؟ اگر کسی اور پر نہیں تو ہر انسان اپنے اوپر تو کسی نہ کسی حد تک ظلم کر ہی لیتا ہے۔ گویا اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ کوئی شخص بھی اس شرط پر پورا نہیں اُتر سکتا۔ صحابہؓ کی اس تشویش پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سورۂ لقمان کی وہ آیت تلاوت فرمائی جس میں شرک کو ظلم عظیم قرار دیا گیا ہے: ﴿وَاِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِہٖ وَہُوَ یَعِظُہٗ یٰبُنَیَّ لَا تُشۡرِکۡ بِاللّٰہِ ؕؔ اِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۳﴾﴾۔ چنانچہ یہاں پر ﴿لَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَہُمۡ بِظُلۡمٍ﴾ کا مفہوم یہ ہے کہ ایمان ایسا ہو جو شرک کی ہر آلودگی سے پاک ہو۔ لیکن شرک کو پہچاننا اور اس سے بچنا آسان نہیں' یہ طرح طرح کے بھیس بدلتا رہتا ہے۔ شرک کیا ہے اور شرک کی قسمیں کون کون سی ہیں اور یہ زمانے اور حالات کے مطابق کیسے کیسے بھیس بدلتا رہتا ہے' یہ سب کچھ جاننا ایک مسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہے' تاکہ جس بھیس اور شکل میں بھی یہ نمودار ہو اسے پہچانا جا سکے۔ بقول شاعر:

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش   من اندازِ قدت را می شناسم!

(تم چاہے کسی بھی رنگ کا لباس پہن کر آ جاؤ' میں تمہیں تمہارے قد سے پہچان لیتا ہوں۔)

''حقیقت و اقسامِ شرک'' کے موضوع پر میری چھ گھنٹوں پر مشتمل طویل تقاریر آڈیو ویڈیو کے علاوہ کتابی شکل میں بھی موجود ہیں' اس موضوع کو سمجھنے کے لیے اُن سے استفادہ کرنا' ان شاء اللہ' بہت مفید ہوگا۔

﴿اُولٰٓئِکَ لَہُمُ الۡاَمۡنُ وَہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ ﴿۸۲﴾﴾ ''وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے اور وہی راہ یاب ہوں گے۔''

امن کا ایمان کے ساتھ اور اسلام کا سلامتی کے ساتھ لفظی اعتبار سے بہت گہرا ربط ہے۔ یہ ربط اس دعا میں بہت نمایاں ہو جاتا ہے جو رسول اللہ ﷺ ہر نیا چاند دیکھنے پر مانگا کرتے تھے: ((اَللّٰہُمَّ اَہِلَّہٗ عَلَیۡنَا بِالۡاَمۡنِ

وَالْاِیْمَانِ وَالسَّلَامَۃِ وَالْاِسْلَامِ ......)) ''اے اللہ (یہ مہینہ جو شروع ہو رہا ہے اس نئے چاند کے ساتھ) اسے ہم پر طلوع فرما امن اور ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ''ـــــ ''قرآن اور امنِ عالم'' کے نام سے میرا ایک چھوٹا سا کتابچہ اس موضوع پر بڑی مفید معلومات کا حامل ہے۔

آیات ۸۳ تا ۹۰

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰي وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰي وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْــَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰي لِلْعٰلَمِيْنَ ۝

آیت ۸۳ ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ﴾ ''یہ ہماری وہ حجت تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو عطا کی تھی اُس کی قوم کے خلاف۔''

اسی آیت کا حوالہ اس موضوع کے آغاز میں آیا تھا۔ گویا پوری سرگزشت بیان کرنے کے بعد اس جملے میں وضاحت فرما دی کہ یہ ہماری وہ حجت تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے خلاف عطا کی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم سے جس انداز سے محاجہ کر رہے تھے اس کو ''توریہ'' کہتے ہیں۔ ''توریہ'' سے مراد ایسا اندازِ گفتگو ہے جس میں جھوٹ بولے بغیر مخاطب کو مغالطے میں مبتلا کر دیا جائے۔ مثلاً حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک زمانے میں انگریز حکومت کی طرف سے ان کی گرفتاری کے لیے وارنٹ جاری کیے گئے تھے۔ اس زمانے میں وہ مکہ مکرمہ میں مقیم تھے۔ شریف حسین والیٔ مکہ کے سپاہی انہیں ڈھونڈتے پھر رہے تھے کہ ایک سپاہی نے انہیں کہیں کھڑے ہوئے دیکھا۔ وہ آپ کو پہچانتا نہیں تھا۔ اُس نے قریب آ کر آپؒ سے پوچھا کہ تم محمود الحسن کو جانتے ہو؟ آپؒ نے کہا: جی ہاں، میں جانتا ہوں۔ اس نے پوچھا: وہ کہاں ہیں؟ آپؒ نے دو قدم پیچھے ہٹ کر کہا کہ ابھی یہیں تھے۔ اس سے اس سپاہی کو مغالطہ ہوا اور وہ یہ سمجھتے ہوئے وہاں سے دوڑ پڑا کہ ابھی ادھر تھے تو میں جلدی سے یہیں کہیں سے انہیں ڈھونڈ لوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس کلام میں توریہ کا یہی انداز پایا جاتا ہے۔

جیسے آپؑ نے بُت خانے کے بُتوں کو توڑا‘ اور جس تیشے سے اُن کو توڑا تھا وہ اس بڑے بت کی گردن میں لٹکا دیا۔ پوچھنے پر آپؑ نے جواب دیا کہ اس بڑے بُت نے ہی یہ کام دکھایا ہوگا جو صحیح سالم کھڑا ہے اور آلۂ واردات بھی اس کے پاس ہے۔ وہاں بھی یہ انداز اختیار کرنے کا مقصد یہی تھا کہ وہ لوگ سوچنے پر مجبور اور دروں بینی پر آمادہ ہوں۔

﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''ہم بلند کرتے ہیں درجے جن کے چاہتے ہیں۔ یقیناً تیرا رب حکیم اور علیم ہے۔''

یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے درجے بہت بلند کیے۔ حضرت ابراہیمؑ کے تفصیلی ذکر کے بعد اب آپؑ کی نسل سے تعلق رکھنے والے چند پیغمبروں کا تذکرہ ہونے جا رہا ہے۔ انبیاء و رسل علیہم السلام کے ناموں کا یہی وہ گلدستہ ہے جس کا ذکر قبل ازیں آیت ۱۶۳ کے مطالعے کے دوران آیا تھا۔

آیت ۸۴ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ ''اور ہم نے اسے (ابراہیمؑ کو) عطا فرمایا اسحاقؑ (جیسا بیٹا) اور یعقوبؑ (جیسا پوتا)‘ ان سب کو ہم نے ہدایت دی۔ اور نوحؑ کو بھی ہم نے ہدایت دی تھی ان سے پہلے‘ اور اس (ابراہیمؑ) کی اولاد میں سے داؤدؑ‘ سلیمانؑ‘ ایوبؑ‘ یوسفؑ‘ موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی (ہدایت بخشی)۔ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔''

یعنی یہ لوگ ایمان کی اس بلند ترین منزل پر فائز تھے جس کے بارے میں ہم سورۃ المائدۃ میں پڑھ آئے ہیں: ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

آیت ۸۵ ﴿وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ ''اور (اُسی کی اولاد میں سے) زکریاؑ‘ یحییٰؑ‘ عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی۔ یہ سب کے سب نیکوکاروں میں سے تھے۔''

آیت ۸۶ ﴿وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''اور اسماعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ کو بھی (راہ یاب کیا)‘ اور ان سب کو ہم نے تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔''

آیت ۸۷ ﴿وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ ''اور ان کے آباء و اجداد میں سے بھی‘ ان کی نسلوں میں سے بھی اور ان کے بھائیوں میں سے بھی (ہم نے ہدایت یافتہ بنائے)‘ اور ان کو ہم نے چُن لیا اور ان کو ہدایت دی سیدھے راستے کی طرف۔''

آیت ۸۸ ﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''یہ اللہ کی وہ ہدایت ہے جس کے ساتھ وہ راہنمائی فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے۔ اور اگر (بالفرض) وہ بھی شرک کرتے تو ان کے بھی سارے اعمال ضائع ہو جاتے۔''

یہ انداز دراصل ہمیں سمجھانے کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے کہ شرک کتنی بُری شے ہے۔ ورنہ اس کا

کوئی امکان نہیں تھا کہ ایسے اعلیٰ مراتب پر فائز اللہ کے عظیم الشان انبیاء و رسل علیہم السلام شرک میں مبتلا ہوتے۔ بہرحال آیت کے ان الفاظ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک ناقابل معافی جرم ہے۔ اس حوالے سے سورۃ النساء میں دو مرتبہ یہ الفاظ آ چکے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ﴾ (آیت ۴۸ و ۱۱۶) کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا' اس کے علاوہ جسے وہ چاہے گا معاف کر دے گا۔

آیت ۸۹ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب' حکمت اور نبوت عطا فرمائی۔''

﴿فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾﴾ ''پھر اگر یہ لوگ اس کا انکار کر رہے ہیں تو (کچھ پروا نہیں) ہم نے کچھ اور لوگ اس کام کے لیے مقرر کر دیے ہیں جو اس کی ناقدری نہیں کریں گے۔''

یہ آیت پڑھتے ہوئے حضور ﷺ کی دعوت کے مکی دور کا نقشہ ذہن میں لائیے' جہاں محمدٌ رسول اللہ ﷺ جیسا مبلغ' داعی' مربی' مزکی اور معلم مسلسل دن رات محنت کر رہا ہے اور اس کے نتیجے میں بارہ سال کے دوران صرف ڈیڑھ' پونے دو سو افراد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ اس پس منظر میں آپ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ مکہ کے یہ لوگ اگر اس دعوت کی ناقدری اور قرآن کی ناشکری کر رہے ہیں اور آپؐ کی سالہا سال کی محنت کے خاطر خواہ نتائج سامنے نہیں آئے ہیں تو آپؐ دل شکستہ نہ ہوں' عنقریب ایک دوسری قوم بڑے ذوق و شوق سے اس دعوت پر لبیک کہنے جا رہی ہے۔ اس خوش قسمت قوم سے مراد انصارِ مدینہ ہیں۔ اور واقعی اس سلسلے میں اہل مکہ پیچھے رہ گئے اور اہلِ مدینہ بازی لے گئے۔ بقولِ شاعر: گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا!

چنانچہ اس آیت میں ہر دور کے داعیانِ حق کے لیے حوصلہ افزائی کا پیغام بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کے کام میں خود اسباب پیدا فرماتا ہے اور خود لوگوں کے دلوں کو پھیر کر ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔ اسی لیے مجھے اپنی دعوت رجوع الی القرآن کے بارے میں بھی اطمینان ہے کہ اگر پاکستان میں اس کو خاطر خواہ پذیرائی نہیں ملی تو کیا ہوا' یہ دعوت مختلف ذرائع سے پوری دنیا میں پھیل رہی ہے' لہٰذا عین ممکن ہے قرآن کی یہ انقلابی دعوت کسی اور زمین میں جڑ پکڑ لے اور اس طرح ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لے۔

آیت ۹۰ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی' تو آپ بھی ان کی ہدایت کی پیروی کیجیے۔''

یعنی گزشتہ آیات میں جن سترہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے ناموں کا خوبصورت گلدستہ آپ نے ملاحظہ کیا ہے' وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہدایت یافتہ تھے۔ اس سلسلے میں حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ بھی ان کے طریقے کی پیروی کریں۔ اس آیت سے ایک بہت اہم نکتہ اور اصول یہ سامنے آتا ہے کہ سابق انبیاءؑ کی شریعت کا ذکر کرتے ہوئے جن احکام کی نفی نہ کی گئی ہو' وہ احکام ہمارے لیے بھی لائق اتباع ہیں۔ مثلاً رجم کی سزا قرآن

میں مذکور نہیں ہے' یہ سابقہ شریعت کی سزا ہے' جس کو حضور ﷺ نے برقرار رکھا ہے۔ اسی طرح قتل مرتد کی سزا کا ذکر بھی قرآن میں نہیں ہے' یہ بھی سابقہ شریعت کی سزا ہے' جس کو برقرار رکھا گیا ہے۔ چنانچہ کسی سابقہ شریعت کا وہ حکم جس کی قرآن وسنت میں نفی نہ کی گئی ہو وہ حکم اسلامی شریعت میں برقرار رہتا ہے۔

﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۹۰﴾ ''کہہ دیجیے میں تم سے اس پر کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ یہ نہیں ہے مگر تمام جہان والوں کے لیے یاددہانی۔''

یہ قرآن تو بس اہلِ عالم کے لیے ایک نصیحت ہے' یاددہانی ہے' جو چاہے اس سے کسبِ فیض کرے' جو چاہے اس سے نور حاصل کرے' جو چاہے اس سے صراطِ مستقیم کی راہنمائی اخذ کرلے۔

آیات ۹۱ تا ۹۴

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ
الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰي نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا
وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ
خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۹۱ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ
اُمَّ الْقُرٰي وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ
يُحَافِظُوْنَ ۹۲ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ
شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓي اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ
الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ
بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۹۳ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا
فُرَادٰي كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰي مَعَكُمْ
شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۹۴ ع ١٧

اس سورت میں اب تک کی گفتگو کا رخ مشرکینِ مکہ کی طرف تھا۔ لیکن زیر مطالعہ آیات میں اس ردّ وقدح کا ذکر ہونے جا رہا ہے جو مکہ کے لوگ یہودیوں کے سکھانے پڑھانے پر حضور ﷺ سے کر رہے تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ دونوں سورتیں (سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف) مکی دور کے آخری زمانے میں نازل ہوئیں۔ اُس وقت تک حضور ﷺ کی رسالت' نبوت اور دعوت کا چرچا مدینہ منورہ میں بھی پہنچ چکا تھا اور اہلِ کتاب (یہود) نے خطرے کو بھانپ کر وہیں بیٹھے بیٹھے آپؐ کے خلاف سازشیں اور ریشہ دوانیاں شروع کر دی تھیں۔ ان لوگوں نے تو ضد اور ہٹ دھرمی میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ان مسلمانوں سے مشرکین بہتر ہیں جو

بتوں کو پوجتے ہیں اور یہ کہ اللہ کبھی کسی انسان پر اپنا کلام نازل نہیں کرتا۔

آیت ۹۱ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖۤ اِذۡ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ﴾ ''اور انہوں نے ہرگز اللہ کی قدر نہ پہچانی جیسا کہ اس کا حق تھا جب انہوں نے کہا کہ نہیں اتاری ہے اللہ نے کسی بھی انسان پر کوئی بھی چیز۔''

وحی الٰہی کے بارے میں یہ صاف انکار (categorical denial) ان لوگوں کا تھا جو خود کو الہامی کتاب کے وارث سمجھتے تھے۔ اہل مکہ چونکہ آسمانی کتابوں سے واقف ہی نہیں تھے اس لیے انہوں نے حضورﷺ کی نبوت اور وحی کا ذکر یہود سے کیا اور اُن سے رائے پوچھی۔ اس پر یہودیوں کا جواب یہ تھا کہ یہ سب خیال اور وہم ہے' اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کبھی کوئی چیز نازل نہیں کی۔ اہل مکہ نے قرآن مجید کے بارے میں یہ اعتراض چونکہ یہودیوں کے پڑھانے پر کیا تھا اس لیے مشرکین مکہ کو اس کا جواب دینے کے بجائے براہِ راست یہود کو مخاطب کیا گیا اور ان سے پوچھا گیا کہ اگر اللہ نے کسی انسان پر کبھی کچھ نازل نہیں کیا تو:

﴿قُلۡ مَنۡ اَنۡزَلَ الۡكِتٰبَ الَّذِىۡ جَآءَ بِهٖ مُوۡسٰى نُوۡرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ﴾ ''آپ پوچھیے کہ پھر کس نے اُتاری تھی وہ کتاب جو موسیٰ لے کر آئے تھے جو خود نور (روشن) تھی اور لوگوں کے لیے ہدایت بھی تھی؟''

تو کیا تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے من گھڑت تھی؟ کیا انہوں نے اسے اپنے ہاتھ سے لکھ لیا تھا؟

﴿تَجۡعَلُوۡنَهٗ قَرَاطِيۡسَ تُبۡدُوۡنَهَا وَتُخۡفُوۡنَ كَثِيۡرًا ۚ﴾ ''تم نے اسے ورق ورق کر دیا ہے' اس (کے احکام) میں سے کچھ کو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپا کر رکھتے ہو۔''

یہود اپنی الہامی کتاب کے ساتھ جو سلوک کرتے رہے تھے وہ بھی انہیں جتلا دیا۔ یہودی علماء نے تورات کے احکام کو نہ صرف پسند اور ناپسند کے خانوں میں تقسیم کر رکھا تھا بلکہ اپنے من مانے فتوے فروخت کرنے کی غرض سے وہ تورات کو اس حد تک چھپا کر رکھتے تھے کہ عام لوگوں کی دسترس اس تک ناممکن ہو کر رہ گئی تھی۔

﴿وَعُلِّمۡتُمۡ مَّا لَمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اَنۡتُمۡ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمۡ ؕ﴾ ''اور تمہیں سکھائی گئی تھیں (تورات کے ذریعے سے) وہ سب باتیں جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے آباء واَجداد۔''

﴿قُلِ اللّٰهُ ۙ﴾ ''کہیے (یہ سب نازل کیا تھا) اللہ نے''

یعنی انہیں یاد دلائیے کہ تمہاری اپنی الہامی کتابیں تورات اور انجیل بھی اللہ ہی کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور اب یہ قرآن بھی اللہ ہی نے نازل فرمایا ہے۔

﴿ثُمَّ ذَرۡهُمۡ فِىۡ خَوۡضِهِمۡ يَلۡعَبُوۡنَ ۝۹۱﴾ ''پھر ان کو چھوڑ دیجیے کہ یہ اپنی کج بحثیوں کے اندر کھیلتے رہیں۔''

آیت ۹۲ ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَلِتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰى وَمَنۡ حَوۡلَهَا ؕ﴾ ''اور (اسی طرح کی) یہ ایک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے' بڑی بابرکت ہے' تصدیق کرنے والی

ہے اُس کی جو اس کے سامنے موجود ہے' تاکہ آپؐ خبردار کر دیں اُمّ القریٰ (مکّہ) اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو۔''

قُرٰی جمع ہے قریہ کی اور اُمُّ القُرٰی کا مطلب ہے بستیوں کی ماں' یعنی کسی علاقے کا سب سے بڑا شہر۔ ہر ملک میں ایک سب سے بڑا اور سب سے اہم شہر ہوتا ہے' جسے اس ملک کا دار الخلافہ یا دار الحکومت کہا جاتا ہے۔ وہ بڑا شہر پورے ملک کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اگرچہ عرب میں نزولِ قرآن کے وقت کوئی مرکزی حکومت تو نہیں تھی جس کا کوئی دار الحکومت ہوتا' لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر مکہ مکرمہ کو پورے عرب میں ایک مرکزی شہر کی حیثیت ضرور حاصل تھی۔ ظاہر ہے خانہ کعبہ کی وجہ سے یہ شہر مذہبی مرکز تھا۔ عرب کے تمام قبائل ہر سال یہاں حج کے لیے آتے تھے۔ کعبہ ہی کی وجہ سے قریش مکہ کو خطے کی تجارتی سرگرمیوں میں ایک خاص اجارہ داری (monopoly) حاصل تھی۔ اسی وجہ سے اہل مکہ کے ہاں پیسے کی ریل پیل تھی اور عام لوگ خوشحال تھے۔ یہاں سارا سال تجارتی قافلوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ یمن سے قافلے چلتے تھے جو مکہ سے ہو کر شام جاتے تھے اور شام سے مکہ کے راستے یمن جاتے تھے۔ ان وجوہات کی بنا پر شہر مکہ بجا طور پر علاقے میں ''اُمُّ القُرٰی'' کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ اے نبی ﷺ ہم نے آپؐ کی طرف یہ کتاب مبارک نازل کی ہے تاکہ آپؐ اُمُّ القُرٰی میں بسنے والوں کو خبردار کریں اور پھر اُن کو بھی جو اس کے اردگرد بستے ہیں۔

یہاں پر وَمَنْ حَوْلَهَا کے الفاظ میں جو فصاحت اور وسعت ہے اسے بھی سمجھ لیں۔ ''ماحول'' کا دائرہ بڑھتے بڑھتے لامحدود ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وَمَنْ حَوْلَهَا کا ایک دائرہ تو مکہ کے حوالے سے بالکل قریبی اور immediate علاقوں تک تصور کیا جائے گا' پھر اس سے باہر قدرے زیادہ فاصلے پر' اور پھر اس سے باہر مزید فاصلے پر۔ اس طرح یہ دائرہ پھیلتے پھیلتے پورے کرۂ ارض پر محیط ہو جائے گا۔ دورِ نبویؐ میں کرۂ ارض کی آبادی بظاہر ایشیا' یورپ اور افریقہ پر ہی مشتمل تھی۔ امریکہ بہت بعد میں دریافت ہوا' جبکہ آسٹریلیا اور انٹارکٹیکا بھی اس وقت تک معلوم دنیا کا حصہ نہ تھے۔ دُنیا کے نقشے پر نگاہ ڈالیں تو ایشیا' یورپ اور افریقہ تینوں براعظم جہاں پر ملتے ہیں' تقریباً یہ علاقہ وہ ہے جسے اب ''مڈل ایسٹ'' یا مشرقِ وسطیٰ کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ نام (مڈل ایسٹ) اس علاقے کے لیے misnomer ہے' یعنی درست نام نہیں ہے' لیکن بہر حال یہ علاقہ ایک نقطۂ اتصال ہے جہاں ایشیا' یورپ اور افریقہ آپس میں ملتے ہیں اور اس جنکشن پر جزیرہ نمائے عرب واقع ہے۔ چنانچہ یہ علاقہ اپنے محل وقوع کے اعتبار سے بھی پوری دنیا کے لیے ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ گویا مَنْ حَوْلَهَا کے دائرے میں پوری دنیا شامل سمجھی جائے گی۔

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ﴾ ''اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اس (قرآن) پر بھی ایمان لے آئیں گے''

یعنی قرآن کے مخاطب لوگوں میں سے کچھ تو مشرک ہیں اور کچھ وہ ہیں جو بعث بعد الموت کے سرے سے ہی منکر ہیں' لیکن جن لوگوں کے دلوں میں مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونے

کا ذرا سا بھی تصور موجود ہے وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ اشارہ صالحین اہل کتاب کی طرف ہے۔

﴿وَهُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ ﴿۹۲﴾﴾ ''اور وہی اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔''

آیت ۹۳ ﴿وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوۡ قَالَ اُوۡحِىَ اِلَىَّ وَلَمۡ يُوۡحَ اِلَيۡهِ شَىۡءٌ﴾ ''اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے کوئی بات گھڑ کر اللہ سے منسوب کر دی یا (اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا) جو یہ کہے کہ مجھ پر وحی کی گئی ہے جب کہ اس پر کچھ بھی وحی نہ کی گئی ہو''

کوئی بات خود سے گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دینا یا یہ جھوٹا دعویٰ کرنا کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی گئی ہے یہ دونوں شناعت کے اعتبار سے برابر کے گناہ ہیں۔ تو اے اہل مکہ! ذرا غور تو کرو کہ محمد ﷺ جنہوں نے تمہارے درمیان ایک عمر بسر کی ہے کیا آپؐ کی سیرت اور آپؐ کے کردار میں تم کوئی ایسا پہلو دیکھتے ہو کہ آپؐ اتنے بڑے بڑے گناہوں کے مرتکب بھی ہو سکتے ہیں؟ اور ان دو باتوں کے ساتھ ایک تیسری بات:

﴿وَّمَنۡ قَالَ سَاُنۡزِلُ مِثۡلَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ﴾ ''اور جو کہے کہ میں بھی اتار سکتا ہوں جیسا کلام اللہ نے اُتارا ہے۔''

اگرچہ اہل عرب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ قرآن کی نظیر پیش کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں، پھر بھی زبان سے الفاظ کہہ دینے کی حد تک کسی نے ایسا کہہ دیا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے زبان دانی کا دعویٰ کرنے والے ماہرین، شعراء اور اُدَباء سمیت اس معاشرے کے تمام لوگوں کو ایک بار نہیں، بار بار یہ چیلنج کیا کہ تم سب لوگ سر جوڑ کر بیٹھ جاؤ اور اس جیسا کلام بنا کر دکھاؤ، لیکن کسی میں بھی اس چیلنج کا جواب دینے کی ہمت نہ ہو سکی۔

﴿وَلَوۡ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ فِىۡ غَمَرٰتِ الۡمَوۡتِ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوۡۤا اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ اَخۡرِجُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ﴾ ''اور کاش تم دیکھ سکتے جبکہ یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ آگے بڑھا رہے ہوں گے (اور کہہ رہے ہوں گے) کہ نکالو اپنی جانیں۔''

﴿اَلۡيَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ عَذَابَ الۡهُوۡنِ بِمَا كُنۡتُمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ غَيۡرَ الۡحَقِّ وَكُنۡتُمۡ عَنۡ اٰيٰتِهٖ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۹۳﴾﴾ ''آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا بسبب اس کے جو تم کہتے رہے تھے اللہ کی طرف منسوب کر کے ناحق باتیں اور جو تم اللہ کی آیات سے متکبرانہ اعراض کرتے رہے تھے۔''

آیت ۹۴ ﴿وَلَقَدۡ جِئۡتُمُوۡنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقۡنٰكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ''(پھر ان سے کہا جائے گا) اور اب آ گئے ہو نا! ہمارے پاس اکیلے اکیلے، جیسا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ''

یعنی آج اپنے تمام لاؤ لشکر، مال و متاع اور خدم و حشم سب کچھ پیچھے چھوڑ آئے ہو، آج کوئی بھی، کچھ بھی تمہاری مدد کے لیے تمہارے ساتھ نہیں۔ یہی بات سورۂ مریم میں اس طرح کہی گئی ہے: ﴿وَكُلُّهُمۡ اٰتِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَرۡدًا ﴿۹۵﴾﴾ کہ قیامت کے دن ہر شخص کا محاسبہ انفرادی حیثیت میں ہوگا۔ اور ظاہر ہے اس کے لیے ہر کوئی اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اکیلا کھڑا ہوگا، نہ کسی کے رشتہ دار ساتھ ہوں گے، نہ ماں باپ، نہ اولاد، نہ بیوی، نہ بیوی کے

ساتھ اس کا شوہر‘ نہ ساز وسامان نہ خدم وحشم!

یہاں ایک اور اہم نکتہ سمجھنا بھی ضروری ہے۔ خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی تخلیق دو مرتبہ ہوئی ہے۔ ایک تخلیق عالم اَرواح میں ہوئی تھی‘ وہاں بھی ہر انسان اکیلا تھا‘ نہ کسی کا باپ ساتھ تھا نہ کسی کی ماں۔ تب ارواح کے مابین کوئی رشتہ داری بھی نہیں تھی۔ یہ رشتہ داریاں تو بعد میں عالمِ خلق میں آ کر وجود میں آتی ہیں۔ آیت زیرِ نظر میں عالم ارواح کی اسی تخلیق کی طرف اشارہ ہے۔ عالمِ ارواح کے اُس اجتماع میں بنی نوعِ انسان کے ہر فرد نے وہ عہد کیا تھا جسے ''عہدِ الست'' کہا جاتا ہے۔ جب پروردگارِ عالم نے اولادِ آدم کی ارواح سے سوال کیا: ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' تو سب نے جواب دیا: ﴿بَلٰى﴾ (الاعراف:١٧٢) ''کیوں نہیں!'' عالمِ ارواح کے اجتماع اور روزِ محشر کے اجتماع میں ایک لحاظ سے فرق ہے اور ایک لحاظ سے مشابہت۔ فرق یہ ہے کہ پہلے اجتماع میں مجرد اَرواح کی شمولیت ہوئی تھی‘ اُس وقت تک انسانوں کو جسم عطا نہیں ہوئے تھے‘ جب کہ روزِ محشر کے اجتماع میں تمام انسان دُنیوی اجسام کے ساتھ شامل ہوں گے۔ ان دونوں اجتماعات میں مشابہت یہ ہے کہ پہلے اجتماع میں بھی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپؐ کی نسل کے آخری انسان تک سب کی ارواح موجود تھیں اور قیامت کے دن بھی یہ سب کے سب انسان اپنے پروردگار کے حضور کھڑے ہوں گے۔

﴿وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ﴾ ''اور تم چھوڑ آئے ہو اپنے پیچھے وہ سب کچھ جس میں ہم نے تمہیں لپیٹ دیا تھا''

وہ کون سی چیزیں ہیں جن میں یہاں اس دنیا میں ہمیں لپیٹ دیا گیا ہے‘ اس پر غور کی ضرورت ہے۔ انسان کے حوالے سے اصل چیز تو اس کی روح ہے۔ اس روح کے لیے پہلا غلاف انسان کا جسم ہے‘ پھر اس غلاف کے اوپر کپڑوں کا غلاف ہے‘ کپڑوں کے اوپر پھر مکان کا غلاف اور پھر دیگر اشیائے ضرورت۔ اس طرح روح کے لیے جسم اور جسم کی ضروریات کے لیے تمام مادّی اشیاء یعنی اس دنیا کا ساز وسامان وغیرہ سب کچھ اس میں شامل ہے۔ ہماری روح درحقیقت ان مادی غلافوں میں لپٹی ہوئی ہے۔ قیامت کے دن ارشاد ہوگا کہ آج تم ہمارے پاس اکیلے حاضر ہوئے ہو اور دنیا کی تمام مادی چیزیں اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔

﴿وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ﴾ ''اور ہم نہیں دیکھ رہے تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی بھی جن کے بارے میں تمہیں زعم تھا کہ وہ تمہارے معاملے میں شریک ہیں۔''

ان مجرم لوگوں کو اپنے جن معبودوں کے بارے میں زعم تھا کہ وہ ان کے لیے قیامت کے دِن شفاعت کریں گے وہ سب وہاں اُن سے اعلانِ براءت کر دیں گے۔ لَات‘ مَنات‘ عُزّٰی اور دوسرے معبودانِ باطل تو کسی شمار و قطار ہی میں نہیں ہوں گے‘ اس سلسلے میں انبیاء کرام علیہم السلام‘ ملائکہ اور اولیاء اللہ سے لگائی گئی اِن کی امیدیں بھی اُس روز بر نہیں آئیں گی۔

﴿لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ﴾ ''اب تمہارے مابین سارے رشتے ٹوٹ چکے''

﴿وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٩٤﴾﴾ ''اور وہ سب چیزیں تم سے گم ہوگئیں جن کا تم زعم کیا کرتے تھے۔''

آج اُن ہستیوں میں سے کوئی بھی تمہارے ساتھ نظر نہیں آ رہا جن کی سفارش کی امید کے سہارے پر تم حرام خوریاں کیا کرتے تھے۔

آیات ۹۵ تا ۱۰۰

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ
اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ
ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِّن نَّفْسٍ
وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿٩٨﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ
حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِن طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ
وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ انظُرُوا إِلَىٰ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ
لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٩٩﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ ۖ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ
ع ۱۲ / ۱۸ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٠٠﴾

آیت ۹۵ ﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ﴾ ''یقیناً اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔''

عالمِ خلق کے اندر جو اُمور اور معاملات معمول کے مطابق وقوع پذیر ہو رہے ہیں، یہاں اُن کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ مثلاً آم کی گٹھلی زمین میں دبائی گئی، کچھ دیر کے بعد وہ گٹھلی پھٹی اور اس میں سے دو پتے نکلے۔ اسی طرح پوری کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ بظاہر یہ سب کچھ خود بخود ہوتا نظر آتا ہے، مگر حقیقت میں یہ نظام اُن فطری قوانین کے تحت چل رہا ہے جو اللہ نے اس دنیا میں فزیکل اور کیمیکل تبدیلیوں کے لیے وضع کر رکھے ہیں۔ اس لیے اس کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے ہر چھوٹے بڑے معاملے کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس حقیقت کا ذکر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصایا میں بڑے موثر انداز سے کیا ہے۔ وہ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے میرے بچے اس حقیقت کو ہر وقت مستحضر رکھنا کہ ''لَا فاعلَ فی الحقیقة ولا مؤثّر اِلّا اللّٰہ'' یعنی حقیقت میں فاعل اور مؤثر اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ مختلف اشیاء میں جو تاثیر ہے وہ اُسی کی عطا کردہ ہے اور اُسی کے اِذن سے ہے۔ انسان کسی فعل کا ارادہ تو کر سکتا ہے لیکن کسی فعل کا بالفعل انجام پذیر ہونا اس کے اختیار میں نہیں ہے، کیونکہ ہر فعل اللہ کے حکم سے انجام پذیر ہوتا ہے۔

﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴾﴿٩٥﴾ ''وہ نکالتا ہے زندہ کو مُردہ میں سے اور وہی نکالنے والا ہے مُردہ کو زندہ میں سے۔ یہی تو ہے اللہ (اس کو پہچانو) لیکن تم کدھر الٹے جا رہے ہو!''

آیت ۹۶ ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ﴾ ''وہی ہے صبح کو پھاڑنے والا۔''

یہ ''فلق'' کی دوسری قسم ہے کہ اللہ ہی رات کی سیاہی کا پردہ چاک کر کے سپیدۂ سحر کو نمودار کرتا ہے۔ بظاہر یہ بھی خود بخود زمین کی گردش کے تحت ہوتا نظر آتا ہے، لیکن کوئی یہ نہ سمجھے کہ رات دن کا تغیر وتبدل اللہ کے تصرف اور اس کی تدبیر کے بغیر ہو رہا ہے۔ یہ سب بھی انہی قوانین کے تحت وقوع پذیر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے زمین، چاند، سورج اور دوسرے اجرامِ فلکی کے بارے میں بنا دیے ہیں۔ چنانچہ اس سب کچھ کا فاعلِ حقیقی بھی وہی ہے۔

﴿وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ﴾ ''اُس نے بنا دیا رات کو سکون کا وقت اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے۔''

یہ التذکیر بِآلَاءِ اللّٰه کی مثالیں ہیں، جن کے حوالے سے اللہ کی عظمت، اُس کی صفات اور اُس کی قدرت کو نمایاں کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک لگا بندھا نظام ہے جس کے تحت سورج، چاند اور دیگر اجرامِ فلکی محو گردش ہیں۔ اسی نظام سے دن اور رات بنتے ہیں اور اسی سے مہینے اور سال وجود میں آتے ہیں۔

﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴾﴿٩٦﴾ ''یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اُس ہستی کا جو زبردست ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔''

آیت ۹۷ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ﴾ ''اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان سے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ پاؤ۔''

پرانے وقتوں میں راتوں کو قافلے ستاروں سے سمت متعین کر کے چلتے تھے۔ اسی طرح سمندر میں جہاز رانی کے لیے بھی ستاروں کی مدد سے ہی رخ متعین کیا جاتا تھا۔

﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾﴿٩٧﴾ ''ہم نے تو اپنی نشانیاں تفصیل سے بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔''

آیت ۹۸ ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ''اور وہی ہے جس نے تمہیں اٹھایا ایک جان سے''

ظاہر ہے کہ تمام نوعِ انسانی ایک ہی جان سے وجود میں آئی ہے۔ اس سے حضرت آدم علیہ السلام بھی مراد ہو سکتے ہیں اور جو لوگ نظریۂ ارتقاء کے حوالے سے بات کرتے ہیں وہ تحقیق کے اس سفر کو امیبا (Amoeba) سے شروع کرتے ہیں کہ اس ایک جان سے مختلف ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے انسان بنا۔ امیبا میں کوئی sex یعنی تذکیر و تانیث کا معاملہ نہیں تھا۔ دورانِ ارتقاء رفتہ رفتہ sex ظاہر ہوا تو ﴿خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ (النساء:١) والا مرحلہ آیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم نے اپنی کتاب ''قرآن اور علمِ جدید'' میں بہت عمدہ تحقیق کی ہے

اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے بھی اس کی تصویب کی ہے۔ جن حضرات کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔

﴿فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ﴾ ''پھر تمہارے لیے ایک تو مستقل ٹھکانہ ہے اور ایک کچھ دیر (امانتاً) رکھے جانے کی جگہ۔''

''مستقر'' اور ''مستودع'' کے بارے میں مفسرین کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول یہ ہے کہ ''مستقر'' یہ دنیا ہے جہاں ہم رہ رہے ہیں اور ''مستودع'' سے مراد رحم مادر ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ ''مستقر'' آخرت ہے اور ''مستودع'' قبر ہے۔ قبر میں انسان کو عارضی طور پر امانتاً رکھا جاتا ہے۔ یہ عالم برزخ ہے اور یہاں سے انسان نے بالآخر اپنے ''مستقر'' (آخرت) کی طرف جانا ہے۔ تیسری رائے یہ ہے کہ ''مستقر'' آخرت ہے اور ''مستودع'' دنیا ہے۔ دنیا میں جو وقت ہم گزار رہے ہیں یہ آخرت کے مقابلے میں بہت ہی عارضی ہے۔

﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝۹۸﴾ ''ہم نے تو اپنی آیات کو واضح کر دیا ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھ بوجھ سے کام لیں۔''

آیت ۹۹ ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ﴾ ''اور وہی ہے جس نے اتارا آسمان (یا بلندی) سے پانی۔''

﴿فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ﴾ ''پھر ہم نے نکالی اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات' پھر ہم نے اُگائے اس سے سرسبز کھیت' جن میں سے ہم نکالتے ہیں دانے تہ بہ تہ ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوئے۔''

کسی بھی فصل یا اناج کا سِٹّہ دیکھیں تو اس کے دانے نہایت خوبصورتی اور سلیقے سے باہم جڑے ہوئے اور ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

﴿وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ﴾ ''اور کھجور کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے خوشے' اور (ہم نے بنا دیے) باغات انگوروں کے اور زیتون اور انار کے جو (رنگ' شکل اور ذائقے کے اعتبار سے) آپس میں مشابہ بھی ہیں اور مختلف بھی۔''

﴿اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ﴾ ''دیکھو اس کے پھل کو جب وہ پھل لاتا ہے اور دیکھو اس کے پکنے کو جب وہ پکتا ہے۔''

یعنی مختلف درختوں کے پھل لانے اور پھر پھل کے پکنے کے عمل کو ذرا غور سے دیکھا کرو۔ یہاں پر وَيَنْعِهٖ کے بعد ''اِذَا اَيْنَعَ'' (جب وہ پک جائے) محذوف مانا جائے گا۔ یعنی اس کے پکنے کو دیکھو کہ کس طرح تدریجاً پکتا ہے۔ پہلے پھل آتا ہے' پھر تدریجاً اس کے اندر تبدیلیاں آتی ہیں' جسامت میں بڑھتا ہے' پھر کچی حالت سے

آہستہ آہستہ پکنا شروع ہوتا ہے۔

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴿۹۹﴾﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔“

ایسی نشانیوں پر غور کرنے سے کمزور ایمان والوں کا ایمان بڑھ جائے گا‘ دل کے یقین میں اضافہ ہو جائے گا (بجوائے الفاظِ قرآنی: زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا) اور جن کے دلوں میں ہدایت کی طلب ہے انہیں ایسے مشاہدے سے ایمان کی دولت نصیب ہو گی۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ﴾ ”اور انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرا لیا جنّات کو‘ حالانکہ اُسی نے انہیں پیدا کیا ہے“

جیسے انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں ویسے ہی جنّات بھی اس کی مخلوق ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ جنّات کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور انسان کو مٹی سے۔ جنّات اپنی خداداد طبعی صلاحیتوں کی وجہ سے کائنات میں وسیع پیمانے پر رسائی رکھتے ہیں۔ آج انسان نے اربوں ڈالر خرچ کر کے خلاؤں کے جس سفر کو ممکن بنایا ہے‘ ایک عام جن کے لیے ایسا سفر معمول کی کارروائی ہو سکتی ہے‘ مگر ان سارے کمالات کے باوجود یہ جنّات ہیں تو اللہ ہی کی مخلوق۔ اسی طرح فرشتے اپنی تخلیق اور صلاحیتوں کے لحاظ سے جنات سے بھی بڑھ کر ہیں‘ مگر پیدا تو انہیں بھی اللہ ہی نے کیا ہے۔ لہٰذا انسان‘ جنّات اور فرشتے سب اللہ کی مخلوق ہیں اور ان میں سے کسی کا بھی الوہیت میں کوئی حصہ نہیں۔

﴿وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ﴾ ”اور اس کے لیے انہوں نے گھڑ لیے ہیں بیٹے اور بیٹیاں بغیر کسی علمی سند کے۔“

حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کو اللہ کے بیٹے قرار دیا گیا‘ جب کہ فرشتوں کے بارے میں کہہ دیا گیا کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ﴿۱۰۰﴾﴾ ”وہ بہت پاک ہے اور بہت بلند و بالا ہے ان تمام چیزوں سے جو یہ بیان کر رہے ہیں۔“

آیات ۱۰۱ تا ۱۱۰

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ

عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ
وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ
بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ
كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾
وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۗ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ
اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ
يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١٠﴾ ع ١٣ ١٠ ١٩

آیت ۱۰۱ ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ ''وہ عدم سے وجود میں لانے والا ہے آسمانوں اور زمین کو۔''
لفظ ''بدیع'' سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۱۷ میں بھی آچکا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے اور اس کے معنی ہیں عدم محض سے کسی چیز کی تخلیق کرنے والا۔

﴿اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾﴾
''اُس کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے جبکہ اُس کی کوئی بیوی نہیں' اور اُس نے تو ہر شے کو پیدا کیا ہے' اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی اولاد بتانے والے یہ بھی نہیں سوچتے کہ جب اُس کی کوئی شریکِ حیات ہی نہیں ہے تو اولاد کیسے ہوگی؟ دراصل کائنات اور اس کے اندر ہر چیز کا تعلق اللہ کے ساتھ صرف یہ ہے کہ وہ ایک خالق ہے اور باقی سب مخلوق ہیں۔ اور وہ ایسی علیم اور خبیر ہستی ہے کہ اس کی مخلوقات میں سے کوئی شے اس کی نگاہوں سے ایک لمحے کے لیے بھی اوجھل نہیں ہو پاتی۔

آیت ۱۰۲ ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ﴾ ''وہ ہے اللہ تمہارا رب!''
اس اندازِ خطاب کو اس طرح سمجھیں کہ مشرکینِ مکہ اور اہلِ عرب اللہ کے منکر نہیں تھے۔ وہ اللہ کو مانتے تو تھے لیکن اللہ کی صفات' اُس کی قدرت اور اُس کی عظمت کے بارے میں ان کا ذہن کچھ محدود تھا۔ اس لیے یہاں اس انداز سے انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ دیکھو جس اللہ کو تم مانتے ہو وہی تو تمہارا ربّ اور پروردگار ہے۔ وہ اللہ بہت بلند شان والا ہے۔ تم نے اس کی حقیقی شان کو نہیں پہچانا۔ تم نے اس کو کوئی ایسی شخصیت سمجھ لیا ہے جس کے اوپر کوئی دباؤ ڈال کر بھی اپنی بات منوائی جا سکتی ہے۔ تم فرشتوں کو اس کی بیٹیاں سمجھتے ہو۔ تمہارے خیال میں فرشتے جس کی سفارش کریں گے اُس کو بخش دیا جائے گا۔ اس طرح تم نے اللہ کو بھی انسانوں کے اوپر ہی قیاس کر لیا ہے کہ جس طرح کوئی انسان اپنی بیٹی کی بات ردّ نہیں کرتا' اسی طرح تم سمجھتے ہو کہ اللہ بھی فرشتوں کی بات نہیں ٹالے گا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی حقیقی قدرت' اُس کی عظمت' اُس کا وراء الوراء ہونا' اُس کا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

ہونا' اُس کا عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہونا' اُس کا ہر جگہ پر ہر وقت موجود ہونا' اُس کی ایسی صفات ہیں جن کا تصور تم لوگ نہیں کر پا رہے ہو۔ لہٰذا اگر تم سمجھنا چاہو تو سمجھ لو: ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ﴾ وہ ہے اللہ تمہارا رب جس کی یہ شان اور قدرت بیان ہو رہی ہے۔

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٠٢﴾﴾ ''اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' وہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے' پس تم اُسی کی بندگی کرو' اور وہ ہر شے کا کارساز ہے۔''

اُس کے سوا کوئی تمہارے لیے کارساز نہیں۔ خود اُس کا حکم ہے: ﴿اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ﴿٢﴾﴾ (بنی اسرائیل) کہ میرے سوا کسی اور کو اپنا کارساز نہ سمجھا کرو۔

آیت ۱۰۳ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿١٠٣﴾﴾ ''اُسے نگاہیں نہیں پا سکتیں' جبکہ وہ (تمہاری) نگاہوں کو پالیتا ہے' اور وہ لطیف بھی ہے اور ہر چیز سے باخبر بھی۔''

اُس کی شانِ لطافت کے باعث انسانی نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ اس سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ شبِ معراج میں کیا رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا نہیں دیکھا؟ اس بارے میں صحابہ کرام ؓ کی آراء کچھ مختلف ہیں۔ حضرت علی ؓ کی رائے یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ کو دیکھا تھا' لیکن حضرت عمر اور حضرت عائشہ ؓ کی رائے ہے کہ نہیں دیکھا تھا۔ اس ضمن میں حضرت عائشہ ؓ کا قول ہے: نُوْرٌ اَنّٰی یُرٰی یعنی وہ تو نور ہے اُسے دیکھا کیسے جائے گا؟ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب کوہِ طور پر استدعا کی تھی: ﴿رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ﴾ (الاعراف: ۱۴۳) ''پروردگار! مجھے یارائے نظر دے کہ میں تیرا دیدار کروں!'' تو صاف کہہ دیا گیا تھا: ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے''۔ اللہ اتنی لطیف ہستی ہے کہ اس کا دیکھنا ہماری نگاہوں سے ممکن نہیں۔ ہاں دل کی آنکھ سے اس کا دیدار ضرور کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ دنیا میں رہ کر بھی دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتے تھے۔

آیت ۱۰۴ ﴿قَدْ جَاۗءَكُمْ بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ﴾ ''(دیکھو) تمہارے پاس آ چکی ہیں بصیرت افروز باتیں تمہارے ربّ کی طرف سے۔''

﴿فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ﴾ ''تو اب جو کوئی بینائی سے کام لے گا تو اپنے ہی بھلے کے لیے' اور جو کوئی اندھا بن جائے گا تو اس کا وبال اُسی پر ہوگا۔''

اب جو کوئی ان بصائر کو آنکھیں کھول کر دیکھے گا اور چشم بصیرت سے حقائق کا مواجہہ کرے گا تو وہ خود اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو ان حقائق کی طرف سے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لے گا' یعنی وہ کسی تعصب' ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے حقیقت کو نہیں دیکھنا چاہے گا تو اس کا سارا وبال اُسی پر آئے گا۔

﴿وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٤﴾﴾ ''اور میں تمہارے اوپر کوئی نگران نہیں ہوں۔''

یہ بات نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ادا ہو رہی ہے کہ ہر کوئی اپنے اچھے برے اعمال کا خود ذمہ دار ہے'

میری ذمہ داری تم تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی حد تک ہے‘ میں تمہاری طرف سے جوابدہ نہیں ہوں۔

آیت ۱۰۵ ﴿وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ﴾ ’’اور اسی طرح ہم اپنی آیات کو گردش دلاتے ہیں تاکہ یہ پکار اُٹھیں کہ (اے نبی ﷺ) آپ نے سمجھا دیا‘‘

ہم اپنی آیات بار بار مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں‘ مختلف اسالیب سے دلائل پیش کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں پر حجت قائم ہو اور یہ تسلیم کریں کہ آپ نے سمجھانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ دَرَسَ‘ یَدْرُسُ کے معنی ہیں لکھنا اور لکھنے کے بعد مٹانا‘ پھر لکھنا‘ پھر مٹانا۔ جیسے بچے ابتدا میں جب لکھنا سیکھتے ہیں تو مشق کے لیے بار بار لکھتے ہیں۔ (اس مقصد کے لیے ہمارے ہاں تختی استعمال ہوتی تھی جو اب متروک ہو گئی ہے۔) یہاں تدریجاً بار بار پڑھانے کے معنی میں یہ لفظ (دَرَسْتَ) استعمال ہوا ہے۔

﴿وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝١٠٥﴾ ’’اور تاکہ ہم واضح کر دیں اس کو ہر طرح سے ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں (یا جو علم حاصل کرنا چاہتے ہیں)۔‘‘

آیت ۱۰۶ ﴿اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ﴾ ’’آپؐ پیروی کیے جائیں اُس کی جو وحی کیا جا رہا ہے آپؐ پر آپؐ کے رب کی طرف سے۔‘‘

اس سورۃ میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو بار بار مخاطب کیا جا رہا ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے‘ یہ خطاب دراصل حضور ﷺ کی وساطت سے اُمت کے لیے بھی ہے۔ مکی سورتوں (دو تہائی قرآن) میں مسلمانوں سے براہِ راست خطاب بہت کم ملتا ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ مکی دور میں مسلمان باقاعدہ ایک اُمت نہیں تھے۔ اُمت کی تشکیل تو تحویل قبلہ کے بعد ہوئی ہے۔ اسی لیے تحویل قبلہ کے حکم کے فوراً بعد یہ آیت نازل ہوئی ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ﴾ (البقرۃ:۱۴۳) اب جبکہ مسلمانوں کو باقاعدہ امت کا درجہ دے دیا گیا تو پھر اُن سے خطاب بھی براہِ راست ہونے لگا۔ چنانچہ سورۃ الحجرات جو ۱۸ آیات پر مشتمل مدنی سورۃ ہے‘ اس میں پانچ دفعہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے الفاظ سے اہلِ ایمان کو براہِ راست مخاطب فرمایا گیا ہے۔ لیکن دوسری طرف پورے مکی قرآن میں کہیں ایک مرتبہ بھی ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے الفاظ نہیں آئے۔ مکی سورتوں میں اہل ایمان سے جو بھی کہا گیا ہے وہ حضور ﷺ کو مخاطب کر کے واحد کے صیغے میں کہا گیا ہے۔ چنانچہ آیت زیر نظر میں یہ جو فرمایا گیا ہے کہ پیروی کرو اُس کی جو آپؐ پر وحی کیا جا رہا ہے آپؐ کے رب کی طرف سے‘ تو یہ حکم صرف حضور ﷺ کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے بھی ہے۔

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٠٦﴾ ’’اُس کے سوا کوئی معبود نہیں‘ اور آپؐ ان مشرکوں سے کنارہ کشی کر لیجیے۔‘‘

آیت ۱۰۷ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ﴾ ’’اور اگر اللہ چاہتا تو یہ

شرک نہ کرتے۔ اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو ان پر نگران نہیں بنایا ہے۔"

اگر اللہ تعالیٰ کو بالجبر ان سب کو ایمان پر لانا ہوتا تو اُس کے لیے یہ کچھ مشکل نہیں تھا۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ پر ان کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ آپؐ کو ان پر داروغہ یا نگران مقرر نہیں کیا گیا۔ آپؐ کا کام ہے حق کو واضح کر دینا۔ چنانچہ آپؐ اس قرآن کے ذریعے انہیں خبردار کرتے رہیے' اس کے ذریعے انہیں تذکیر کرتے رہیے' اس کے ذریعے انہیں خوشخبریاں دیتے رہیے۔ آپؐ کی بس یہ ذمہ داری ہے: ﴿فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾﴾ (الغاشیہ) "پس آپؐ انہیں یاددہانی کرائیے' اس لیے کہ آپؐ تو یاددہانی ہی کرانے والے ہیں۔ آپؐ ان کے اوپر نگران نہیں ہیں۔"

﴿وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾﴾ "اور نہ ہی آپؐ ان کے ضامن ہیں۔"

آیت ۱۰۸ ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ﴾ "اور مت گالیاں دو (یا مت برا بھلا کہو) ان کو جنہیں یہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا' تو وہ اللہ کو گالیاں دینے لگیں گے زیادتی کرتے ہوئے بغیر سوچے سمجھے۔"

یعنی تم لوگ کہیں جوش میں آ کر ان کے بتوں کو بُرا بھلا مت کہنا' کیونکہ وہ ان کو اپنے معبود سمجھتے ہیں' ان کے ذہنوں میں ان کی عظمت اور دلوں میں ان کی عقیدت ہے' اس لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ غصے میں آ کر جواباً اللہ کو گالیاں دینے لگ جائیں۔ لہٰذا تم کبھی ایسا اشتعال آمیز انداز اختیار نہ کرنا۔ یہاں ایک دفعہ پھر نوٹ کیجیے کہ یہ خطاب مسلمانوں سے ہے' لیکن انہیں "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے مخاطب نہیں کیا گیا۔

﴿كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠﴾ "اسی طرح ہم نے ہر قوم کے لیے اس کے عمل کو مزین کر دیا ہے"

جس طرح ہر کوئی اپنے عقیدے میں خوش ہے اسی طرح یہ مشرکین بھی اپنے بتوں کی عقیدت میں مگن ہیں۔ ظاہر بات ہے وہ اُن کو اپنے معبود سمجھتے ہیں تو اُن کے بارے میں اُن کے جذبات بھی بہت حساس ہیں۔ اس لیے اے نبی ﷺ آپ انہیں مناسب انداز سے سمجھائیں' انذار' تبشیر' تذکیر اور تبلیغ وغیرہ سب طریقے آزمائیں' لیکن ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں۔

﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾﴾ "پھر اپنے ربّ ہی کی طرف ان سب کو لوٹنا ہے تو وہ ان کو جتلا دے گا جو کچھ وہ کرتے رہے تھے۔"

آیت ۱۰۹ ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ﴾ "اور وہ اللہ کی قسمیں کھا رہے ہیں شدومد کے ساتھ کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آ جائے تو وہ لازماً اُس پر ایمان لے آئیں گے۔"

پھر ان کے اسی مطالبے کا ذکر آ گیا کہ وہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر انہیں کوئی معجزہ دکھا دیا جائے تو وہ لازماً ایمان لے آئیں گے۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی بتایا گیا ہے یہ مضمون اس سورۂ مبارکہ کا عمود ہے۔ مشرکین

مکہ کا یہ مطالبہ تھا کہ جب آپ (ﷺ) نبوت و رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں تو پھر معجزہ کیوں نہیں دکھاتے؟ اس سے پہلے تمام انبیاء اپنی نبوت کے ثبوت کے طور پر معجزات دکھاتے رہے ہیں۔ آپ (ﷺ) خود کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو معجزات دکھائے‘ حضرت عیسیٰؑ نے بھی معجزات دکھائے‘ حضرت صالحؑ نے بھی اپنی قوم کو معجزہ دکھایا‘ تو پھر آپ (ﷺ) معجزہ دکھا کر کیوں ہمیں مطمئن نہیں کرتے؟ اُن کے سردار اپنے عوام کو متاثر کرنے کے لیے بڑی بڑی قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ آپ (ﷺ) دکھایئے تو سہی ایک دفعہ معجزہ‘ اسے دیکھتے ہی ہم لازماً ایمان لے آئیں گے۔

﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ”کہہ دیجیے کہ نشانیاں تو سب اللہ کے اختیار میں ہیں“

آپ (ﷺ) انہیں صاف طور پر بتا دیجیے کہ معجزہ دکھانا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ تمہارے مطالبے پر کوئی معجزہ نہیں دکھائے گا۔ ان کی اس طرح کی باتوں کا چونکہ مسلمانوں پر بھی اثر پڑنے کا امکان تھا‘ اس لیے آگے فرمایا:

﴿وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٠٩﴾ ”اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا معلوم کہ جب وہ نشانی آ جائے گی تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

یہ لوگ ایمان تو معجزہ دیکھ کر بھی نہیں لائیں گے‘ لیکن معجزہ دیکھ لینے کے بعد ان کی مہلت ختم ہو جائے گی اور وہ فوری طور پر عذاب کی گرفت میں آ جائیں گے۔ اس لیے ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ انہیں معجزہ نہ دکھایا جائے۔ چنانچہ ان کی باتیں سن سن کر جو تنگی اور گھٹن تم لوگ اپنے دلوں میں محسوس کر رہے ہو اس کو برداشت کرو اور ان کے اس مطالبے کو نظر انداز کر دو۔

آیت ١١٠ ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ”اور ہم ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو اُلٹ دیں گے جس طرح وہ ایمان نہیں لائے تھے پہلی مرتبہ“

اس قاعدے اور قانون کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس فلسفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو صلاحیتیں دی ہیں اگر وہ ان کو استعمال کرتا رہتا ہے تو ان میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اگر آپ دوسروں کو علم سکھائیں گے تو آپ کے علم میں اضافہ ہوگا۔ اگر آپ معمول کے مطابق آنکھ کا استعمال کرتے رہیں گے تو آنکھ صحت مند رہے گی‘ اس کی بصارت برقرار رہے گی۔ لیکن اگر آپ اپنی آنکھ پر پٹی باندھ دیں گے تو دو چار مہینے کے بعد اس کی بصارت زائل ہو جائے گی۔ انسانی جوڑوں کو حرکت کرنے کے لیے بنایا گیا ہے‘ اگر آپ کسی جوڑ پر پلاسٹر چڑھا دیں گے تو کچھ مہینوں کے بعد اس کی حرکت ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ جو صلاحیت اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہے اگر وہ اس کا استعمال نہیں کرے گا تو وہ صلاحیت تدریجاً زائل ہو جائے گی۔ اسی طرح حق کو پہچاننے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو باطنی طور پر صلاحیت ودیعت کی ہے۔ اب اگر ایک شخص پر حق منکشف ہو گیا ہے‘ اس کے اندر حق کو پہچاننے کی صلاحیت موجود ہے‘ اس کے دل نے گواہی بھی دے دی ہے کہ یہ حق ہے‘ لیکن اگر کسی تعصب کی وجہ سے‘ کسی ضد اور ہٹ دھرمی کے سبب اس نے اُس حق کو دیکھنے‘ سمجھنے اور ماننے سے

انکار کر دیا' تو اس کی حق شناسی کی صلاحیت قدرے کم ہو جائے گی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ کبھی حق کی کوئی چنگاری اس کے دل میں روشن ہوئی تو اُس کا اثر اس پر پہلے سے کم ہو گا۔ اور اگر وہ شخص جان بوجھ کر حق کا مسلسل انکار کرتا رہا تو تدریجاً وہ نوبت آ جائے گی کہ حق کو پہچاننے کی اُن کی باطنی صلاحیت ختم ہو جائے گی۔ یہ فلسفہ سورۃ البقرۃ' آیت ۷ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۷﴾ ''اللہ نے مہر لگا دی ہے ان کے دلوں پر اور ان کی سماعت پر' اور ان کی آنکھوں کے آگے پردے ڈال دیے ہیں' اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے''۔ اس لیے کہ جب ضد اور تعصب کی بنا پر وہ لوگ سمجھتے بوجھتے حق کا مسلسل انکار کرتے رہے تو اُن کی حق کو پہچاننے کی صلاحیتیں سلب کر لی گئیں۔ اس کے بعد وہ اس انتہا کو پہنچ گئے جہاں سے واپسی کا کوئی امکان نہیں۔ ایسی انتہا کو ''point of no return'' کہتے ہیں۔ ہر معاملے میں واپسی کا ایک وقت ہوتا ہے' لیکن وہ وقت گزر جانے کے بعد ایسا کرنا ممکن نہیں رہتا۔

آیت زیر مطالعہ میں یہی فلسفہ ذرا مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ جب پہلی مرتبہ ان لوگوں پر حق منکشف ہوا' اللہ نے حجت قائم کر دی' انہوں نے حق کو پہچان لیا' ان کے دلوں' ان کی روحوں اور باطنی بصیرت نے گواہی دے دی کہ یہ حق ہے' اس کے بعد اگر وہ اس حق کو فوراً مان لیتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ لیکن چونکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا تو اللہ نے فرمایا کہ اس کی سزا کے طور پر ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیں گے' اب وہ سو معجزے دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

﴿وَنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۱۱۰﴾ ''اور ہم ان کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی کے اندر بھٹکتے رہیں۔''

ہم چھوڑ دیں گے اُن کو ان کی باطنی' ذہنی' نفسیاتی اور اخلاقی گمراہیوں کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے۔ اسی مفہوم میں لفظ ''یَعْمَهُوْنَ'' ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۵ میں بھی پڑھ چکے ہیں' بلکہ وہاں آیت ۱۸ میں اس سے ملتے جلتے مفہوم کا حامل لفظ ''عُمْیٌ'' بھی آیا ہے۔ عَمِهَ یَعْمَهُ بصیرت سے محرومی یعنی باطنی اندھے پن کے لیے آتا ہے اور ''عَمِیَ یَعْمٰی'' بصارت سے محرومی یعنی آنکھوں سے اندھا ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

آیات ۱۱۱ تا ۱۲۱

الجزء الثامن (۸)

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰی وَحَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا
لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ۱۱۱ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا
شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ
رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا یَفْتَرُوْنَ ۱۱۲ وَلِتَصْغٰۤی اِلَیْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ وَلِیَرْضَوْهُ وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۱۱۳ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِیْۤ
اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ
لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ
عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ
مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ
عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ
سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ
وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع ۱۴ ۱۱

آیت ۱۱۱ ﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ﴾ ’’اور اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیتے‘‘

یعنی ہم ان کے مطالبے کے مطابق ایک فرشتہ تو کیا فرشتوں کی فوجیں اتار سکتے ہیں‘ ان فرشتوں کو آسمان سے اترتے ہوئے دکھا سکتے ہیں‘ لیکن اگر ہم واقعتاً فرشتے اُتار بھی دیتے اور ان کو دکھا بھی دیتے ......

﴿وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا﴾ ’’اور مُردے بھی ان سے گفتگو کرتے اور ہم تمام چیزیں لا کر ان کے روبرو جمع کر دیتے‘‘

﴿مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ ’’تب بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر یہ کہ اللہ چاہے‘‘

اگر اللہ چاہے اور اگر کسی کے اندر حق کی طلب ہو تو اللہ تعالیٰ معجزوں کے بغیر بھی ایسے لوگوں کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ جیسے اس نے بہت سے طالبانِ حق کی راہنمائی فرمائی اور وہ کوئی معجزہ دیکھے بغیر ہی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آئے۔

﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾﴾ ’’لیکن ان کی اکثریت جاہلوں پر مشتمل ہے۔‘‘

یہاں ’’جاہلوں‘‘ سے مراد جذباتی لوگ ہیں‘ جو عقل سے کام نہیں لیتے بلکہ اپنے جذبات کے آلہ کار بن جاتے ہیں —— اگلی آیت فلسفۂ دعوت و تحریک کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔

آیت ۱۱۲ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ﴾ ’’اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بنا دیے انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین‘‘

سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے‘ انبیاء کرام علیہم السلام کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی ضرورت تھی‘ پھر اللہ نے شیاطین کو ان کے خلاف کیوں کھڑا کر دیا؟ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کا بہت اہم قانون ہے جس کے بارے میں راہِ حق کے ہر مسافر کو معلوم ہونا چاہیے۔ مقصود اس سے سچائی اور خلوص کا امتحان ہے۔ ظاہر ہے اگر حق و باطل میں

باہم کشاکش نہیں ہوگی تو پھر کھرے اور کھوٹے کی پہچان بھی نہیں ہو سکے گی کہ کون واقعی حق پرست ہے اور کون جھوٹا دعویدار؟ کون اللہ سے سچی محبت کرتا ہے اور کون دودھ پینے والا مجنوں ہے؟ یہ دنیا تو بنی ہی آزمائش کے لیے ہے۔ یہاں اگر شر کا وجود ہی نہ ہو اور ہر جگہ خیر ہی خیر ہو تو خیر کے طلبگاروں کی آزمائش کیسے ہوگی؟ لہٰذا یہاں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ کشمکش کی فضا ہم خود پیدا کرتے ہیں۔ ہم خود حق پر چلنے والوں کو تلاطم خیز موجوں کے سپرد کر کے ان کی استقامت کو پرکھتے ہیں اور پھر ثابت قدم رہنے والوں کو نوازتے ہیں۔ لہٰذا اس بارگاہ میں جو جتنا قریب ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ آزمایا جاتا ہے' پھر جو جتنی استقامت دکھاتا ہے اور جو جتنا ایثار کرتا ہے' اتنا ہی اُس کا مرتبہ بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ راہِ حق کے مسافروں کو آزمائشوں سے گھبرانا نہیں چاہیے: ؎

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے!

﴿يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ﴾ ''وہ ایک دوسرے کو اشاروں کنایوں میں پُرفریب باتیں پہنچاتے رہتے ہیں گمراہ کرنے کے لیے۔''

مثلاً ایک جن شیطان آ کر اپنے ساتھی انسان شیطان کے دل میں خیال ڈالتا ہے کہ شاباش اپنے موقف پر ڈٹے رہو' اسی کا نام استقامت ہے۔ دیکھو کہیں پھسل نہ جانا اور اپنے مخالف کے موقف کو قبول نہ کر لینا...... ان کا آپس میں اس طرح کا گٹھ جوڑ یونہی چلتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اُن کو ایسا کرنے کے لیے چھوٹ دے رکھی ہے۔

﴿وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ﴾ ''اور اگر آپ کا ربّ چاہتا تو وہ یہ نہ کر سکتے''

ظاہر بات ہے کہ اس کائنات میں کوئی ایک پتا بھی اللہ تعالیٰ کے اِذن کے بغیر نہیں ہل سکتا۔ ابوجہل کی کیا مجال تھی کہ وہ حضرت سُمیہ رضی اللہ عنہا کو شہید کرتا۔ وہ برچھا اٹھاتا بھی تو اُس کا ہاتھ شل ہو جاتا۔ لیکن یہ تو اللہ کی طرف سے چھوٹ تھی کہ ٹھیک ہے' تم ہماری اس بندی کو جتنا آزمانا چاہتے ہو آزما لو۔ ان آزمائشوں سے ہمارے ہاں اس کے مراتب بلند سے بلند تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ یٰسٓ میں اللہ تعالیٰ کے ایک بندے پر انعامات کا ذکر ہوا ہے: ﴿قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝﴾ ''اُس نے کہا کاش کہ میری قوم کو معلوم ہو جائے کہ کس طرح میرے ربّ نے مجھے بخش دیا اور مجھے معززین میں سے بنا دیا''۔ یعنی اُدھر دنیا میں تو میری شہادت کے بعد صفِ ماتم بچھی ہوگی' سب گھر والے میری جدائی میں نڈھال ہوں گے' بچے رو رو کر ہلکان ہو رہے ہوں گے' لیکن کاش وہ جان سکتے کہ مجھے میرے ربّ نے کس کس طرح سے نوازا ہے' کیسے کیسے انعامات کی یہاں مجھ پر بارش کی گئی ہے اور میں یہاں کس عیش و آرام میں ہوں! اگر انہیں میرے اس اعزاز و اکرام کی کچھ بھی خبر ہو جاتی تو رونے دھونے کی بجائے وہ خوشیاں منا رہے ہوتے۔

﴿فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝﴾ ''تو چھوڑیے آپؐ ان کو اور ان کی افترا پردازیوں کو۔''

یہ ہماری سنت ہے' ہمارا طریقہ ہے' ہم نے خود ان کو یہ سب کچھ کرنے کی ڈھیل دے رکھی ہے' لہٰذا آپؐ ان سے اعراض فرمایئے اور ان کو ان کی افترا پردازیوں میں پڑے رہنے دیجیے۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ﴾ ’’اور (ایسا اس لیے ہے) تاکہ مائل ہو جائیں اس کی طرف ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے‘‘

﴿وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ﴾ ’’اور تاکہ وہ اس کو پسند بھی کریں اور پھر وہ اپنے بُرے اعمال کا جو بھی انبار جمع کرنا چاہتے ہیں جمع کر لیں۔‘‘

اس فلسفے کو ایک مثال سے سمجھیے۔ اگر پانی کا برقی رو کے ذریعے تجزیہ (electrolysis) کریں تو negative اور positive چارج والے آئنز (ions) الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ دنیا میں حق و باطل کی کشمکش کے ذریعے کھرے اور کھوٹے کی ionization کرتا ہے۔ اہل حق نکھر کر ایک طرف ہو جاتے ہیں اور اہلِ باطل دوسری طرف۔ اس طرح انسانی معاشرے میں اچھے اور برے کی تمیز واضح ہو جاتی ہے۔ سورۂ آلِ عمران (آیت ۱۷۹) میں اللہ تعالیٰ کے اس قانون کا ذکر بایں الفاظ ہوا ہے: ﴿حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ ’’تاکہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے‘‘۔ معاشرے کے اندر عام طور پر پاک اور ناپاک عناصر گڈمڈ ہوئے ہوتے ہیں، لیکن جب آزمائشیں اور تکلیفیں آتی ہیں، امتحانات آتے ہیں تو یہ خبیث اور طیب عناصر واضح طور پر الگ الگ ہو جاتے ہیں، یعنی منافق علیحدہ اور اہل ایمان علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ آیت زیر نظر کے مطابق شیاطینِ انس و جن کو کھل کھیلنے کی مہلت اسی حکمت کے تحت فراہم کی جاتی ہے اور منکرینِ آخرت کو بھی پورا موقع دیا جاتا ہے کہ وہ اُن شیاطین کی طرف سے پھیلائے ہوئے بے سروپا نظریات کی طرف مائل ہونا چاہیں تو بے شک ہو جائیں۔

آیت ۱۱۴ ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا﴾ ’’کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حَکم ڈھونڈوں؟‘‘

اس متجسسانہ سوال (searching question) کے مخاطب خصوصی طور پر مشرکینِ مکہ ہیں۔ وہ لوگ اللہ کو مانتے تھے، چنانچہ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ وہ اللہ جس کو تم مانتے ہو، میں نے بھی اُسی کو اپنا رب مانا ہے۔ تو کیا اب تم چاہتے ہو کہ میں اُس معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا حَکم تسلیم کر لوں، اور وہ بھی ان میں سے جن کو تم لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے، جن کے بارے میں اللہ نے کوئی سند یا دلیل نازل نہیں کی ہے۔ سورۃ الزخرف میں اسی نکتہ کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ﴾ ’’آپ کہیے کہ اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے اُس کو میں پوجتا‘‘۔ یعنی جب میں اللہ کی پرستش کرتا ہوں تو اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو کیا میں اس کی پرستش نہ کرتا؟ چنانچہ میں جو اللہ کو اپنا معبود مانتا ہوں اور یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے تو جان لو کہ اس کی واقعی کوئی اولاد نہیں ہے۔ سمجھانے کا یہ انداز جو قرآن میں اختیار کیا گیا ہے بالکل فطری ہے۔ اس میں منطق کے بجائے جذبات سے براہِ راست اپیل ہے۔ دروں بینی (introspection) کی طرف دعوت ہے کہ اپنے دل میں جھانکو، گریبان میں منہ ڈالو اور سوچو، حقیقت تمہیں خود ہی نظر آ جائے گی۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا﴾ ’’اور وہی تو ہے جس نے تمہاری طرف ایک بڑی

مفصل کتاب نازل کی ہے۔"

﴿وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴿١١٤﴾﴾

"اور (اے نبی ﷺ!) جنہیں ہم نے (پہلے) کتاب دی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ نازل کی گئی ہے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ' تو ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں میں سے۔"

اہلِ کتاب زبان سے اقرار کریں نہ کریں' اپنے دلوں میں ضرور یقین رکھتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

آیت ۱۱۵ ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ﴾ "اور آپؐ کے رب کی بات تو سچائی اور عدل پر مبنی ہونے کے اعتبار سے درجہ کمال تک پہنچ چکی ہے۔"

آپ کے ربّ کی بات اُس کی مشیت کے مطابق مکمل ہو چکی ہے' جیسے سورۃ المائدۃ' آیت ۳ میں واضح فرمایا گیا: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ﴾ "آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور تم پر اِتمام فرما دیا ہے اپنی نعمت کا اور تمہارے لیے میں نے پسند کر لیا ہے اسلام کو بحیثیت دین کے۔"

﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴿١١٥﴾﴾ "اُس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں' اور وہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔"

آیت ۱۱۶ ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ "اور اگر تم پیروی کرو گے زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے لازماً گمراہ کر دیں گے۔"

جدید جمہوری نظام کے فلسفے کی نفی کے لیے یہ بڑی اہم آیت ہے۔ جمہوریت میں اصابتِ رائے کے بجائے تعداد کو دیکھا جاتا ہے۔ بقولِ اقبالؔ:

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں' تولا نہیں کرتے!

اس حوالے سے قرآن کا یہ حکم بہت واضح ہے کہ اگر تم زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی بات مانو گے تو وہ تمہیں لازماً گمراہ کر دیں گے۔ دنیا میں باطل پرستوں کی ہمیشہ اکثریت رہی ہے۔ دورِ صحابہؓ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد دنیا کی پوری آبادی کے تناظر میں دیکھیں تو لاکھ کے مقابلے میں ایک کی نسبت بھی نہیں بنتی۔ اس لیے اکثریت کو کُلّی اختیار دے کر کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ہاں ایک صورت میں اکثریت کی رائے کو اہمیت دی جا سکتی ہے۔ وہ یہ کہ اگر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام کو قطعی اصولوں اور land makrs کے طور پر مان لیا جائے تو پھر اُن کی واضح کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے مباحات کے بارے میں اکثریت کی بنا پر فیصلے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کسی دعوت کے ضمن میں اگر یہ فیصلہ کرنا مقصود ہو کہ مہمانوں کو کون سا مشروب پیش کیا جائے تو ظاہر ہے کہ شراب کے بارے میں تو رائے شماری نہیں ہو سکتی' وہ تو اللہ اور رسول ﷺ کے حکم کے مطابق

حرام ہے۔ ہاں روح افزا' کوکا کولا' سپرائٹ وغیرہ کے بارے میں آپ اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اختیارِ مطلق (Absolute Authority) اور اقتدارِ اعلیٰ (sovereignty) اکثریت کے پاس ہو تو اس صورتِ حال پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ہی پڑھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے دین اسلام کا اصول یہ ہے کہ کُلّی اختیار اور اقتدارِ اعلیٰ تو بہرحال اللہ تعالیٰ کے پاس رہے گا' جو اس کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ البتہ اُس کے احکام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اکثریت کی رائے کے مطابق فیصلے کیے جا سکتے ہیں۔

﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾﴾ ''یہ نہیں پیروی کر رہے مگر ظن وتخمین کی اور یہ نہیں کچھ کر رہے سوائے اس کے کہ انہوں نے کچھ اندازے مقرر کر رکھے ہیں۔''

یعنی یہ لوگ محض گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اٹکل کے تیر تکّے چلا کر قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

آیت ١١٧ ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١١٧﴾﴾ ''یقیناً آپؐ کا ربّ خوب جانتا ہے ان کو جو اس کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں' اور وہ خوب واقف ہے ان سے بھی جو ہدایت کی راہ پر ہیں۔''

آیت ١١٨ ﴿فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾﴾ ''پس کھاؤ ان چیزوں میں سے جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اگر تم اُس کی آیات پر ایمان رکھتے ہو۔''

یہاں کھانے پینے کی چیزوں کی حِلّت وحُرمت کے بارے میں مشرکینِ عرب کے جاہلانہ نظریات اور توہّمات کا رد کیا گیا ہے۔

آیت ١١٩ ﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ ''اور تمہیں کیا ہے کہ تم نہیں کھاتے وہ چیزیں جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہو''

یہ بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام وغیرہ (بحوالہ المائدۃ:١٠٣) کے بارے میں تمہارے تمام عقیدے من گھڑت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی پابندیاں اپنے بندوں پر نہیں لگائیں۔ لہٰذا حلال جانوروں کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا کرو اور بلا کراہت ان کا گوشت کھایا کرو۔

﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ﴾ ''جب کہ اللہ تفصیل بیان کر چکا ہے تمہارے لیے ان چیزوں کی جو حرام کی گئی ہیں تم پر''

یہ تفصیل سورۃ النحل' آیت ١١٥ میں آئی ہے۔ سورۃ النحل چونکہ سورۃ الانعام سے پہلے نازل ہوئی تھی اس لیے یہاں فرمایا گیا کہ حلال چیزوں کی تفصیل تمہارے لیے پہلے ہی بیان کی جا چکی ہے۔

﴿اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ﴾ ''سوائے اُس چیز کے کہ تم مجبور ہو جاؤ اُس (کے کھانے) کے لیے۔''

اس قانون میں بھی تمہارے لیے گنجائش ہے کہ اگر اضطرار ہے' جان پر بنی ہوئی ہے' بھوک سے جان نکل

رہی ہے تو ان حرام چیزوں میں سے بھی کچھ کھا کر جان بچائی جاسکتی ہے۔

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ۱۱۹﴾ ''اور یقیناً بہت سے لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم کے اپنی خواہشات کی بنا پر لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں۔ یقیناً آپؐ کا ربّ خوب جانتا ہے حد سے تجاوز کرنے والوں کو۔''

آیت ۱۲۰ ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۭ﴾ ''اور چھوڑ دو (ہر طرح کے) گناہ کو' وہ کھلا ہو یا چھپا ہوا۔''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۱۲۰﴾ ''یقیناً جو لوگ گناہ کماتے ہیں انہیں جلد ہی بدلہ ملے گا اس کا جو وہ جمع کر رہے ہیں۔''

آیت ۱۲۱ ﴿وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۭ﴾ ''اور مت کھاؤ اُس میں سے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو' اور یقیناً یہ (اس کا کھانا) گناہ ہے۔''

اس آیت کا تعلق بھی مشرکینِ عرب کے خود ساختہ اعتقادات اور توہمات سے ہے۔ وہ کہتے تھے کہ بعض جانوروں کو ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام سرے سے لینا ہی نہیں چاہیے۔ یہ حکم ایک خاص مسئلے کے حوالے سے ہے' جس کی وضاحت آگے آیت ۱۳۸ کے تحت آئے گی۔

﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓي اَوْلِيٰۗـــِٕــهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۱۲۱﴾ ''اور یقیناً یہ شیاطین اپنے ساتھیوں کو وحی کرتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں' اور اگر تم ان کا کہنا مانو گے تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔''

مشرکینِ مکہ اپنے غلط اعتقادات کی حمایت میں طرح طرح کی حجت بازی کرتے رہتے تھے' مثلاً یہ کہ جو جانور اللہ نے مارا ہے یعنی از خود مر گیا ہے اسے کیوں حرام قرار دے دیا جائے اور جس کو تم خود مارتے ہو یعنی ذبح کرتے ہو اس کو آخر کس دلیل کے تحت حلال مان لیا جائے؟ اسی طرح وہ سود کے بارے میں بھی یہ دلیل دیتے تھے کہ ﴿اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ﴾ (البقرۃ:۲۷۵) ''کہ یہ بیع بھی تو ربا (سود) ہی کی طرح ہے''۔ جیسے تجارت میں نفع ہوتا ہے ایسے ہی سودی لین دین میں بھی نفع ہوتا ہے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ دس لاکھ کسی کو قرض دیے' اس سے چار ہزار روپے ماہانہ منافع لے لیا تو وہ ناجائز اور دس لاکھ کا مکان کسی کو کرائے پر دے کر چار ہزار روپے ماہانہ اس سے کرایہ لیا جائے تو وہ جائز! ایسے اشکالات کے بارے میں یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اس طرح کی باتیں ان کے شیاطین انہیں سکھاتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے مجادلہ کریں' تاکہ تمہیں بھی اپنے ساتھ گمراہی کے راستے پر لے چلیں۔ لہٰذا تم ان کی اس طرح کی باتوں کو نظر انداز کرتے رہا کرو۔

آیات ۱۲۲ تا ۱۴۰

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي

الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٢﴾ وَكَذٰلِكَ
جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا
يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ
اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ
وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ
لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي
السَّمَاۗءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ
مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ
وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ
الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰۗـؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ
اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ
عَلِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾ ۧ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ ع ١٥/٨
وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ
هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ
كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿١٣٠﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾
وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو
الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ
قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿١٣٣﴾ ۭ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿١٣٤﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي
مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ
بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَاۗىِٕنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَاۗىِٕهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ
يَصِلُ اِلٰي شُرَكَاۗىِٕهِمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ
اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاۗؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ
فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٧﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ڰ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَاۗءُ
بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاۗءً

عَلَيۡهِ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ۝ وَقَالُوۡا مَا فِىۡ بُطُوۡنِ هٰذِهِ الۡاَنۡعَامِ خَالِصَةٌ
لِّذُكُوۡرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزۡوَاجِنَا ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مَّيۡتَةً فَهُمۡ فِيۡهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ
وَصۡفَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ۝ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ قَتَلُوۡۤا اَوۡلَادَهُمۡ سَفَهًۢا بِغَيۡرِ عِلۡمٍ
وَّحَرَّمُوۡا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افۡتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدۡ ضَلُّوۡا وَمَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ۝ ع

آیت ۱۲۲ ﴿اَوَ مَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ﴾ ''بھلا جو کوئی تھا مُردہ' پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا''

اس سے معنوی حیات وممات مراد ہے۔ یعنی ایک شخص جو اللہ سے واقف نہیں تھا' صرف دُنیا کا بندہ بنا ہوا تھا' اس کی انسانیت درحقیقت مردہ تھی' وہ حیوان کی حیثیت سے تو زندہ تھا لیکن بحیثیت انسان وہ مردہ تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ایمان کی ہدایت دی تو اس کے بعد گویا وہ زندہ ہو گیا۔

﴿وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا ؕ﴾ ''اور ہم نے اُس کے لیے روشنی کر دی' اب اس کے ساتھ وہ چل رہا ہے لوگوں کے مابین' کیا وہ اُس شخص کی طرح ہو جائے گا جو اندھیروں میں (بھٹک رہا) ہو اور اس سے وہ نکلنے والا بھی نہ ہو۔''

﴿كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝﴾ ''اسی طرح مزین کر دیا گیا ہے ان کافروں کے لیے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔''

مثال کے طور پر ایک وہ شخص تھا جس نے نظریاتی معاملات کی پیچیدگیوں کی طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی تھی' لیکن پھر اس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے دی' نورِ قرآن سے اس کے سینے کو منور کر دیا' اب وہ اس نور میں آگے بڑھا اور بڑھتا چلا گیا۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حق کی طرف متوجہ ہونے میں چھ سال لگ گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی چھ سال بعد ایمان لائے' لیکن ایمان لانے کے بعد انہوں نے قرآن کو مشعلِ راہ بنایا اور اللہ کے راستے میں سرفروشی کی لازوال مثالیں پیش کیں۔ دوسری طرف وہ لوگ بھی تھے جو ساری عمر جہالت کے اندھیروں میں ہی بھٹکتے رہے اور اسی حالت میں انہیں موت آ گئی۔ تو کیا یہ دونوں طرح کے لوگ برابر ہو سکتے ہیں؟

آیت ۱۲۳ ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنَا فِىۡ كُلِّ قَرۡيَةٍ اَكٰبِرَ مُجۡرِمِيۡهَا لِيَمۡكُرُوۡا فِيۡهَا ؕ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم کھڑے کیے تاکہ وہ اس میں خوب سازشیں کریں۔''

یہ وہی فلسفہ ہے جو قبل ازیں آیت ۱۱۲ میں بھی بیان ہوا ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا کہ شیاطینِ انس وجن کو ہم خود ہی انبیاء کی دشمنی کے لیے مقرر کرتے ہیں۔ یہاں پر اس سے ملتی جلتی بات کہی گئی کہ ہم ہر بستی کے اندر وہاں کے سرداروں اور بڑے بڑے چودھریوں کو ڈھیل دیتے ہیں کہ اگر وہ حق کے مقابلے میں کھڑے ہونا چاہیں تو علی الاعلان کھڑے ہوں' لوگوں کو سیدھے راستے سے روکیں' اپنی چالبازیوں اور مکاریوں سے حق پرستوں کو آزمائش میں ڈالیں۔ اس سے جہاں دشمنانِ حق کی آزمائش ہو جاتی ہے وہاں مؤمنین صادقین کی صلاحیتیں مزید اُجاگر ہوتی ہیں' ان کے جوہر کھلتے ہیں اور ان کی غیرتِ ایمانی کو جلا ملتی ہے۔

﴿وَمَا یَمۡکُرُوۡنَ اِلَّا بِاَنۡفُسِہِمۡ وَمَا یَشۡعُرُوۡنَ﴿۱۲۳﴾﴾ ''حالانکہ وہ مکر نہیں کرتے مگر اپنی جانوں کے ساتھ' لیکن انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔''

انہیں یہ شعور ہی نہیں کہ ان کی چالبازیوں کا سارا وبال تو بالآخر خود انہی پر پڑے گا۔ حضرت یاسر اور حضرت سُمیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ابوجہل نے جو کچھ کیا تھا اس کا وبال جب اس کے سامنے آئے گا تب اُس کی آنکھ کھلے گی اور اُس وقت تو یہ عالم ہوگا کہ ع ''جب آنکھ کھلی گل کی تو موسم تھا خزاں کا!''

آیت ۱۲۴ ﴿وَاِذَا جَآءَتۡہُمۡ اٰیَۃٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰی نُؤۡتٰی مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ ؕ﴾ ''اور جب ان کے پاس (قرآن کی) کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہمیں بھی وہی چیز نہ دے دی جائے جو اللہ کے (دوسرے) رسولوں کو دی گئی تھی۔''

آیاتِ قرآنیہ مختلف انداز سے منکرینِ حق کے سامنے حقائق و رموز پیش کرتی ہیں مگر ان دلائل و براہین کا تجزیہ کرنے اور انہیں مان لینے کے بجائے یہ لوگ پھر وہی بات دہراتے ہیں کہ جیسے پہلے انبیاء کی قوموں کو معجزے دکھائے گئے تھے ہمیں بھی ویسے ہی معجزات دکھائے جائیں تو تب ہم ایمان لائیں گے۔ اس معاملے کو یوں سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق جیسے مناسب سمجھا ہر قوم اور ہر امت کے ساتھ ویسا معاملہ فرمایا۔ پرانی اُمتوں کو حسی معجزے دکھائے گئے تھے' اس لیے کہ وہ نوعِ انسانیت کا دورِ طفولیت تھا۔ جب تک انسانیت کا اجتماعی شعور حدِ بلوغت کو نہیں پہنچا تھا تب تک حسی معجزات کا ظہور ہی مناسب تھا۔ جیسے بچے کو بہلانے کے لیے کھلونے دیے جاتے ہیں' لیکن شعور کی عمر کو پہنچ کر اس کے لیے عقل اور حکمت کی تعلیم ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کی بعثت کے وقت جبکہ بنی نوعِ انسان بحیثیت مجموعی سنجیدگی اور شعور کی عمر کو پہنچ چکی تھی' اس کو حسی اور وقتی معجزوں کے بجائے ایک ایسا معجزہ دیا گیا جو دائمی بھی ہے اور علم و حکمت کا منبع و شاہکار بھی۔

﴿اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ ؕ﴾ ''اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کا کام کس سے لے اور کس طرح لے!''

﴿سَیُصِیۡبُ الَّذِیۡنَ اَجۡرَمُوۡا صَغَارٌ عِنۡدَ اللّٰہِ وَعَذَابٌ شَدِیۡدٌۢ بِمَا کَانُوۡا یَمۡکُرُوۡنَ﴿۱۲۴﴾﴾ ''عنقریب پہنچے گی ان مجرموں (گنہگاروں) کو بہت ہی ذلت اللہ کے ہاں سے اور سخت عذاب ان کی چالبازیوں کے سبب جو وہ کر رہے ہیں۔''

آیت ۱۲۵ ﴿فَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنۡ یَّہۡدِیَہٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ ۚ﴾ ''تو اللہ جس کسی کو ہدایت سے نوازنا چاہتا ہے اُس کے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔''

یہ ایک غور طلب معنوی حقیقت ہے۔ ''شرحِ صدر'' اللہ کی وہ نعمت اور خاص عنایت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانشراح کی پہلی آیت میں حضور ﷺ کے لیے ایک بہت بڑے احسان کے طور پر کیا ہے: ﴿اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَکَ صَدۡرَکَ ۙ﴿۱﴾﴾۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اس شرحِ صدر کے لیے دعا کرنی چاہیے: اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا نَوِّرْ قُلُوْبَنَا

بِالْاِیْمَانِ وَاشْرَحْ صُدُوْرَنَا لِلْاِسْلَامِ ''اے اللہ! اے ہمارے ربّ! تو ہمارے دلوں کو نورِ ایمان سے منور فرما دے اور ہمارے سینوں کو اسلام کے لیے کھول دے''۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ایسی باطنی بصیرت مانگنی چاہیے جس کی وجہ سے اسلام کی ہر چیز ہمیں درست نظر آئے۔ جب ایک بندۂ مؤمن میں ایسی بصیرت پیدا ہو جاتی ہے تو ہر قدم اور ہر موڑ پر اُس کو اپنے اندر سے ایک آواز سنائی دیتی ہے جو اُس کے ہر عمل پر اس کی تائید کرتی ہے۔ یہ انسان کی ایسی اندرونی کیفیت ہے جس میں اس کی فطرتِ سلیمہ اور نیکی کے جذبے کی آپس میں خوشگوار مطابقت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اسے دین کے کسی حکم سے کسی قسم کی کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ بقولِ غالب:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے!

﴿وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ﴾ ''اور جس کو وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے اُس کے سینے کو بالکل تنگ کر دیتا ہے' گھٹا ہوا (وہ ایسے محسوس کرتا ہے) گویا اُسے آسمان میں چڑھنا پڑ رہا ہے۔''

جیسے اونچائی پر چڑھتے ہوئے انسان کی سانس پھول جاتی ہے اور اسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا دل شاید دھڑک دھڑک کر باہر ہی نکل آئے گا' ایسے ہی اگر اللہ کی طرف سے انسان کو ہدایت کی توفیق عطا نہ ہوئی ہو تو اس کے لیے راہِ حق پر چلنا دنیا کا مشکل ترین کام بن جاتا ہے۔ اگر کہیں ذرا سی آزمائش آ جائے تو گویا اس کے لیے قیامت ٹوٹ پڑتی ہے اور ایک ایک قدم اٹھانا دوبھر ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ شخص جس کو اللہ نے شرح صدر کی نعمت سے نوازا ہو اس کے لیے نہ صرف حق کو قبول کرنا آسان ہوتا ہے بلکہ اس راہ کی ہر تکلیف اور ہر مشکل کو وہ شوق اور خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔

﴿كَذٰلِكَ یَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾﴾ ''اس طرح اللہ ناپاکی مسلّط کر دیتا ہے ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔''

آیت ۱۲۶ ﴿وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِیْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾﴾ ''اور یہ ہے تیرے رب کا سیدھا راستہ۔ ہم نے اپنی آیات خوب تفصیل سے بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو نصیحت حاصل کرنا چاہیں۔''

آیت ۱۲۷ ﴿لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِیُّهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾﴾ ''اُن کے لیے سلامتی والا گھر ہے اُن کے رب کے پاس اور وہی ان کا مددگار (دوست) ہے' بسبب ان کے (نیک) اعمال کے۔''

''دار السلام'' جنت کا دوسرا نام ہے۔ جن لوگوں نے اپنی محنتوں' قربانیوں' مشقتوں اور اپنے ایثار کے سبب اللہ کی دوستی کمائی ہے وہ ہمیشہ کے لیے دار السلام کے مستحق ٹھہریں گے۔

آیت ۱۲۸ ﴿وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ۚ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ﴾ ''اور جس دن

وہ جمع کرے گا اُن سب کو (اور فرمائے گا) اے جنّوں کی جماعت! واقعتاً تم نے تو انسانوں میں سے بہتوں کو ہتھیا لیا۔"

وہ جو تمہارے بڑے جن عزازیل نے کہا تھا: ﴿وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ⑰﴾ (الاعراف) "اور تُو ان کی اکثریت کو شکر کرنے والا نہیں پائے گا"۔ تو تم نے تو واقعی بہت سے انسانوں کو ہتھیا لیا ہے۔ یہ گویا ایک طرح کی شاباش ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں دی جائے گی۔

﴿وَقَالَ اَوْلِيٰٓـؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ﴾ "اور انسانوں میں سے جو ان کے ساتھی ہوں گے وہ کہیں گے"

اس پر جنوں کے ساتھی انسانوں کی غیرت ذرا جاگے گی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہہ دیا ہے کہ جنّات نے ہمیں ہتھیا لیا ہے' شکار کر لیا ہے۔ اس پر وہ بول اٹھیں گے:

﴿رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ﴾ "اے ہمارے پروردگار! ہم آپس میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے رہے"

ہم ان سے اپنے کام نکلواتے رہے اور یہ ہم سے مفادات حاصل کرتے رہے۔ ہم نے جنّات کو اپنا موکّل بنایا' ان کے ذریعے سے اپنی کہانت کی دکانیں چمکائیں۔

﴿وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ﴾ "اور اب ہم اپنی اس مدت کو پہنچ چکے جو تُو نے ہمارے لیے مقرر کر دی تھی۔"

﴿قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ﴾ "اللہ فرمائے گا: اب آگ ہے تمہارا ٹھکانہ' تم اس میں ہمیشہ ہمیش رہو گے' سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔"

﴿اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ⑫⑧﴾ "یقیناً آپ کا ربّ حکیم اور علیم ہے۔"

آیت ۱۲۹ ﴿وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا ۢبِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ⑫⑨﴾ "اور اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنا دیتے ہیں اُن کے کرتوتوں کی وجہ سے۔"

آیت ۱۳۰ ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ﴾ "اے جنّوں اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس نہیں آ گئے تھے رسول تم ہی میں سے' جو سناتے تھے تمہیں میری آیات"

اب چونکہ یہ بات جن وانس دونوں کو جمع کر کے کہی جا رہی ہے تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو انسانوں میں سے رسول ہیں وہی جنّات کے لیے بھی رسول ہیں۔

﴿وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا﴾ "اور وہ تمہیں خبردار کرتے تھے تمہارے اس دن کی ملاقات سے! وہ کہیں گے کہ ہم گواہ ہیں اپنی جانوں پر"

یہاں پر عَلٰی کے معنی مخالف گواہی کے ہیں۔ یعنی ہم اپنی جانوں کے خلاف خود گواہ ہیں۔

﴿وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ﴿١٣٠﴾﴾ ''اور انہیں دھوکے میں ڈالے رکھا دُنیوی زندگی نے' اور وہ خود گواہی دیں گے اپنے خلاف کہ وہ یقیناً کفر کی روش پر چلتے رہے تھے۔''

قرآن مجید کی مختلف آیات میں میدانِ حشر کے حوالے سے مختلف مکالمات آئے ہیں۔ مثلاً یہاں تو بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے خلاف خود گواہی دیں گے کہ بے شک ہم کفر کرتے رہے ہیں۔ مگر اسی سورۃ میں پیچھے ہم نے پڑھا ہے: ﴿ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴿٢٣﴾﴾ ''اُس وقت اُن کی کوئی چال نہیں چل سکے گی سوائے اس کے کہ وہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم تو مشرک نہیں تھے''۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ میدانِ حشر میں بہت سے مراحل ہوں گے اور بے شمار گروہ مواخذے کے لیے پیش ہوں گے۔ یہ مختلف مراحل میں' مختلف مواقع پر' مختلف جماعتوں اور گروہوں کے ساتھ ہونے والے مختلف مکالمات نقل ہوئے ہیں۔

آیت ۱۳۱ ﴿ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ﴿١٣١﴾﴾ ''یہ اس لیے کہ آپ کے ربّ کی یہ سنت نہیں ہے کہ وہ بستیوں کو برباد کردے ظلم کے ساتھ جب کہ اس کے رہنے والے بے خبر ہوں۔''

اللہ تعالیٰ کی اس سنت کے مطابق گمراہ قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجا جاتا تھا۔ اللہ کے رسول اپنی قوموں میں رہ کر انذار' تذکیر اور تبشیر کا فرض ادا کرتے۔ پھر بھی اگر کوئی قوم قبولِ حق سے انکار کرتی تو وہ اللہ کے عذاب کی گرفت میں آجاتی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اچانک کسی بستی یا قوم پر عذاب ٹوٹ پڑا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں یہ قاعدہ' کلیہ اس طرح بیان فرمایا ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴿١٥﴾﴾ یعنی وہ عذابِ استیصال جس سے کسی قوم کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے اور اسے تباہ کر کے نسیاً منسیا کر دیا جاتا ہے' وہ کسی رسول کی بعثت کے بغیر نہیں بھیجا جاتا' بلکہ رسول آکر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا بالکل مبرہن کر دیتا ہے۔ اس کے باوجود بھی جو لوگ کفر پر اڑے رہتے ہیں انہیں تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔

آیت ۱۳۲ ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ﴾ ''اور ہر ایک کے لیے درجات ہیں اُن کے عمل کے اعتبار سے۔''

ظاہر بات ہے کہ سب نیکوکار بھی ایک جیسے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی سب بدکار ایک جیسے ہو سکتے ہیں' بلکہ اعمال کے لحاظ سے مختلف افراد کے مختلف مقامات اور مراتب ہوتے ہیں۔

﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ﴿١٣٢﴾﴾ ''اور آپ کا رب بے خبر نہیں ہے اُس سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔''

آیت ۱۳۳ ﴿وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ﴾ ''اور آپ کا رب تو غنی ہے' رحمت والا ہے۔''

کسی کو عذاب دے کر اُسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور کسی کی بندگی اور اطاعت سے اُس کا کوئی رُکا ہوا کام چل نہیں پڑتا۔ وہ ان سب چیزوں سے بے نیاز ہے۔

﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ﴾ ’’اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے (ختم کر دے) اور تمہارے بعد جن لوگوں کو چاہے لے آئے‘‘

وہ اس پر قادر ہے کہ ایک نئی مخلوق کو تمہارا جانشین بنا دے‘ یعنی کوئی نئی species لے آئے۔ اللہ کا اختیار مطلق ہے‘ وہ چاہے تو ایک نئی نسل آدم پیدا کر دے۔

﴿كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝١٣٣﴾ ’’جس طرح اُس نے تمہیں اٹھایا ہے کسی اور قوم کی نسل میں سے۔‘‘

جیسے قومِ عاد عرب کی بڑی زبردست اور طاقتور قوم تھی‘ لیکن کفر و سرکشی کے باعث اسے تباہ کر دیا گیا۔ صرف حضرت ہود علیہ السلام اور آپؑ کے کچھ اہلِ ایمان ساتھی عذاب سے محفوظ رہے جو وہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے۔ ان لوگوں کی اولاد سے بعد میں قومِ ثمود وجود میں آئی۔ پھر قومِ ثمود کو بھی ہلاک کر دیا گیا اور اُن میں سے بچ رہنے والے اہلِ ایمان سے نوعِ انسانی کی آگے نسل چلی اور مختلف علاقوں میں مختلف قومیں آباد ہوئیں۔ چنانچہ جیسے تمہیں اللہ نے اٹھایا ہے کسی دوسری قوم کی نسل سے‘ اسی طریقے سے وہ تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئے گا۔

آیت ۱۳۴ ﴿اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝١٣٤﴾ ’’یقیناً جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے (یا دھمکی دی جا رہی ہے) وہ آ کر رہے گی‘ اور تم عاجز کر دینے والے نہیں ہو۔‘‘

تم اپنی سازشوں سے اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے‘ اور نہ ہی تم اُس کے قابو سے باہر جا سکتے ہو۔ اللہ کے تمام وعدے پورے ہو کر رہیں گے۔

آیت ۱۳۵ ﴿قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ﴾ ’’کہہ دیجیے: اے میری قوم کے لوگو! کر لو جو کچھ کر سکتے ہو اپنی جگہ پر‘ میں بھی کر رہا ہوں (جو مجھے کرنا ہے)۔‘‘

یہ گویا چیلنج کرنے کا انداز ہے کہ مجھے تم لوگوں کو دعوت دیتے ہوئے بارہ برس ہو گئے ہیں۔ تم نے اس دعوت کو ناکام کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے‘ ہر ہر طرح سے مجھے ستایا ہے‘ تین سال تک شعبِ بنی ہاشم میں محصور رکھا ہے‘ میرے ساتھیوں پر تم لوگوں نے تشدد کا ہر ممکن حربہ آزمایا ہے۔ غرض تم میرے خلاف جو کچھ کر سکتے تھے کرتے رہے ہو‘ ابھی مزید بھی جو کچھ تم کر سکتے ہو کر لو‘ جو میرا فرضِ منصبی ہے وہ میں ادا کرتا رہوں گا۔

﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝١٣٥﴾ ’’تو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کے لیے ہے عاقبت کا گھر۔ یقیناً ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔‘‘

عاقبت کی دائمی کامیابی کس کے لیے ہے؟ کس کے لیے وہاں جنت ہے‘ روح و ریحان ہے اور کس کے لیے دوزخ کا عذاب ہے؟ یہ عنقریب تم لوگوں کو معلوم ہو جائے گا۔

آیت ۱۳۶ ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا﴾ ’’اور انہوں نے اللہ کے لیے رکھا ہے خود اُسی کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں سے ایک حصہ‘‘

ایک بڑے خدا کو مان کر چھوٹے خداؤں کو اس کی الوہیت میں شریک کر دینا ہی دراصل شرک ہے۔ اس میں بڑے خدا کا انکار نہیں ہوتا۔ جیسے ہندوؤں میں ''مہا دیو'' تو ایک ہی ہے جب کہ چھوٹی سطح پر دیوی دیوتا بے شمار ہیں۔ اسی طرح انگریزی میں بھی بڑے G سے لکھے جانے والا God ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ وہ Omnipotent ہے' Omniscient ہے' Omnipresent ہے' وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے' وہ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ہے' وہ ہر جگہ موجود ہے۔ یہ اس کی صفات ہیں' یہ اس کے Attributes ہیں۔ لہٰذا اس کے لیے تو G بڑا (capital) ہی آئے گا' لیکن چھوٹے g سے لکھے جانے والے gods اور goddesses بے شمار ہیں۔ اسی طرح اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ اللہ تو ایک ہی ہے' کائنات کا خالق بھی وہی ہے' لیکن دیویوں اور دیوتاؤں کا بھی اُس کی خدائی میں کچھ دخل اور اختیار ہے' یہ اللہ کے ہاں سفارش کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات میں سے کچھ حصہ ان کو بھی سونپ رکھا ہے' لہٰذا اگر ان کی کوئی ڈنڈوت کی جائے' انہیں نذرانے دے کر خوش رکھا جائے' تو اس سے ہمارے دنیوی کام بہتر انداز میں چلتے رہتے ہیں۔

اہلِ عرب کے معروف ذرائع معاش دو ہی تھے۔ وہ بکریاں پالتے تھے یا کھیتی باڑی کرتے تھے۔ اپنے عقیدے کے مطابق ان کا طریقہ یہ تھا کہ مویشیوں اور فصل میں سے ایک حصہ وہ اللہ کے نام پر صدقہ کرتے تھے' جب کہ ایک حصہ الگ کر کے بُتوں کے نام پر دیتے تھے۔ یہاں تک تو وہ اپنے تئیں انصاف سے کام لیتے تھے کہ کھیتیوں کی پیداوار اور مال مویشیوں میں سے اللہ کے لیے بھی حصہ نکال لیا اور اپنے چھوٹے خداؤں کے لیے بھی۔ اس کے بعد کیا تماشا ہوتا تھا اس کا ذکر آگے آ رہا ہے:

﴿فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ﴾ ''پھر کہتے ہیں اپنے خیال سے کہ یہ تو ہے اللہ کے لیے اور یہ ہے ہمارے شریکوں کے لیے۔ تو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچ سکتا' اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا ہے۔''

اب اگر کہیں کسی وقت کوئی دقت آ گئی' کوئی ضرورت پڑ گئی تو اللہ کے حصے میں سے کچھ نکال کر کام چلا لیتے تھے مگر اپنے بُتوں کے حصے کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ گویا بُت تو ہر وقت ان کے سروں پر کھڑے ہوتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ بُت ناراض ہو گئے تو فوراً ان کی شامت آ جائے گی' لیکن اللہ تو (معاذ اللہ) ذرا دور تھا' اس لیے اس کے حصے کو اپنے استعمال میں لایا جا سکتا تھا۔ ان کی اس سوچ کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ہمارے ہاں دیہات میں ایک عام کسان پٹواری کو ڈی سی کے مقابلے میں زیادہ اہم سمجھتا ہے۔ اس لیے کہ پٹواری سے اسے براہِ راست سابقہ پڑتا ہے' جب کہ ڈی سی کی حیثیت کا اُسے کچھ اندازہ نہیں ہوتا۔ بہر حال یہ تھی وہ صورتِ حال جس میں ان کے شریکوں کے لیے مختص کیا گیا حصہ اللہ کو نہیں پہنچ سکتا تھا' جب کہ اللہ کا حصہ ان کے شریکوں تک پہنچ جاتا تھا۔

﴿سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿١٣٦﴾﴾ ''کیا ہی بُرا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں۔''

آیت ۱۳۷ ﴿وَ كَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ﴾ ''اور اسی طرح مزین کر دیا ہے بہت سے مشرکین کے لیے ان کے شرکاء نے اپنی اولاد کو قتل کرنا''

اس میں اشارہ ہے مشرکین کے اُن اعتقادات کی طرف جن کے تحت وہ اپنے بچوں کو جنّوں یا مختلف بُتوں کے نام پر قربان کر دیتے تھے۔ آج بھی ہندوستان میں اس طرح کے واقعات سننے میں آتے ہیں کہ کسی نے اپنے بچے کو دیوی کی بھینٹ چڑھا دیا۔

﴿لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ﴾ ''تا کہ وہ انہیں برباد کریں اور ان کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں۔''

﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ سب کچھ نہ کر سکتے' تو چھوڑ دیجیے ان کو بھی اور اس کو بھی جو یہ افترا پردازی کر رہے ہیں۔''

دین کو مشتبہ کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایسے عقائد اور ایسی چیزیں بھی دین میں شامل کر دی جائیں جن کا دین سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ قتل اولاد بھی اس کی مثال ہے۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ وہ دین اور مذہب کے نام پر ہی کرتے تھے۔ فرمایا کہ انہیں چھوڑ دیں وہ اپنی افترا پردازیوں میں لگے رہیں۔

آیت ۱۳۸ ﴿وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ یہ جانور اور یہ کھیتی ممنوع ہیں' ان کو نہیں کھا سکتے مگر وہی جن کے بارے میں ہم چاہیں' اپنے گمان کے مطابق''

یعنی یہ ساری خود ساختہ پابندیاں وہ بزعم خویش درست سمجھتے تھے۔

﴿وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ﴾ ''اور کچھ چوپائے ہیں جن کی پیٹھیں حرام ٹھہرائی گئی ہیں' اور کچھ چوپائے ہیں جن پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے' یہ سب کچھ جھوٹ گھڑتے ہیں اُس پر۔''

یعنی اپنے مشرکانہ توہمات کے تحت بعض جانوروں کو سواری اور بار برداری کے لیے ممنوع قرار دیتے تھے اور کچھ حیوانات کے بارے میں طے کر لیتے تھے کہ ان کو جب ذبح کرنا ہے تو اللہ کا نام ہرگز نہیں لینا۔ واضح رہے کہ اس سے پہلے آیت ۱۲۱ میں جو حکم آیا تھا کہ مت کھاؤ اس چیز کو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے وہ دراصل ان کے اس عقیدے اور رسم کے بارے میں تھا' وہ عام حکم نہیں تھا۔

﴿سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾﴾ ''اللہ عنقریب انہیں سزا دے گا ان کے اس افترا کی۔''

یہ جھوٹی چیزیں جو انہوں نے اللہ کے بارے میں گھڑ لی ہیں' اللہ ضرور انہیں اس جھوٹ کی سزا دے گا۔

آیت ۱۳۹ ﴿وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں جو کچھ ان چوپایوں کے پیٹوں میں ہے وہ خاص ہمارے مَردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر وہ حرام ہے۔''

یعنی حاملہ مادہ جانور (اونٹنی یا بکری وغیرہ) کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس کا گوشت صرف مردوں کے لیے ہوگا، عورتوں کے لیے اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔

﴿وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ١٣٩﴾ ''اور اگر وہ مُردہ ہو تو پھر وہ سب اس میں حصہ دار ہوں گے۔ اللہ عنقریب انہیں سزا دے گا ان کی ان باتوں کی جو انہوں نے گھڑ لی ہیں۔ وہ یقیناً حکیم اور علیم ہے۔''

ان ساری رسموں اور خود ساختہ عقائد کے بارے میں وہ دعویٰ کرتے تھے کہ یہ ہماری شریعت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلی آ رہی ہے اور ہمارے آباء و اجداد بھی اسی پر عمل کرتے تھے۔

آیت ۱۴۰ ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَاۗءً عَلَي اللّٰهِ ۭ﴾ ''یقیناً نامراد ہوئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا بے وقوفی سے' بغیر علم کے' اور انہوں نے حرام کر لیا (اپنے اوپر) وہ رزق جو اللہ نے انہیں دیا تھا اللہ پر افترا کرتے ہوئے۔''

یعنی ان ساری غلط رسومات کو وہ لوگ اللہ سے منسوب کرتے تھے۔ دوسری طرف وہ بُتوں کے نام پر قربانیاں دیتے اور استھانوں پر نذرانے بھی چڑھاتے تھے۔ اسی طرح کے نذرانے وہ اللہ کے نام پر بھی دیتے تھے۔ یہ سارے معاملات ان کے ہاں اللہ تعالیٰ اور بُتوں کے لیے مشترکہ طور پر چل رہے تھے۔ اس طرح انہوں نے سارا دین مشتبہ اور گڈمڈ کر دیا تھا۔

﴿قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ١٤٠﴾ ''وہ گمراہ ہو چکے ہیں اور اب ہدایت پر آنے والے نہیں ہیں۔''

آیات ۱۴۱ تا ۱۴۴

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ
وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ
حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ١٤١ۙ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا
مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ١٤٢ۙ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ
مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا
اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّـــُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ١٤٣ۙ وَمِنَ الْاِبِلِ
اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ
اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي
عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ١٤٤ۧ ع

آیت ۱۴۱ ﴿وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّغَیۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ﴾ ''اور وہی ہے (اللہ) جس نے پیدا کیے باغات وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو نہیں چڑھائے جاتے''

''معروشات'' کے زمرے میں بیل نما پودے آتے ہیں' جن کا ایسا تنا نہیں ہوتا جس پر وہ خود کھڑے ہوسکیں۔ اس لیے ایسے پودوں کو سہارا دے کر کھڑا کرنا پڑتا ہے' جیسے انگور وغیرہ کی بیل۔ دوسری طرف ''غیر معروشات'' میں عام درخت شامل ہیں جو خود اپنے مضبوط تنے پر کھڑے ہوتے ہیں' جیسے انار یا آم کا درخت ہے۔

﴿وَّالنَّخۡلَ وَالزَّرۡعَ مُخۡتَلِفًا اُکُلُہٗ وَالزَّیۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِہًا وَّغَیۡرَ مُتَشَابِہٍ ؕ﴾ ''اور کھجور اور کھیتی' جس کے ذائقے مختلف ہیں' اور زیتون اور انار' ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی اور مختلف بھی۔''

یہ اللہ تعالیٰ کی صناعی کی مثالیں ہیں کہ اُس نے مختلف النوع درخت' کھیتیاں اور پھل پیدا کیے' جو آپس میں ملتے جلتے بھی ہیں اور مختلف بھی۔ جیسے Citrus Family کے پھلوں میں کینو' فروٹر' مالٹا وغیرہ شامل ہیں۔ بنیادی طور پر یہ سب پھل ایک ہی قسم یا خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور شکل' ذائقہ وغیرہ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہونے کے باوجود سب کی اپنی اپنی الگ پہچان ہے۔

﴿کُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِہٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَاٰتُوۡا حَقَّہٗ یَوۡمَ حَصَادِہٖ﴾ ''کھایا کرو ان کے پھلوں میں سے جبکہ وہ پھل دیں اور اللہ کا حق ادا کرو ان کے کاٹنے (اور توڑنے) کے دن''

یعنی جیسے زمین کی پیداوار میں سے عُشر کا ادا کرنا فرض ہے' ایسے ہی ان پھلوں پر بھی زکوٰۃ دینے کا حکم ہے۔ لہٰذا کھیتی اور پھلوں کی پیدوار میں سے اللہ تعالیٰ کا حق نکال دیا کرو۔

﴿وَلَا تُسۡرِفُوۡا ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾﴾ ''اور بے جا خرچ نہ کرو' یقیناً اللہ کو بے جا خرچ کرنے والے پسند نہیں ہیں۔''

آیت ۱۴۲ ﴿وَمِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَۃً وَّفَرۡشًا ؕ﴾ ''اور چوپایوں میں سے (اُس نے پیدا کیے ہیں) کچھ بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین سے لگے ہوئے۔''

حَمُوۡلَۃً وہ جانور ہیں جو قد کاٹھ اور ڈیل ڈول میں بڑے بڑے ہیں اور جن سے بار برداری کا کام لیا جاسکتا ہے' مثلاً گھوڑا' خچر' اونٹ وغیرہ۔ ان کے برعکس کچھ ایسے جانور ہیں جو اس طرح کی خدمت کے اہل نہیں ہیں۔ ایسے جانوروں کو چھوٹی جسامت کی وجہ سے استعارۃً فرش (زمین) سے منسوب کیا گیا ہے' گویا وہ زمین سے لگے ہوئے ہیں' مثلاً بھیڑ' بکری وغیرہ۔ یہ ہر طرح کے جانور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیدا کیے ہیں۔

﴿کُلُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۴۲﴾﴾ ''کھاؤ اُس میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو' یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

آیت ۱۴۳ ﴿ثَمٰنِیَۃَ اَزۡوَاجٍ ۚ﴾ ''یہ آٹھ قسم کے چوپائے ہیں (جو تمہارے ہاں عام طور پر پائے جاتے ہیں)۔''

﴿مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ﴾ ”بھیڑ میں سے دو (نر اور مادہ) اور بکری میں سے دو (نر اور مادہ)۔“

﴿قُلْ ءَآلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ ”(اے نبی ﷺ) ان سے پوچھئے کہ اللہ نے ان دونوں مذکروں کو حرام کیا ہے یا دونوں مؤنثوں کو؟ یا جو کچھ ان دونوں مؤنثوں کے رحموں میں ہے (اسے حرام کیا ہے)؟“

یہ اس بات کا جواب ہے جو انہوں نے حاملہ ماداؤں کے بارے میں کہی تھی کہ ان کے پیٹوں میں جو بچے ہیں ان کا گوشت صرف مرد ہی کھا سکتے ہیں، جب کہ عورتوں پر یہ حرام ہے۔ ہاں اگر مرا ہوا بچہ پیدا ہو تو اس کا گوشت مَردوں کے ساتھ عورتیں بھی کھا سکتی ہیں۔ ان کے اس عقیدے کا ذکر قبل ازیں آیت ۱۳۹ میں آ چکا ہے۔

غور طلب نکتہ ہے کہ کسی حلال جانور (مادہ) کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس میں حرمت آخر کہاں سے آئی؟ اللہ نے ان میں سے کس کو حرام کیا ہے؟ نر کو، مادہ کو، یا بچے کو؟ پھر یہ کہ اگر کوئی شے حرام ہے تو سب کے لیے ہے اور اگر حرام نہیں ہے تو کسی کے لیے بھی نہیں ہے۔ یہ تم نے جو نئے نئے قوانین بنا لیے ہیں وہ کہاں سے لے آئے ہو؟

﴿نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۱۴۳﴾ ”مجھے بتاؤ کسی بھی سند کے ساتھ اگر تم سچے ہو۔“

آیت ۱۴۴ ﴿وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ ءَآلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ ”اور (اسی طرح) اونٹ میں سے دو (نر اور مادہ)، اور گائے میں سے دو (نر اور مادہ)۔ ان سے پوچھئے کیا اُس نے ان دونوں نَروں کو حرام کیا ہے یا دونوں ماداؤں کو؟ یا جو کچھ ان ماداؤں کے رحموں میں ہے (اسے حرام کیا ہے)؟“

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا﴾ ”کیا تم موجود تھے جب اللہ نے تمہیں یہ نصیحتیں کیں؟“

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ”تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے بغیر کسی علم کے۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۱۴۴﴾ ”یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو راہ یاب نہیں کرے گا۔“

آیات ۱۴۵ تا ۱۵۰

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱۴۵ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۱۴۶ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ

ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ
شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا
الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا
فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع ۱۸/۶/۵

آیت ۱۴۵ ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ﴾ ''کہہ دیجیے میں تو نہیں پاتا اس (قرآن) میں جو میری طرف وحی کیا گیا ہے' کوئی چیز حرام کسی کھانے والے پر کہ وہ اسے کھاتا ہو''

یہاں پھر سے وضاحت کی جا رہی ہے کہ شریعت میں کن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے۔

﴿اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً﴾ ''سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو''

اس مردار کی قسمیں (الْمُنْخَنِقَةُ ، الْمَوْقُوْذَةُ ، الْمُتَرَدِّيَةُ) اور تفصیل سورۃ المائدۃ کی آیت ۳ میں ہم پڑھ چکے ہیں۔ یعنی جانور کسی بھی طرح سے مر گیا ہو وہ مردار کے زمرے میں شمار ہوگا۔ لیکن اگر مرنے سے پہلے اسے ذبح کر لیا جائے اور ذبح کرنے سے اس کے جسم سے خون نکل جائے تو اس کا کھانا جائز ہوگا۔

﴿اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ ''یا خون ہو بہتا ہوا''

واضح رہے کہ اس حرمت کا اطلاق اس خون پر نہیں ہوتا جو مذبوح جانور کے جسم کے سکیڑ اور کھچاؤ (rigormortis) کی انتہائی کیفیت کے باوجود بھی کسی نہ کسی مقدار میں گوشت کے اندر رہ جاتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ تلی کے خون کا بھی ہے۔ لیکن جو خون بہایا جا سکتا ہو اور جو ذبح کرنے کے بعد جانور کے جسم سے نکل کر بہہ گیا ہو وہ خون حرام ہے۔

﴿اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ﴾ ''یا خنزیر کا گوشت کہ وہ تو ہے ہی ناپاک' یا کوئی ناجائز (گناہ کی) شے' جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔''

یعنی سور کے گوشت کی وجہ حرمت تو یہ ہے کہ وہ اصلاً ناپاک ہے۔ اس کے علاوہ کچھ چیزوں کی حرمت حکمی ہے' جو فسق (اللہ کی نافرمانی) کے سبب لازم آتی ہے۔ چنانچہ ﴿اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ﴾ اسی وجہ سے حرام قرار پایا' یعنی وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اس حکم میں وہ قربانی بھی شامل ہے جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے تقرب کی نیت سے دی گئی ہو۔ مثلاً ایسا جانور جو کسی قبر یا کسی خاص استھان پر جا کر ذبح کیا جائے' اگرچہ اسے ذبح کرتے وقت اللہ ہی کا نام لیا جاتا ہے مگر دل کے اندر کسی غیر اللہ کے تقرب کی خواہش کا چور موجود ہوتا ہے۔

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾﴾ ''لیکن (ان صورتوں میں بھی

اگر) کوئی مجبور ہو جائے‘ نہ تو اس کے اندر ان کی طلب ہو اور نہ حد سے بڑھے‘ تو یقیناً آپ کا رب بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔‘‘

کسی غیر معمولی صورتِ حال میں ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھا کر اگر جان بچائی جا سکے تو مشروط طور پر اس کی اجازت دی گئی ہے۔

آیت ۱۴۶ ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ﴾ ’’اور ہم نے ان پر جو یہودی ہوئے تھے حرام کر دیے تھے ایک ناخن (کُھر) والے تمام جانور۔‘‘

کچھ جانوروں کے پاؤں پھٹے ہوئے ہوتے ہیں‘ جیسے گائے‘ بکری وغیرہ‘ جب کہ کچھ جانوروں کا ایک ہی پاؤں (کُھر) ہوتا ہے۔ ایسے ایک کھر والے جانور مثلاً گھوڑا‘ گدھا وغیرہ یہودیوں پر حرام کر دیے گئے تھے۔ جیسا کہ ہم پڑھ آئے ہیں‘ یہودیوں پر جو چیزیں حرام کی گئیں تھیں‘ ان میں سے بعض تو اصلاً حرام تھیں مگر کچھ چیزیں ان کی شرارتوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے بطور سزا ان کے لیے حرام کر دی گئی تھیں۔

﴿وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ﴾ ’’اور گائے اور بکری (وغیرہ) میں سے ہم نے حرام کر دی تھی اُن پر ان کی چربی سوائے اس کے کہ جو ان کی پیٹھ یا انتڑیوں یا ہڈیوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔‘‘

﴿ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ﴾ ’’یہ ہم نے انہیں سزا دی تھی ان کی سرکشی کی وجہ سے‘‘

یعنی مذکورہ جانوروں کی عام کھلی چربی ان کے لیے حرام کر دی گئی تھی۔ لیکن یہ حکم آسمانی شریعت کا مستقل حصہ نہیں تھا‘ بلکہ ان کی شرارتوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے یہ تنگی اُن پر بطور سزا کی گئی تھی۔

﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾﴾ ’’اور یقیناً ہم سچ کہنے والے ہیں۔‘‘

آیت ۱۴۷ ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ﴾ ’’تو اگر یہ لوگ آپؐ کو جھٹلا دیں تو کہہ دیجیے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے۔‘‘

یعنی یہ اللہ کی رحمت کا مظہر ہے کہ اس جرم کی پاداش میں وہ تمہیں فوراً نہیں پکڑ رہا اور نہ ہی فوراً معجزہ دکھا کر تمہاری مہلتِ عمل ختم کرنے جا رہا ہے‘ بلکہ اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ ابھی تمہیں مزید مہلت دی جائے۔

﴿وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾﴾ ’’اور اُس کا عذاب ٹالا نہیں جا سکے گا مجرموں کی قوم سے۔‘‘

جب اُس کی طرف سے گرفت ہوگی تو ﴿اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾﴾ (البروج) کے مصداق یقیناً بہت سخت ہوگی اور پھر کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اس گرفت کی سختی کو ٹال سکے۔

آیت ۱۴۸ ﴿سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَاۗؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ﴾ ’’عنقریب کہیں گے یہ مشرک لوگ کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے آباء و اجداد اور نہ

ہی ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔''

مشرکینِ مکہ اس طرح کے دلائل اکثر دیا کرتے تھے کہ آخر اللہ تو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے' اُس کا ہمارے ارادے اور عمل پر کُلّی اختیار ہے۔ تو اگر ہمارے عقائد غلط ہیں تو اللہ نے کیوں نہ ہمیں ایسے عقائد اختیار کرنے سے روک دیا۔ اس طرح کی کٹ حجتیاں کرنا انسان کی فطرت ہے۔

﴿كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ﴾ ''اسی طرح جھٹلایا تھا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھ لیا۔''

﴿قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ! آپ ان سے) کہیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی سند ہے جسے تم ہمارے سامنے پیش کر سکو؟ تم تو محض گمان کی پیروی کر رہے ہو اور صرف اندازوں اور اٹکل کی باتیں کرتے ہو۔''

آیت ۱۴۹ ﴿قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے کہ بس اللہ کے حق میں ثابت ہو چکی ہے پوری پوری پہنچ جانے والی حجت۔''

تمہاری اس کٹ حجتی کے مقابلے میں حقیقت تک پہنچی ہوئی حجت صرف اللہ کی ہے۔ اُس نے ہر طرح سے تم پر اِتمامِ حجت کر دیا ہے' تمہاری ہر نامعقول بات کو معقول طریقے سے رد کر دیا ہے' مختلف انداز سے تمہیں ہر بات سمجھا دی ہے۔ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا نام اسی آیت سے اخذ کیا ہے۔

﴿فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾﴾ ''پس اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت پر لے آتا۔''

اگر اللہ کے پیشِ نظر سب کو نیک بنانا ہی مقصود ہوتا تو آنِ واحد میں تم سب کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا نیک بنا دیتا' لیکن اس نے دُنیا کا یہ معاملہ عمل اور اختیار کے تحت رکھا ہے: ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (الملک:۲) ''اُس نے موت وحیات کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ تمہیں آزمائے اور جانچے کہ تم میں سے کون ہے جو نیک عمل اختیار کرتا ہے۔''

آیت ۱۵۰ ﴿قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ﴾ ''کہیے ذرا لاؤ تو سہی اپنے وہ گواہ جو یہ گواہی دے سکیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔''

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب یا علمی سند موجود ہے جسے تم اپنے موقف کے حق میں بطورِ گواہی پیش کر سکو؟ اگر اس طرح کی کوئی ٹھوس شہادت ہے تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔

﴿فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ﴾ ''پس اگر یہ لوگ (کٹ حجتی میں) گواہی دے بھی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی مت دیجیے۔''

﴿وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾﴾

''اور مت پیروی کیجیے ان لوگوں کی خواہشات کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے' اور وہی ہیں جو دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔''

اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت ﴿ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ۝﴾ کے الفاظ پر ختم ہوئی تھی اور اب یہ آیت بھی ﴿وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ۝﴾ کے الفاظ پر ختم ہوئی ہے۔ ان الفاظ کے تکرار میں گویا منکرینِ آخرت کی دیدہ دلیری کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ اتنا کچھ سننے کے باوجود بھی بدستور شرک پر ڈٹے ہوئے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں اللہ کے برابر کر دیتے ہیں۔ انہیں اللہ کے حضور حاضری کا کچھ بھی خوف محسوس نہیں ہو رہا۔

آیات ۱۵۱ تا ۱۵۴

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا
تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ
مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝١٥١ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ
وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا
وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝١٥٢ وَاَنَّ هٰذَا
صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ
وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝١٥٣ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ
وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝١٥٤ ع ١٩

آیت ۱۵۱ ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ ''کہیے: آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے ربّ نے تم پر کیا چیزیں حرام کی ہیں''

تم لوگ جب چاہتے ہو کسی بکری کو حرام قرار دے دیتے ہو' کبھی کسی اونٹ کو محترم ٹھہرا لیتے ہو' اور اس پر مستزاد یہ کہ اپنی ان خرافات کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہو۔ آؤ میں تمہیں واضح طور پر بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے اصل میں کن چیزوں کو محترم ٹھہرایا ہے' اور اس بارے میں اس نے کیا حدود و قیود مقرر کی ہیں۔ یہ مضمون سورۂ بنی اسرائیل میں زیادہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ وہاں ان احکام کی تفصیل میں پورے دو رکوع (تیسرا اور چوتھا) نازل ہوئے ہیں۔ ایک طرح سے انہی احکام کا خلاصہ یہاں اِن آیات میں بیان ہوا ہے۔ شریعت کے بنیادی احکام دراصل ضرورت اور حکمتِ الٰہی کے مطابق قرآن حکیم میں مختلف جگہوں پر مختلف انداز میں وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورۃ البقرۃ (دسویں رکوع) میں جہاں بنی اسرائیل سے میثاق لینے کا ذکر آیا ہے وہاں دین کے چند اساسی نکات بھی بیان ہوئے ہیں۔ پھر شرعی احکام کی کچھ تفصیل ہمیں سورۃ النساء میں ملتی ہے۔

اس کے بعد کچھ احکام یہاں اس سورۃ میں اور سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں آئے ہیں۔

﴿اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ﴾ ''یہ کہ کسی شے کو اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔''

یعنی سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ شرک کو حرام ٹھہرایا ہے اور دوسرے نمبر پر والدین کے حقوق میں کوتاہی حرام قرار دی ہے۔ قرآن حکیم میں یہ تیسرا مقام ہے جہاں حقوق اللہ کے فوراً بعد حقوقِ والدین کا تذکرہ آیا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ' آیت ۸۳ اور سورۃ النساء' آیت ۳۶ میں والدین کے حقوق کا ذکر اللہ تعالیٰ کے حقوق کے فوراً بعد کیا گیا ہے۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ﴾ ''اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو تنگ دستی کے خوف سے' ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)۔''

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ﴾ ''اور بے حیائی کے کاموں کے قریب بھی مت جاؤ' خواہ وہ ظاہر ہوں یا خفیہ۔''

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ﴾ ''اور مت قتل کرو اُس جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔''

بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ نے ہر انسانی جان کو محترم ٹھہرایا ہے۔ لہٰذا کسی اصول' حق اور قانون کے تحت ہی انسانی جان کا قتل ہوسکتا ہے۔ قتلِ عمد کے بدلے میں قتل' قتلِ مرتد' مسلمان زانی یا زانیہ (اگر شادی شدہ ہوں) کا قتل' حربی کافر وغیرہ کا قتل۔ یہ انسانی قتل کی چند جائز اور قانونی صورتیں ہیں۔

﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥١﴾﴾ ''یہ باتیں ہیں جن کی اللہ تمہیں وصیت کر رہا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔''

آیت ۱۵۲ ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ﴾ ''اور یتیم کے مال کے قریب مت پھٹکو' مگر بہترین طریقے سے (اس کے مال کی حفاظت کرو) یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔''

یتیم کے مال کو ہڑپ کرنا یا اپنا ردّی مال اس کے مال میں ملا کر اس کے اچھے مال پر قبضہ کرنے کا حیلہ کرنا بھی حرام ہے۔ بنیادی طور پر تو یہ مکی دور کے احکام ہیں' لیکن یتیموں کے حقوق کی اہمیت کے پیش نظر مدنی سورتوں میں بھی اس بارے میں احکام آئے ہیں' مثلاً سورۃ البقرۃ' آیت ۲۲۰ اور سورۃ النساء' آیت ۲ میں بھی یتیموں کے اموال کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے' جو اس سے قبل ہم پڑھ چکے ہیں۔

﴿وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ﴾ ''اور پورا کرو ناپ اور تول کو عدل کے ساتھ۔ ہم نہیں ذمہ دار ٹھہرائیں گے کسی بھی جان کو مگر اُس کی وسعت کے مطابق۔''

یعنی بغیر کسی ارادے کے اگر کوئی کمی بیشی ہو جائے تو اس پر گرفت نہیں۔ جیسے دعا کے لیے ہمیں یہ کلمات سکھائے گئے ہیں: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ﴾ (البقرۃ:۲۸۶) ''اے ہمارے ربّ! اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا ہو جائے تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا''۔ لیکن اگر جان بوجھ کر ذرا سی بھی ڈنڈی ماری تو وہ قابل گرفت ہے۔ اس لیے کہ عمداً معصیت کا ارتکاب کرنا درحقیقت اس بات کا ثبوت ہے کہ یا تو تمہیں آخرت کا یقین نہیں ہے یا پھر یہ یقین نہیں ہے کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ گویا عمداً ذرا سی منفی جنبش میں بھی ایمان کی نفی کا احتمال ہے۔

﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ﴾ ''اور جب بھی بات کرو تو عدل (کی بات) کرو‘ خواہ قرابت داری (کا معاملہ) ہو‘ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔''

تمہاری بات چیت کھری اور انصاف پر مبنی ہو۔ اس میں جانبداری نہیں ہونی چاہیے‘ چاہے قرابت داری ہی کا معاملہ کیوں نہ ہو۔ اسی طرح اللہ کے نام پر‘ اللہ کے حوالے سے یا اللہ کی قسم کھا کر جو بھی عہد کیا جائے اس کو بھی پورا کرو۔ جیسے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ایک بہت اہم عہد ہے جو ہم اللہ سے تکرار کے ساتھ کرتے ہیں۔ ہر انسان نے دنیا میں آنے سے پہلے بھی اللہ سے ایک عہد کیا تھا‘ جس کا ذکر سورۃ الاعراف (آیت ۱۷۲) میں ملتا ہے۔ اسی طرح روزمرہ کی زندگی میں بھی بہت سے عہد ہوتے ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہے۔

﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾﴾ ''یہ ہیں (وہ چیزیں) جن کا اللہ تمہیں حکم کر رہا ہے تاکہ تم نصیحت اخذ کرو۔''

یہ وہ چیزیں ہیں جو دین میں اہمیت کی حامل اور انسانی کردار کی عظمت کی علامت ہیں۔ درحقیقت یہ احکام انسانی تمدن اور اخلاقیات کی بنیادیں ہیں۔

آیت ۱۵۳ ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ﴾ ''اور یہ کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے‘ پس تم اس کی پیروی کرو۔''

دین کے اصل اصول تو وہ ہیں جو ہم نے بتائے ہیں۔ تمہارے خود ساختہ طور طریقے تو گویا ایسی پگڈنڈیاں ہیں جن کا صراطِ مستقیم سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ صراطِ مستقیم تو صرف وہ ہے جس پر ہمارا رسول ﷺ ہمارے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق چل رہا ہے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ﴾ ''اور (اس صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر) دوسرے راستوں پر نہ پڑ جاؤ کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا کر منتشر کر دیں گے۔''

یعنی اگر تم خود ساختہ مختلف پگڈنڈیوں پر چلنے کی کوشش کرو گے تو سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ گے۔ لہٰذا تم سب راستوں کو چھوڑ کر سواء السبیل پر قائم رہو۔

﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾﴾ ''یہ ہیں وہ باتیں جن کی اللہ تمہیں وصیت کر رہا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

آیت ۱۵۴ ﴿ثُمَّ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ وَ تَفۡصِیۡلًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّ هُدًی وَّ رَحۡمَةً﴾ ”پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اپنی نعمت پوری کرنے کے لیے احسان کی روش اختیار کرنے والے پر اور (اس میں تھی) ہر شے کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت“

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں جو احکام ہیں وہ تورات کے ”احکامِ عشرہ“ (Ten Commandments) کا ہی خلاصہ ہے۔

﴿لَّعَلَّهُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾﴾ ”تاکہ وہ اپنے رب کے حضور حاضری پر پورا یقین رکھیں۔“

آیات ۱۵۵ تا ۱۶۵

وَهٰذَا کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوۡهُ وَاتَّقُوۡا لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اُنۡزِلَ
الۡکِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِنَا ۪ وَاِنۡ کُنَّا عَنۡ دِرَاسَتِهِمۡ لَغٰفِلِیۡنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوۡ تَقُوۡلُوۡا لَوۡ اَنَّاۤ
اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا الۡکِتٰبُ لَکُنَّاۤ اَهۡدٰی مِنۡهُمۡ ۚ فَقَدۡ جَآءَکُمۡ بَیِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَهُدًی
وَّرَحۡمَةٌ ۚ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ کَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنۡهَا ؕ سَنَجۡزِی الَّذِیۡنَ
یَصۡدِفُوۡنَ عَنۡ اٰیٰتِنَا سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ بِمَا کَانُوۡا یَصۡدِفُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ
تَاۡتِیَهُمُ الۡمَلٰٓئِکَةُ اَوۡ یَاۡتِیَ رَبُّکَ اَوۡ یَاۡتِیَ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ ؕ یَوۡمَ یَاۡتِیۡ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا
یَنۡفَعُ نَفۡسًا اِیۡمَانُهَا لَمۡ تَکُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ اَوۡ کَسَبَتۡ فِیۡۤ اِیۡمَانِهَا خَیۡرًا ؕ قُلِ انۡتَظِرُوۡۤا
اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَکَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ ؕ اِنَّمَاۤ
اَمۡرُهُمۡ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا ۚ
وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَهَا وَهُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلۡ اِنَّنِیۡ هَدٰىنِیۡ رَبِّیۡۤ اِلٰی
صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۬ۚ دِیۡنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ۚ وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلۡ اِنَّ
صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیۡکَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرۡتُ
وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلۡ اَغَیۡرَ اللّٰهِ اَبۡغِیۡ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ کُلِّ شَیۡءٍ ؕ وَلَا تَکۡسِبُ کُلُّ
نَفۡسٍ اِلَّا عَلَیۡهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمۡ مَّرۡجِعُکُمۡ فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا
کُنۡتُمۡ فِیۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ وَرَفَعَ بَعۡضَکُمۡ فَوۡقَ
بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبۡلُوَکُمۡ فِیۡ مَاۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیۡعُ الۡعِقَابِ ۫ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع ۲۰

آیت ۱۵۵ ﴿وَهٰذَا کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوۡهُ وَاتَّقُوۡا لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۵۵﴾﴾ ”اور (اب) یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے بڑی بابرکت‘ تو تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

آیت ۱۵۶ ﴿اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠﴾ ”مبادا تم یہ کہو کہ کتاب تو بس اُتاری گئی تھی ہم سے پہلے کے دو گروہوں پر“

یہ بالکل سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۹ والا انداز ہے۔ وہاں اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ﴾ ”مبادا تم یہ کہو کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر اور نذیر آیا ہی نہیں تھا“۔ اور اس احتمال کو رد کرنے کے لیے فرمایا گیا: ﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ۭ﴾ ”پس آ گیا ہے تمہارے پاس بشیر اور نذیر“۔ کہ ہم نے اپنے آخری رسول ﷺ کو بھیج دیا ہے آخری کتاب ہدایت دے کر تا کہ تمہارے اوپر حجت تمام ہو جائے۔ اب وہی بات یہاں مشرکین کو اس انداز میں کہی جا رہی ہے کہ ہم نے یہ کتاب اتار دی ہے جو سراپا خیر و برکت ہے‘ تا کہ تم روزِ قیامت یہ نہ کہہ سکو کہ اللہ کی طرف سے کتابیں تو یہودیوں اور عیسائیوں پر نازل ہوئی تھیں‘ ہمیں تو کوئی کتاب دی ہی نہیں گئی تھی‘ ہم سے مواخذہ کاہے کا؟

﴿وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۱۵۶﴾ ”اور ہم تو اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل ہی رہے۔“

اور وہاں یہ نہ کہہ سکو کہ تورات تو عبرانی زبان میں تھی‘ جب کہ ہماری زبان عربی تھی۔ آخر ہم اس کتاب کو کیسے سمجھتے؟ لہٰذا نہ تو ہم پر کوئی حجت ہے اور نہ ہی ہمارے محاسبے کا کوئی جواز ہے۔

آیت ۱۵۷ ﴿اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ﴾ ”یا تم یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی گئی ہوتی تو ہم ان سے کہیں بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے۔“

یعنی تم روزِ قیامت یہ دعویٰ لے کر نہ بیٹھ جاؤ کہ ان بے وقوفوں نے تو اللہ کی کتابوں (تورات اور انجیل) کی قدر ہی نہیں کی۔ ہمیں اللہ نے کتاب دی ہوتی تو پھر ہم بتاتے کہ کتابُ اللہ کی قدر کیسے کی جاتی ہے۔

﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ﴾ ”تو (اے بنی اسماعیل) تمہارے پاس آ گئی ہے بیّنہ تمہارے رب کی طرف سے‘ اور ہدایت اور رحمت۔“

یعنی تمہارے پاس اللہ کا رسول اُس کی کتاب لے کر آ چکا ہے جس میں واضح اور مستحکم احکام موجود ہیں۔ اس بَيِّنَة کی وضاحت سورۃ البیّنہ کی آیت ۲ اور ۳ میں اس طرح کی گئی ہے: ﴿رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۲ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۳﴾ ”اللہ کی طرف سے ایک رسول جو مقدس صحیفے پڑھ کر سناتا ہے‘ جن میں بالکل درست احکام ہیں۔“

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ﴾ ”تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور اُن سے پہلو تہی کرے۔“

﴿سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْۗءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۱۵۷﴾ ”ہم عنقریب سزا دیں گے ان لوگوں کو جو ہماری آیات سے پہلو تہی کرتے ہیں بہت ہی بُرے عذاب کی‘ بسبب اُن کے اس پہلو تہی کرنے کے۔“

آیت ۱۵۸ ﴿هَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ تَاۡتِیَهُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَوۡ یَاۡتِیَ رَبُّکَ اَوۡ یَاۡتِیَ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ ؕ﴾ ''یہ لوگ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوائے اس کے کہ ان کے پاس فرشتے آ جائیں' یا آپؐ کا رب خود آ جائے یا پھر آپؐ کے رب کی کوئی نشانی آ جائے!''

دراصل یہ ان واقعات یا علامات کا ذکر ہے جن کا ظہور قیامت کے دن ہونا ہے۔ جیسے سورۃ الفجر میں فرمایا: ﴿وَّجَآءَ رَبُّکَ وَالۡمَلَکُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِایۡٓءَ یَوۡمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۬ۙ یَوۡمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الۡاِنۡسَانُ وَاَنّٰی لَهُ الذِّکۡرٰی ﴿۲۳﴾﴾ ''قصۂ زمین برسرِ زمین'' کے مصداق روزِ محشر فیصلہ یہیں اسی زمین پر ہوگا۔ یہیں پر اللہ کا نزول ہوگا' یہیں پر فرشتے پرے باندھے کھڑے ہوں گے اور یہیں پر سارا حساب کتاب ہوگا۔ چنانچہ اس حوالے سے فرمایا گیا کہ کیا یہ لوگ اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب یہ سب علامات ظہور پذیر ہو جائیں؟ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ:

﴿یَوۡمَ یَاۡتِیۡ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنۡفَعُ نَفۡسًا اِیۡمَانُهَا﴾ ''جس دن آپؐ کے ربّ کی بعض (مخصوص) نشانیاں ظاہر ہو گئیں تو پھر کسی ایسے شخص کو اُس کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہ دے گا''

﴿لَمۡ تَکُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ اَوۡ کَسَبَتۡ فِیۡۤ اِیۡمَانِهَا خَیۡرًا ؕ﴾ ''جو پہلے سے ایمان نہیں لا چکا تھا یا اُس نے اپنے ایمان میں کچھ خیر نہیں کما لیا تھا۔''

انسان کے امتحان کا جواز دراصل اسی وقت تک ہے جب تک غیب کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ جب غیب کا پردہ ہٹ جائے گا تو یہ امتحان بھی ختم ہو جائے گا۔ اس وقت پھر جو صورتِ حال سامنے آئے گی اس میں تو بڑے سے بڑا کافر بھی عابد و زاہد بننے کی کوشش کرے گا۔ لیکن جو شخص یہ نشانیاں ظاہر ہونے سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا اور ایمان کی حالت میں اعمالِ صالحہ کا کچھ توشہ اس نے اپنے لیے جمع نہیں کر لیا تھا' اس کے لیے بعد میں ایمان لانا اور نیک اعمال کرنا کچھ بھی سودمند نہیں ہوگا۔

﴿قُلِ انۡتَظِرُوۡۤا اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾﴾ ''(تو اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے تم بھی انتظار کرو' ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔''

اب انتظار کرو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے بارے میں کیا فیصلہ ہوتا ہے۔

آیت ۱۵۹ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَکَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کر دیے اور وہ گروہوں میں تقسیم ہو گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔''

یہ وہی ''وحدتِ ادیان'' کا تصور ہے جو سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۳ میں دیا گیا ہے: ﴿کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ۟﴾ کہ پہلے تمام لوگ ایک ہی دین پر تھے۔ پھر لوگ صراطِ مستقیم سے منحرف ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ مختلف گروہوں نے اپنے اپنے راستے الگ کر لیے۔ چنانچہ یہاں حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر اپنی خودساختہ پگڈنڈیوں پر چل رہے ہیں وہ سب ضلالت و گمراہی میں پڑے ہیں اور آپؐ کا ان گمراہ لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾﴾ ''ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے' پھر وہ انہیں جتلا دے گا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے تھے۔''

آیت ۱۶۰ ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ﴾ ''جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا تو اسے اس کا دس گنا اجر ملے گا۔''

﴿وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا﴾ ''اور جو کوئی بدی کما کر لائے گا تو اُسے سزا نہیں ملے گی مگر اسی کے برابر''

یہ اللہ کا خاص فضل ہے کہ بدی کی سزا بدی کے برابر ہی ملے گی' لیکن نیکی کا اجر بڑھا چڑھا کر دیا جائے گا' دو گنا' چار گنا' دس گنا' سات سو گنا' یا اللہ تعالیٰ اس سے بھی جتنا چاہے بڑھا دے: ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۶۱)

﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦٠﴾﴾ ''اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

اُس دن کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی اور کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

اگلی دو آیات جو ''قُلْ'' سے شروع ہو رہی ہیں' بہت اہم نکات کی حامل ہیں۔ یہ آیات ہم میں سے ہر ایک کو زبانی یاد کر لینی چاہئیں۔

آیت ۱۶۱ ﴿قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہیے کہ میرے ربّ نے تو مجھے ہدایت دے دی ہے سیدھے راستے کی طرف۔''

﴿دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٦١﴾﴾ ''وہ دین ہے سیدھا جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں اور ملت ہے ابراہیم کی' جو یکسو تھا (اللہ کی طرف) اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔''

یہ خطاب صیغہ واحد میں براہِ راست حضور ﷺ سے ہے اور آپ ﷺ کی وساطت سے پوری اُمت سے۔ قبل ازیں آیت ۱۰۶ کے تحت وضاحت کی جا چکی ہے کہ مکی سورتوں میں مسلمانوں سے براہِ راست خطاب کرنے کے بجائے انہیں حضورؐ کی وساطت سے مخاطب کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ۲۰ رکوعوں پر مشتمل اس سورت میں ہم نے دیکھا کہ ایک دفعہ بھی یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ کے ساتھ اہلِ ایمان سے خطاب نہیں کیا گیا۔ بہرحال یہ آیت نبی کریم ﷺ کی وساطت سے ہم سب سے مخاطب ہے۔ کاش ہم میں سے ہر ایک یہ اعلان کرنے کا اہل ہو سکے کہ مجھے تو میرے رب نے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دے دی ہے۔ لیکن یہ تو تبھی ممکن ہوگا جب ہم اللہ کی راہِ ہدایت کو صدقِ دل سے اختیار کریں گے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ آمین!

آیت ۱۶۲ ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٢﴾﴾ ''آپؐ کہیے میری نماز' میری قربانی' میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔''

یہاں دوبارہ لفظ قُل سے حضور ﷺ کو مخاطب فرمایا گیا ہے اور آپ ﷺ کو اپنی امت تک یہ پیغام پہنچانے

کے لیے کہا گیا ہے' لہٰذا آپ ﷺ کی وساطت سے ہم میں سے ہر ایک کو یہ حکم پہنچ رہا ہے۔ کاش ہم میں سے ہر ایک واقعی یہ اعلان کرنے کے قابل ہو سکے کہ میری نماز' میری قربانی' میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو ربّ العالمین ہے۔ لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب ہم اپنی زندگیوں کو واقعۃً اللہ کے لیے وقف کر دیں۔ دُنیوی زندگی کی کم از کم ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ناگزیر حد تک اپنا وقت اور اپنی صلاحیتیں ضرور صرف کریں' لیکن اس ساری تگ و دَو کو اصل مقصودِ زندگی نہ سمجھیں' بلکہ اصل مقصودِ زندگی اللہ کی اطاعت اور اقامتِ دین کی جِدّوجُہد ہی کو سمجھیں۔

آیت ۱۶۳ ﴿لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۶۳﴾ ''اُس کا کوئی شریک نہیں' اور مجھے تو اسی کا حکم ہوا ہے اور سب سے پہلا فرماں بردار میں خود ہوں۔''

آیت ۱۶۴ ﴿قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ﴾ ''کہیے: کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور ربّ تلاش کروں جبکہ وہی ہر شے کا رب ہے۔''

﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ﴾ ''اور نہیں کماتی کوئی جان (کچھ بھی) مگر اسی کے اوپر ہو گا اس کا وبال' اور نہیں اٹھائے گی کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسرے کے بوجھ کو۔''

اُس دن ہر ایک کو اپنی اپنی گٹھڑی خود ہی اٹھانی ہو گی' کوئی دوسرا وہاں مدد کو نہیں پہنچے گا۔ یہاں پر لفظ نَفْس ''جان'' کے معنی میں آیا ہے' یعنی کوئی جان کسی دوسری جان کے بوجھ کو نہیں اٹھائے گی' بلکہ ہر ایک کو اپنی ذمہ داری اور اپنے حساب کتاب کے لیے بنفسِ نفیس خود جوابدہ ہونا ہو گا۔

﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۶۴﴾ ''پھر اپنے رب ہی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے' پھر وہ تمہیں جتلا دے گا جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے تھے۔''

آیت ۱۶۵ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ الْاَرْضِ﴾ ''اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین کا خلیفہ بنایا''

خلیفہ بنانا ایک تو اس مفہوم میں ہے کہ جو خلافت حضرت آدم علیہ السلام کو دی گئی تھی اس کا حصہ بِالقُوّۃ (potentially) تمام انسانوں کو ملا ہے' لہٰذا جو بھی شخص اللہ کا مطیع اور فرماں بردار ہو کر اللہ کو اپنا حاکم اور بادشاہ مان لے تو وہ گویا اس کی خلافت کا حقدار ہو گیا۔ ''خَلٰۗىِٕفَ الْاَرْضِ'' کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا گیا ہے۔ ایک نسل کے بعد دوسری نسل اور ایک قوم کے بعد دوسری قوم آتی ہے اور اس طرح انسانی وراثت نسل در نسل اور قوم در قوم منتقل ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہی فلسفہ اس سورۃ کی آیت ۱۳۳ میں بھی بیان ہوا ہے۔

﴿وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ﴾ ''اور اُس نے تم میں سے بعض کے درجوں کو بعض پر بلند کر دیا''

اس دُنیوی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے مطابق کسی کو علم دیا ہے' کسی کو حکمت سے نوازا ہے' کسی کو ذہانت میں فضیلت عطا کی ہے' کسی کو جسمانی طاقت میں برتری دی ہے' کسی کو صحتِ جسمانی بہتر دی ہے اور کسی کو حسن جسمانی میں دوسروں پر فوقیت دی ہے۔ یعنی مختلف انداز میں اُس نے ہر ایک کو اپنے فضل سے نوازا ہے اور مختلف انسانوں کے درجات و مراتب میں اپنی حکمت کے تحت فرق و تفاوت بھی برقرار رکھا ہے۔

﴿لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ﴾ ''تا کہ تمہیں آزمائے اس میں جو کچھ اُس نے تمہیں بخشا ہے۔''

یعنی دنیا کی تمام نعمتیں انسان کو بطور آزمائش دی جاتی ہیں۔ بَلَا ' يَبْلُوْ کے معنی ہیں آزمانا اور جانچنا۔ ابتلاء (بمعنی امتحان اور آزمائش) اسی سے باب افتعال ہے۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ١٦٥﴾ ''یقیناً آپ کا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے اور یقیناً وہ غفور اور رحیم بھی ہے۔''

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ' ونفعنى واياكم بالآيات والذّكر الحكيم OO

بیان القرآن

سُورَةُ الْاَعْرَاف

(۷)

سُوْرَةُ الْاَعْرَاف

تمہیدی کلمات

سورۃ الاعراف قرآن حکیم کی طویل ترین مکّی سورت ہے۔ اس سورت کا سورۃ الانعام کے ساتھ چونکہ جوڑے کا تعلق ہے اس لیے اس کے مضامین کا تعارف سورۃ الانعام کے آغاز میں آ چکا ہے۔ وہاں پر التّذکیر بِاٰلاءِ اللّٰہ اور التّذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ کے فلسفے پر بھی تفصیلی بحث ہو چکی ہے اور دونوں سورتوں میں مضامین کی اس تقسیم کا ذکر بھی ہو چکا ہے کہ سورۃ الانعام میں تذکیر بِاٰلاءِ اللّٰہ کا انداز ملتا ہے جب کہ سورۃ الاعراف میں تذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ کا رنگ غالب ہے۔ سورۃ الاعراف کے موضوعات کی ترتیب اس طرح سے ہے کہ سب سے پہلے قصہ حضرت آدمؑ و ابلیس بیان کر کے انسانی تخلیق کے آغاز کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر حیاتِ دُنیوی کے اختتامی دور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس اختتامی دَور میں تین اقسام کے لوگوں کی تفصیل آ گئی ہے۔ پہلے اہلِ جہنم کا تذکرہ ہے، اس کے بعد اہلِ جنت کا، اور پھر اصحابِ اعراف کا، یعنی وہ لوگ جن کے جنت یا دوزخ میں دخول کے بارے میں فیصلہ مؤخر کر دیا جائے گا۔ اس طرح حیاتِ انسانی کی ابتدا اور اس کی انتہا کے تذکرے کے بعد حیاتِ انسانی کے ''درمیانی دَور'' کا تذکرہ تذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ (انبیاء و رسل علیہم السلام اور ان کی قوموں کے حالات) کے طور پر آ گیا ہے، جو اس سورت کے مضامین کا عمود (main theme) ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

آیات ۱ تا ۹

الٓمّٓصٓ ۞ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى
لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۞ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا
تَذَكَّرُوْنَ ۞ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآىِٕلُوْنَ ۞ فَمَا كَانَ
دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۞ فَلَنَسْــَٔـلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ
اِلَيْهِمْ وَلَنَسْــَٔـلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۞ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآىِٕبِيْنَ ۞ وَالْوَزْنُ
يَوْمَىِٕذِ ۨ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ
فَاُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۞

آیت ۱ ﴿الٓمّٓصٓ ①﴾ ''ا' ل' م' ص۔''

یہ حروفِ مقطعات ہیں' اور جیسا کہ پہلے بھی وضاحت ہو چکی ہے' حروفِ مقطعات کا حقیقی اور یقینی مفہوم کسی کو معلوم نہیں اور یہ کہ ان تمام حروف کے مفاہیم و مطالب اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے درمیان راز کا درجہ رکھتے ہیں۔ البتہ یہاں اضافی طور پر یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ قرآنِ مجید کی دو سورتیں ایسی ہیں جن کے شروع میں چار چار حروفِ مقطعات آئے ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہی سورۃ الاعراف ہے اور دوسری سورۃ الرعد' جس کا آغاز الٓمّٓرٰ سے ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ اور سورۂ آلِ عمران کے آغاز میں تین تین حروفِ مقطعات (الٓمّٓ) آ چکے ہیں۔

آیت ۲ ﴿كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ﴾ ''یہ کتاب ہے (اے نبی ﷺ) جو آپ پر نازل کی گئی ہے' تو نہیں ہونی چاہیے آپ کے دل میں کچھ تنگی اس کی وجہ سے''

اس سورت کا نزول مکی دور کے آخری برسوں میں ہوا جبکہ حضور ﷺ کی دعوتی کوششوں کو شروع ہوئے دس گیارہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ دعوت کے لیے ہر ممکن طریقہ استعمال کر رہے تھے' مگر آپؐ کی سالہا سال کی جدّوجہد کے باوجود مکّہ کے صرف چند لوگ ایمان لائے تھے۔ یہ صورتِ حال آپ ﷺ کے لیے باعثِ تشویش تھی۔ ایک عام آدمی تو اپنی غلطیوں کی ذمہ داری دوسروں کے سر پر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی کوتاہیوں کو بھی دوسروں کے کھاتے میں ڈال کر خود کو صاف بچانے کی فکر میں رہتا ہے' لیکن ایک شریف النفس انسان ہمیشہ یہ دیکھتا ہے کہ اگر اس کی کوشش کے خاطر خواہ نتائج سامنے نہیں آ رہے ہیں تو اس میں اُس کی طرف سے کہیں کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی۔ اس سوچ اور احساس کی وجہ سے وہ اپنے دل پر ہر وقت ایک بوجھ محسوس کرتا ہے۔ لہٰذا جب حضور ﷺ کی مسلسل کوشش کے باوجود اہلِ مکہ ایمان نہیں لا رہے تھے تو بشری تقاضے کے تحت آپؐ کو دل میں بہت پریشانی محسوس ہوتی تھی۔ اس لیے آپؐ کی تسلی کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اس قرآن کی وجہ سے آپؐ کے اوپر کوئی تنگی نہیں ہونی چاہیے۔

﴿لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ②﴾ ''(یہ تو اس لیے ہے) تاکہ اس کے ذریعے سے آپؐ خبردار کریں اور یہ یاد دہانی ہے اہلِ ایمان کے لیے۔''

لِتُنْذِرَ بِهٖ تاکہ آپؐ اس قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو خبردار کریں۔ انذار بالقرآن کا یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت ۱۹ میں بایں الفاظ آیا ہے: ﴿وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ ''اور یہ قرآن میری طرف اس لیے وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تمہیں بھی خبردار کروں اور جس جس کو یہ پہنچے''۔ یہاں مزید فرمایا کہ یہ اہل ایمان کے لیے ذِکْرٰی (یاددہانی) ہے۔ یعنی جن سلیم الفطرت لوگوں کے اندر بالقُوّۃ (potentially) ایمان موجود ہے اُن کے سوئے ہوئے (dormant) ایمان کو بیدار (activate) کرنے کے لیے یہ کتاب ایک طرح سے یاددہانی ہے۔ جیسے آپ کو کوئی چیز بھول گئی تھی' اچانک کہیں اس کی کوئی نشانی دیکھی تو فوراً وہ شے یاد آ گئی' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے حصول کے لیے اس کائنات کی چیزوں کو بھی انسانوں کے لیے یاددہانی (ذکرٰی) بنا دیا ہے۔

آیت ۳ ﴿اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ﴾ ''پیروی کرو اُس کی جو نازل کیا گیا تمہاری طرف تمہارے ربّ کی جانب سے''

پچھلی آیت میں حضور ﷺ سے صیغہ واحد میں خطاب تھا ﴿فَلَا یَکُنۡ فِیۡ صَدۡرِکَ حَرَجٌ مِّنۡہُ﴾ جب کہ یہاں ''اِتَّبِعُوۡا'' جمع کا صیغہ ہے۔ یعنی یہاں خطاب کا رخ عام لوگوں کی طرف ہے اور انہیں وحیِ الٰہی کی پیروی کا حکم دیا جا رہا ہے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ۝۳﴾ ''اور مت پیروی کرو اُس کے سوا دوسرے سرپرستوں کی۔ کم ہی ہے جو نصیحت تم حاصل کرتے ہو۔''

یعنی اپنے ربّ کو چھوڑ کر کچھ دوسرے اولیاء (دوست، سرپرست) بنا کر ان کی پیروی مت کرو۔

آیت ۴ ﴿وَکَمۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَا فَجَآءَہَا بَاۡسُنَا بَیَاتًا اَوۡ ہُمۡ قَآئِلُوۡنَ ۝۴﴾ ''اور کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا، تو ان پر آ پڑا ہمارا عذاب جب وہ رات کو سو رہے تھے یا جب دوپہر کو قیلولہ کر رہے تھے۔''

چونکہ اس سورۂ مبارکہ کے موضوع کا عمود تَذۡکِیۡر بِاَیَّامِ اللّٰہِ ہے' لٰہذا یہاں شروع میں ہی اقوامِ گزشتہ پر عذاب اور ان کی بستیوں کی تباہی کا تذکرہ آ گیا ہے۔ اس آیت میں قومِ نوحؑ، قومِ ہودؑ، قومِ صالحؑ، قومِ شعیبؑ اور قومِ لوطؑ کی بستیوں کی طرف اشارہ ہے۔

آیت ۵ ﴿فَمَا کَانَ دَعۡوٰىہُمۡ اِذۡ جَآءَہُمۡ بَاۡسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ۝۵﴾ ''تو پھر ان کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں تھی جب ان پر ہمارا عذاب آ پڑا کہ (ہائے ہماری شامت) بے شک ہم ہی ظالم تھے۔''

واقعتاً ہمارے رسولوں نے تو ہماری آنکھیں کھولنے کی پوری کوشش کی تھی مگر ہم نے ہی اپنی جانوں پر زیادتی کی جو اُن کی دعوت کو نہ مانا۔

آیت ۶ ﴿فَلَنَسۡـَٔلَنَّ الَّذِیۡنَ اُرۡسِلَ اِلَیۡہِمۡ وَلَنَسۡـَٔلَنَّ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝۶﴾ ''پس ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے ان سے بھی جن کی طرف ہم نے رسولوں کو بھیجا اور لازماً پوچھ کر رہیں گے رسولوں سے بھی۔''

یہ فلسفۂ رسالت کا بہت اہم موضوع ہے جو اس آیت میں بڑی جلالی شان کے ساتھ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مختلف قوموں کی طرف رسولوں کو اس لیے بھیجتا تھا تاکہ وہ انہیں خبردار کر دیں۔ یہ ایک بہت بھاری اور حساس ذمہ داری تھی جو پیغمبروں پر ڈالی جاتی تھی۔ اب اگر بالفرض کسی رسول کی طرف سے اس ذمہ داری میں ذرا بھی کوتاہی ہوئی ہوگی تو متعلقہ قوم سے پہلے اُس سے پوچھا جائے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ آپ نے ایک اہم پیغام دے کر کسی آدمی کو اپنے کسی دوست کے پاس بھیجا کہ وہ یہ کام کل تک ضرور کر دے ورنہ میرا بہت نقصان ہوگا، لیکن آپ کے اس دوست نے وہ کام نہیں کیا اور آپ کا نقصان ہو گیا۔ اس پر آپ غصّے سے آگ بگولہ اپنے دوست کے پاس پہنچے اور کہا کہ تم نے میرے پیغام کے مطابق بروقت میرا کام کیوں نہیں کیا؟ اب آپ کا دوست

اگر جواباً یہ کہہ دے کہ اس کے پاس تو آپ کا پیغام لے کر کوئی آیا ہی نہیں تو اپنے دوست سے آپ کی ناراضی فوراً ختم ہو جائے گی‘ کیونکہ اس نے کوتاہی نہیں کی‘ اور آپ کے غصے کا رخ اس شخص کی طرف ہو جائے گا جس کو آپ نے پیغام دے کر بھیجا تھا۔ آپ اس سے باز پرس کریں گے کہ تم نے میرا انتہائی اہم پیغام کیوں نہیں پہنچایا اور غیر ذمہ داری کا ثبوت دے کر تم نے میرا اتنا بڑا نقصان کیوں کر دیا؟ اسی طرح کا معاملہ ہے اللہ‘ رسول اور متعلقہ قوم کا۔ اللہ نے رسول کو پیغام بر بنا کر ایک قوم کی طرف بھیجا۔ بالفرض اس پیغام کے پہنچانے میں اگر رسول سے کوتاہی ہوئی تو وہ اس کے لیے جوابدہ ہوگا۔ ہاں اگر اس نے کما حقہ پیغام پہنچا دیا تو وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہو گیا۔ پھر اگر متعلقہ قوم نے اس پیغام پر عمل درآمد نہ کیا تو وہ اس کوتاہی کے لیے ذمہ دار ٹھہرے گی۔ چنانچہ آخرت میں اُمتوں کا بھی محاسبہ ہوگا اور رسولوں کا بھی۔ اللہ تعالیٰ ہر اُمت سے جواب طلبی کرے گا کہ میں نے تمہاری طرف اپنا رسول بھیجا تھا تاکہ وہ تمہیں میرا پیغام پہنچا دے‘ تم نے اس پیغام کو قبول کیا یا نہیں کیا؟ اور مرسلین سے بھی پوچھے گا کہ تم نے میرا پیغام پہنچایا یا نہیں؟ سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۰۹ میں ﴿مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ﴾ کے سوال اور آیت ۱۱۶ کے درج ذیل الفاظ میں اسی جواب طلبی کا ذکر ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ (آیت ۱۱۶) ”اور جب اللہ پوچھے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو بھی الٰہ بنا لینا اللہ کے علاوہ؟“

اب ذرا حجۃ الوداع (۱۰ ہجری) کے منظر کو ذہن میں لایئے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ میدانِ عرفات میں ایک جم غفیر سے مخاطب ہیں۔ اس تاریخی موقع کے پس منظر میں آپ ﷺ کی ۲۳ برس کی محنت شاقہ تھی‘ جس کے نتیجے میں آپ ﷺ نے پورے جزیرہ نمائے عرب میں دین کو غالب کر دیا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اس مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا: ((اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟)) لوگو سنو! کیا میں نے پہنچا دیا؟ اس پر پورے مجمع نے یک زبان ہو کر جواب دیا: نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ[1]۔ ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں: اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ کہ ہاں ہم گواہ ہیں کہ آپ ﷺ نے رسالت کا حق ادا کر دیا‘ آپؐ نے امانت کا حق ادا کر دیا (یہ قرآن آپؐ کے پاس اللہ کی امانت تھی جو آپؐ نے ہم تک پہنچا دی)‘ آپؐ نے اُمت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا اور آپؐ نے گمراہی اور ضلالت کے اندھیروں کا پردہ چاک کر دیا۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے تین دفعہ یہ سوال کیا اور تین دفعہ لوگوں سے اس کا جواب لیا اور تینوں دفعہ آپؐ نے انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھا کر پکارا: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! کہ اے اللہ تو بھی گواہ رہ‘ یہ لوگ تسلیم کر رہے ہیں کہ میں نے تیرا پیغام انہیں پہنچا دیا۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ((فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))[2] کہ اب پہنچائیں وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں ان لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں

---

(۱) صحیح مسلم‘ کتاب الحج‘ باب حجۃ النبی ﷺ۔ وسنن ابی داوٗد‘ کتاب المناسک‘ باب صفۃ حجۃ النبی ﷺ۔

(۲) صحیح البخاری‘ کتاب الحج‘ باب الخطبۃ ایام منی۔ وصحیح مسلم‘ کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات‘ باب تغلیظ تحریم الدماء والاعراض والاموال۔

ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میرے کندھے سے یہ بوجھ اتر کر اب تمہارے کندھوں پر آ گیا ہے۔ اگر میں صرف تمہاری طرف رسول بن کر آیا ہوتا تو اس مشن کی آج تکمیل ہو گئی ہوتی' مگر میں تو رسول ہوں تمام انسانوں کے لیے جو قیامت تک آئیں گے۔ چنانچہ اب اس دعوت اور تبلیغ کو ان لوگوں تک پہنچانا میری امت کے لوگوں کے ذمہ ہے۔ یہی وہ گواہی ہے جس کا منظر سورۃ النساء کی اس آیت میں دکھایا گیا ہے: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿٤١﴾﴾ ''تو اُس دن کیا صورتِ حال ہو گی جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور (اے نبی ﷺ) آپ کو لائیں گے ہم ان پر گواہ بنا کر''۔ پھر اس روز حجۃ الوداع کے موقع پر موجود لوگوں کی گواہی کا حوالہ بھی آئے گا۔ اور اس حوالے سے نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور گواہی دیں گے کہ اے اللہ میں نے تو ان لوگوں تک تیرا پیغام پہنچا دیا تھا' اب یہ ذمہ دار اور جواب دہ ہیں۔ چونکہ معاملہ ان پر پوری طرح کھول دیا گیا تھا' لہٰذا اب یہ لوگ لاعلمی کے بہانے کا سہارا نہیں لے سکتے۔

آیت ۷ ﴿فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿٧﴾﴾ ''پھر ہم ان کے سامنے احوال بیان کریں گے علم کی بنیاد پر اور ہم کہیں غائب تو نہیں تھے۔''

اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کس قدر جدوجہد کرتے رہے تھے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح کے مشکل حالات میں آپ کا ساتھ دیتے رہے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ابوجہل اور ابولہب کی کارروائیوں کو بھی دیکھ رہا تھا کہ وہ کس کس طریقے سے حضور ﷺ کو اذیتیں پہنچا رہے تھے اور اسلام کی مخالفت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہم ان کے سامنے اپنے علم کی بنیاد پر تمام احوال بیان کر دیں گے' کیونکہ جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا تو ہم وہاں سے غیر حاضر تو نہیں تھے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ تو ہر وقت ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔ سورۃ الحدید (آیت ۴) میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ﴾ کہ وہ (اللہ) تمہارے ساتھ ہی ہوتا ہے جہاں کہیں بھی تم ہوتے ہو۔

آیت ۸ ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۣالْحَقُّ ۚ﴾ ''اور اُس روز وزن ہو گا حق ہی میں (یا وزن ہی فیصلہ کن ہو گا)''

اُس روز اللہ تعالیٰ ترازو نما کوئی ایسا نظام قائم کرے گا' جس کے ذریعے سے اعمال کا ٹھیک ٹھیک وزن ہو گا' مگر اُس دن وزن صرف حق ہی میں ہو گا' یعنی صرف اعمالِ صالحہ ہی کا وزن ہو گا' باطل اور برے کاموں میں سرے سے کوئی وزن نہیں ہو گا' ریاکاری کی نیکیاں ترازو میں بالکل بے حیثیت ہوں گی۔ ﴿وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۣالْحَقُّ ۚ﴾ کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اُس دن وزن ہی حق ہو گا' وزن ہی فیصلہ کن ہو گا۔ اگر دو پلڑوں والی ترازو کا تصور کریں تو اس جملے کا مطلب یہ ہو گا کہ جس کا نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو گا نجات بس اسی کے لیے ہو گی۔

﴿فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨﴾﴾ ''تو جس کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے۔''

آیت ۹ ﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾﴾ ''اور جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا بسبب اس

کے کہ وہ ہماری آیات سے ناانصافی کرتے رہے۔“

آیت ٦ ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦﴾﴾ کی طرح اگلی آیت بھی اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔

آیات ١٠ تا ٢٥

ع ١ / ٨ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿١٠﴾ وَلَقَدْ
خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖۗ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ
مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿١١﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ
مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿١٢﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ
اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿١٣﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٤﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿١٥﴾
قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ
اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿١٧﴾
قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ
اَجْمَعِيْنَ ﴿١٨﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ
الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا
مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا
مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا
الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا
رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾
قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ
اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾ قَالَ فِيْهَا
ع ٢ / ١٥ / ٩ تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿٢٥﴾

آیت ١٠ ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿١٠﴾﴾ ”اور (دیکھو انسانو!) ہم نے تمہیں زمین میں تمکن عطا فرمایا اور اس میں تمہارے لیے معاش کے سارے سامان رکھ دیے (لیکن) بہت ہی کم ہے جو شکر تم کرتے ہو۔“

تم لوگوں کو تو ہر وقت یہ دھڑ کا لگا رہتا ہے کہ زمین کے وسائل انسان کے مسلسل استعمال سے ختم نہ ہو جائیں،

انسانی وحیوانی خوراک کا قحط نہ پڑ جائے۔ مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے خزانے ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ ہم نے تمہیں اس زمین میں بسایا ہے تو یہاں تمہاری اور تمہاری آئندہ تمام نسلوں کی جملہ جسمانی ضرورتیں پوری کرنے کا بندوبست بھی کیا ہے۔ اب اگلے (دوسرے) رکوع میں اسی مضمون یعنی تمکّن فی الارض کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

آیت ۱۱ ﴿وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰكُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰكُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ﴾ ''اور ہم نے تمہیں تخلیق کیا' پھر تمہاری تصویر کشی کی' پھر ہم نے کہا فرشتوں سے کہ جھک جاؤ آدم کے سامنے''

نظریۂ ارتقاء (Evolution Theory) کے حامی لوگ اس آیت سے بھی کسی حد تک اپنی نظریاتی غذا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دراصل قرآن حکیم کی مختلف آیات میں انسان کی تخلیق کے مختلف مراحل کے بارے میں تفصیلات ملتی ہیں۔ مثلاً سورۂ آل عمران' آیت ۵۹ میں بتایا گیا ہے کہ انسانِ اوّل کو مٹی سے بنا کر کُنۡ کہا گیا تو وہ ایک زندہ انسان بن گیا (فَیَکُوۡن)۔ یہ آیت گویا انسان کی ایک خاص مخلوق کے طور پر تخلیق کی تائید کرتی ہے۔ جبکہ آیت زیرنظر میں اس ضمن میں تدریجی مراحل کا ذکر ہوا ہے۔ یہاں جمع کے صیغوں (وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰكُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰكُمۡ) سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس سلسلہ کی کچھ انواع (species) پہلے پیدا ہو چکی تھیں۔ گویا نسل انسانی پہلے پیدا کی گئی' پھر ان کی شکل وصورت کو finishing touches دیے گئے۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ آدم تو ایک تھا' پھر یہ جمع کے صیغے کیوں استعمال ہوئے ہیں؟ اس سوال کے جواب کے لیے سورۂ آلِ عمران کی آیت ۳۳ بھی ایک طرح سے ہمیں دعوتِ غور وفکر دیتی ہے' جس میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے چنا تھا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۳۳﴾﴾۔ گویا یہ آیت بھی کسی حد تک ارتقائی عمل کی طرف اشارہ کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال اس قسم کے موضوعات کے بارے میں جیسے جیسے جو جو علمی اشارے دستیاب ہوں ان کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے' اور آنے والے وقت کے لیے اپنے options کھلے رکھنے چاہئیں۔ ہوسکتا ہے جب وقت کے ساتھ ساتھ کچھ مزید حقائق اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت سے انسانی علم میں آئیں تو ایسی آیات کے مفاہیم زیادہ واضح ہو کر سامنے آجائیں۔

﴿فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ لَمۡ يَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۱۱﴾﴾ ''تو سجدہ کیا سب نے سوائے ابلیس کے' نہ ہوا وہ سجدہ کرنے والوں میں۔''

آیت ۱۲ ﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ ؕ﴾ ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: کس چیز نے تمہیں روکا کہ تم نے سجدہ نہیں کیا' جب کہ میں نے تمہیں حکم دیا تھا؟''

﴿قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ ﴿۱۲﴾﴾ ''اُس نے کہا: میں اِس سے بہتر ہوں' مجھے تو نے بنایا ہے آگ سے اور اس کو بنایا ہے مٹی سے۔''

اس نے ایسا استکبار کی بنیاد پر کہا۔ اس کے اس قول کے ایک ایک لفظ سے تکبر جھلکتا ہے۔

آیت ۱۳ ﴿قَالَ فَاهۡبِطۡ مِنۡهَا فَمَا يَكُوۡنُ لَكَ اَنۡ تَتَكَبَّرَ فِيۡهَا فَاخۡرُجۡ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيۡنَ ﴿۱۳﴾﴾

”(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: پس اُتر جاؤ اس سے، تمہیں یہ حق نہیں تھا کہ تم اس میں تکبر کرو، پس نکل جاؤ، یقیناً تم ذلیل وخوار ہو۔“

آیت ۱۴ ﴿قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ⑭﴾ ”اُس نے کہا: (اے اللہ!) مجھے مہلت دے اُس دن تک جس دن انہیں (زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔“

آیت ۱۵ ﴿قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ⑮﴾ ”فرمایا: (ٹھیک ہے جاؤ) تمہیں مہلت دے دی گئی۔“

آیت ۱۶ ﴿قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ⑯﴾ ”اُس نے کہا: (پروردگار!) تو نے جو مجھے (آدم کی وجہ سے) گمراہ کیا ہے تو اَب میں لازماً ان کے لیے گھات میں بیٹھوں گا تیری سیدھی راہ پر۔“

میں تیری توحید کی شاہراہ پر ڈیرے جما کر، گھات لگا کر، مورچہ بند ہو کر بیٹھوں گا اور تیرے بندوں کو شرک کی پگڈنڈیوں کی طرف موڑتا رہوں گا۔

آیت ۱۷ ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ⑰﴾ ”پھر میں ان پر حملہ کروں گا ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے، اور ان کے دائیں اور بائیں جانب سے، اور تو نہیں پائے گا ان کی اکثریت کو شکر کرنے والا۔“

آیت ۱۸ ﴿قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑱﴾ ”(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: نکل جاؤ اس میں سے برے حال میں مردود ہو کر۔ ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے تو میں (انہیں اور تم کو اکٹھا کر کے) تم سب سے جہنم کو بھر کر رہوں گا۔“

آیت ۱۹ ﴿وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲﴾ ”اور (پھر ہم نے آدم سے کہا کہ) اے آدمؑ رہو جنت میں تم اور تمہاری بیوی، اور کھاؤ پیو اس میں سے جہاں سے تم دونوں چاہو، اور (ہاں) اس درخت کے قریب مت جانا، ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔“

آیت ۲۰ ﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا﴾ ”تو شیطان نے ان دونوں کو وسوسہ میں ڈالا تاکہ ظاہر کر دے ان پر جو ان سے پوشیدہ تھیں ان کی شرمگاہیں“

قصۂ حضرت آدمؑ و ابلیس کی تفصیل قبل ازیں ہم سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ یہاں یہ قصہ دوسری مرتبہ بیان ہوا ہے۔ پورے قرآن مجید میں یہ واقعہ سات مرتبہ آیا ہے، چھ مرتبہ مکی سورتوں میں اور ایک مرتبہ مدنی سورت (البقرۃ) میں۔ لیکن ہر جگہ یہ واقعہ مختلف انداز سے بیان ہوا ہے اور ہر بار کسی نہ کسی نئی بات کا اس میں اضافہ ہوا ہے۔ دراصل حضور ﷺ کی دعوتی تحریک جیسے جیسے آگے بڑھ رہی تھی، ہر دور کے مخصوص حالات کے سبب اس واقعے میں ہر دفعہ مزید تفصیلات شامل ہوتی گئیں۔ یہاں اس قصے کا آغاز کرتے ہوئے جمع

کا صیغہ استعمال کر کے تمام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ﴾

سورۃ البقرۃ کی متعلقہ آیات کے مطالعے کے دوران اس واقعے سے متعلق بعض اہم نکات زیر بحث آ چکے ہیں۔ یہاں آیات زیر مطالعہ کے حوالے سے کچھ مزید باتیں تشریح طلب ہیں۔ ایک تو شیطان کے حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو ورغلانے اور ان کے دلوں میں وسوسے ڈالنے سے متعلق یہ سوال بہت اہم ہے کہ اس کی کیفیت کیا تھی۔ اس سلسلے میں جو مکالمات قرآن میں آئے ہیں ان سے یہ گمان ہرگز نہیں ہونا چاہیے کہ حضرت آدمؑ اور ابلیس ایک دوسرے کو دیکھتے اور پہچانتے ہوئے ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے۔ ایسا ہرگز نہیں تھا' بلکہ شیطان جیسے آج ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے اسی طرح حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کی نظروں سے بھی پوشیدہ تھا اور جس طرح آج ہمارے دلوں میں شیطانی وسوسے جنم لیتے ہیں اسی طرح ان کے دلوں میں بھی وسوسے پیدا ہوئے تھے۔ دوسرا وضاحت طلب نکتہ ایک خاص ممنوعہ پھل کے چکھنے اور اس کی خاص تاثیر کے بارے میں ہے۔ قرآن مجید میں ہمیں اس کی تفصیل اس طرح ملتی ہے کہ اُس پھل کے چکھنے پر ان کی شرمگاہیں نمایاں ہو گئیں۔ جہاں تک اس کیفیت کی حقیقت کا تعلق ہے تو اسے معلوم کرنے کے لیے ہمارے پاس حتمی اور قطعی علمی ذرائع نہیں ہیں' اس لیے اس معاملے کو متشابہات میں ہی شمار کیا جائے گا۔ البتہ اس بارے میں مختلف مفسرین نے اپنے طور پر قیاس آرائیاں کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ پہلے انہیں اپنے اِن اعضاء کے بارے میں شعور نہیں تھا' مگر وہ پھل چکھنے کے بعد یہ شعور ان میں بیدار ہو گیا' یا یہ کہ پہلے انہیں جنت کا لباس دیا گیا تھا جو اس واقعے کے بعد اتر گیا۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ نیکی اور بدی کا درخت تھا جس کا پھل کھاتے ہی ان میں نیکی اور بدی کی تمیز پیدا ہو گئی۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ دراصل حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے درمیان پہلا جنسی اختلاط (sexual act) تھا' جسے اس انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ مختلف لوگوں کی آراء ہیں' لیکن اس ضمن میں اصل بات یہی ہے کہ یہ معاملہ متشابہات میں سے ہے اور ٹھوس علمی معلومات کے بغیر اس بارے میں کوئی قطعی اور حقیقی رائے قائم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کہ وہ درخت کون سا تھا اور اسے چکھنے کی اصل حقیقت اور کیفیت کیا تھی۔

﴿وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۲۰﴾

''اور اُس نے کہا (وسوسہ اندازی کی) کہ نہیں روکا ہے آپ دونوں کو آپ کے رب نے اس درخت سے مگر اسی لیے کہ کہیں آپ فرشتے نہ بن جائیں یا کہیں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے نہ ہو جائیں۔''

یہ تو سیدھی سی بات ہے کہ فرشتوں کو حضرت آدمؑ کے سامنے جھکایا گیا تھا تو اس کے بعد آپؑ کے لیے فرشتہ بن جانا کون سی بڑی بات تھی' لیکن بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کو نسیان ہو جاتا ہے اور وہ اپنی اصل حقیقت' اصل مقام کو بھول جاتا ہے۔ چنانچہ یہ بات گویا شیطان نے وسوسے کے انداز سے ان کے دلوں میں ڈالنے کی کوشش کی کہ اس شجر ممنوعہ کا پھل کھا کر تم فرشتے بن جاؤ گے یا ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہو گے اور تم پر موت طاری نہ ہو سکے گی۔

آیت ۲۱ ﴿وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''اور اُس نے قسمیں کھا کھا کر اُن کو یقین دلایا کہ میں آپ دونوں کے لیے بہت ہی خیر خواہ ہوں۔''

آیت ۲۲ ﴿فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ﴾ ''تو اُس نے دھوکہ دے کر انہیں مائل کر ہی لیا۔''

﴿فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ﴾ ''تو جب ان دونوں نے چکھ لیا اس درخت کے پھل کو تو ظاہر ہو گئیں ان پر ان کی شرمگاہیں اور وہ لگے گانٹھنے جنت کے (درختوں کے) پتوں کو اپنے اوپر (لباس بنانے کے لیے)''

اپنی عریانی کا احساس ہونے کے بعد وہ جنت کے درختوں کے پتوں کو آپس میں جوڑ کر اپنے اپنے ستر کو چھپانے کا اہتمام کرنے لگے۔

﴿وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۲﴾﴾ ''اور اب آواز دی اُن دونوں کو اُن کے رب نے کہ کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا اس درخت سے اور کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے!''

آیت ۲۳ ﴿قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۲۳﴾﴾ ''(اس پر) وہ دونوں پکار اُٹھے کہ اے ہمارے رب! ہم نے ظلم کیا اپنی جانوں پر' اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم تباہ ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے۔''

یعنی ہم اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔ یہ وہی کلمات ہیں جن کے بارے میں ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۳۷) میں پڑھ آئے ہیں: ﴿فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ﴾ یعنی آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لیے اور ان کے ذریعے سے معافی مانگی تو اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ وہاں اس ضمن میں صرف اشارہ کیا گیا تھا' یہاں وہ کلمات بتا دیے گئے ہیں۔ اس سارے واقعے میں ایک اہم بات یہ بھی قابل غور ہے کہ قرآن میں کہیں بھی کوئی ایسا اشارہ نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو کہ ابلیس نے یہ وسوسہ ابتدا میں اماں حواؑ کے دل میں ڈالا تھا۔ اس سلسلے میں عام طور پر ہمارے ہاں جو کہانیاں مشہور ہیں ان کی رو سے شیطان کے بہکاوے میں پہلے حضرت حواؑ آئیں اور پھر ان کے ترغیب دلانے سے حضرت آدمؑ نے وہ پھل چکھا۔ لیکن قرآن اس امکان کی نفی کرتا ہے۔ آیات زیر نظر کے مطالعے سے تو ان دونوں کا ایک ساتھ بہکاوے میں آ جانا بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں قرآن مسلسل تثنیہ کا صیغہ استعمال کر رہا ہے۔ یعنی شیطان نے ان دونوں کو ورغلایا' دونوں اس کے بہکاوے میں آ گئے اور پھر دونوں نے اللہ سے معافی مانگی اور اللہ نے دونوں کو معاف کر دیا۔

حضرت حواؑ کے شیطان کے بہکاوے میں آنے والی کہانیوں کی ترویج دراصل عیسائیت کے زیر اثر ہوئی ہے۔ عیسائیت میں عورت کو گناہ اور برائی کی جڑ سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ Eve (حوا) سے لفظ evil

عیسائیوں کے ہاں برائی کا ہم معنی قرار پایا ہے۔ عیسائیت میں مرد کا شادی کرنا اور عورت سے قربت کا تعلق قائم کرنا ایک گھٹیا فعل تصور کیا جاتا تھا‘ جبکہ تجرد کی زندگی گزارنا اور رہبانیت کے طور طریقوں کو ان کے ہاں روحانیت کی معراج سمجھا جاتا تھا۔ نتیجتاً ان کے ہاں اس طرح کی کہانیوں نے جنم لیا‘ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آدمؑ کو جنت سے نکلوانے اور ان کی آزمائشوں اور مصیبتوں کا باعث بننے والی دراصل ایک عورت تھی۔ بہرحال ایسے تصورات اور نظریات کی تائید قرآن مجید سے نہیں ہوتی۔

آیت ۲۴ ﴿قَالَ اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ﴾ ”(اللہ نے) فرمایا: تم سب اُتر جاؤ (اب) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔“

ھُبُوط کے بارے میں سورۃ البقرۃ آیت ۳۶ میں وضاحت ہو چکی ہے کہ یہ لفظ صرف بلندی سے نیچے اترنے کے معنی کے لیے ہی خاص نہیں بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا مفہوم بھی اس میں شامل ہے۔ جس دشمنی کا ذکر یہاں کیا گیا وہ حضرت آدم کے ہبوطِ ارضی کے وقت سے آج تک شیطان کی ذُرّیت اور آدمؑ کی اولاد کے درمیان مسلسل چلی آ رہی ہے اور قیامت تک چلتی رہے گی۔ اس کے علاوہ ان الفاظ ﴿بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ﴾ میں بنی نوع انسان کی باہمی دشمنیوں کا مفہوم بھی شامل ہے جو مختلف افراد اور اقوام کے درمیان پائی جاتی ہیں۔

﴿وَلَكُمۡ فِي الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ ۝۲۴﴾ ”اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانہ ہے اور (ضرورت کا) ساز و سامان بھی ایک وقتِ معیّن تک۔“

یہ ٹھکانہ اور مال و متاع ابدی نہیں ہے‘ بلکہ ایک خاص وقت تک کے لیے ہے۔ اب تمہیں اس زمین پر رہنا بسنا ہے اور وہاں رہنے بسنے کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں وہ وہاں پر تمہارے لیے فراہم کر دی گئی ہیں۔

آیت ۲۵ ﴿قَالَ فِيۡهَا تَحۡيَوۡنَ وَفِيۡهَا تَمُوۡتُوۡنَ وَمِنۡهَا تُخۡرَجُوۡنَ ۝۲۵﴾ ”پھر فرمایا کہ (اب) تم اسی (زمین) میں زندگی گزارو گے‘ اسی میں مرو گے اور اسی میں سے تمہیں نکال لیا جائے گا۔“

آیات ۲۶ تا ۳۱

يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسًا يُّوَارِيۡ سَوۡاٰتِكُمۡ وَرِيۡشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقۡوٰى ۙ ذٰلِكَ
خَيۡرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُوۡنَ ۝۲۶ يٰبَنِيۡۤ اٰدَمَ لَا يَفۡتِنَنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ كَمَاۤ
اَخۡرَجَ اَبَوَيۡكُمۡ مِّنَ الۡجَنَّةِ يَنۡزِعُ عَنۡهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوۡاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰٮكُمۡ هُوَ
وَقَبِيۡلُهٗ مِنۡ حَيۡثُ لَا تَرَوۡنَهُمۡ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا الشَّيٰطِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ لِلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۲۷
وَاِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً قَالُوۡا وَجَدۡنَا عَلَيۡهَاۤ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلۡ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاۡمُرُ
بِالۡفَحۡشَآءِ ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۲۸ قُلۡ اَمَرَ رَبِّيۡ بِالۡقِسۡطِ ۗ وَاَقِيۡمُوۡا
وُجُوۡهَكُمۡ عِنۡدَ كُلِّ مَسۡجِدٍ وَّادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۚ كَمَا بَدَاَكُمۡ تَعُوۡدُوۡنَ ۝۲۹

فَرِيقًا هَدٰى وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا
وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ع

آیت ۲۶ ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ﴾ ''اے آدمؑ کی اولاد! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانپتا ہے اور آرائش وزیبائش کا سبب بھی ہے۔''

عربوں کے ہاں زمانہ جاہلیت کے غلط رسم ورواج اور نظریات میں سے ایک راہبانہ نظریہ یا تصور یہ بھی تھا کہ لباس انسانی جسم کے لیے خواہ مخواہ کا تکلف ہے اور یہ شرم کا احساس جو انسان نے اپنے اوپر اوڑھ رکھا ہے یہ بھی انسان کا خود اپنا پیدا کردہ ہے۔ اس نظریے کے تحت ان کے مرد اور عورتیں مادر زاد ننگے ہو کر کعبۃ اللہ کا طواف کرتے تھے اور اس فعل کو اعلیٰ درجے کی نیکی سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ نفیٔ ذات (self annihiliation) کا بہت بڑا مظاہرہ تھا اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قرب کا ایک خاص ذریعہ تھا۔ اس طرح کے خیالات ونظریات بعض معاشروں میں آج بھی پائے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی بعض ملنگ قسم کے لوگ لباس پر عریانی کو ترجیح دیتے ہیں، جبکہ عوام الناس عام طور پر ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں دراصل ایسے جاہلانہ نظریات کی نفی کی جا رہی ہے کہ تمہارے لیے لباس کا تصور اللہ تعالیٰ کا ودیعت کردہ ہے۔ یہ نہ صرف تمہاری ستر پوشی کرتا ہے بلکہ تمہارے لیے زیب وزینت کا باعث بھی ہے۔

﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ﴾ ''اور (اس سے بڑھ کر) تقویٰ کا لباس جو ہے وہ سب سے بہتر ہے۔''

سب سے بہتر لباس تقویٰ کا لباس ہے، اگر یہ نہ ہو تو بسا اوقات انسان لباس پہن کر بھی ننگا ہوتا ہے، جیسا کہ انتہائی تنگ لباس، جس میں جسم کے نشیب وفراز ظاہر ہو رہے ہوں یا عورتوں کا اس قدر باریک لباس جس میں جسم جھلک رہا ہو۔ ایسا لباس پہننے والی عورتوں کے بارے میں حضور ﷺ نے ''كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ'' کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، یعنی وہ عورتیں لباس پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں۔ ان کے بارے میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ یہ عورتیں جنت میں داخل ہونا تو درکنار جنت کی ہوا بھی نہ پا سکیں گی، جبکہ جنت کی ہوا پانچ سو سال کی مسافت سے بھی محسوس ہو جاتی ہے[۳]۔ چنانچہ لِبَاسُ التَّقْوٰى سے مراد ایک طرف تو یہ ہے کہ انسان جو لباس زیب تن کرے وہ حقیقی معنوں میں تقویٰ کا مظہر ہو اور دوسری طرف یہ بھی کہ انسانی شخصیت کی اصل زینت وہ لباس (سیرت وکردار) ہے جس کا تانا بانا شرم وحیا اور خدا خوفی سے بُنا گیا ہو۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝﴾ ''یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت اخذ کریں۔''

---

(۳) صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب النساء الکاسیات العاریات المائلات الممیلات۔ وموطأ مالك، کتاب الجامع، باب ما یکرہ للنساء لبسہ من الثیاب۔ راوی: ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

آیت ۲۷ ﴿یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْکُمْ مِّنَ الْجَنَّۃِ یَنْزِعُ عَنْھُمَا لِبَاسَھُمَا لِیُرِیَھُمَا سَوْاٰتِھِمَا ؕ﴾ ''اے بنی آدم (دیکھو اب) شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالنے پائے' جیسے کہ تمہارے والدین کو اُس نے جنت سے نکلوا دیا تھا (اور) اُس نے اُتروا دیا تھا اُن سے اُن کا لباس' تاکہ ان پر عیاں کردے ان کی شرمگاہیں۔''

﴿اِنَّہٗ یَرٰىکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ ؕ﴾ ''یقیناً وہ اور اُس کی ذریت وہاں سے تم پر نظر رکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔''

چونکہ ابلیس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت تک چھوٹ ملی ہوئی ہے لہٰذا وہ نہ صرف مسلسل زندہ ہے' بلکہ اُس نے اپنی اولاد اور اپنے نمائندوں کو اپنے ایجنڈے کی تکمیل کے لیے انسانوں کے درمیان پھیلا رکھا ہے۔ یہ جن شیاطین چونکہ غیر مرئی (invisible) مخلوق ہیں اس لیے وہ ایسی ایسی جگہوں پر ہماری گھات میں بیٹھے ہوتے ہیں اور ایسے ایسے طور طریقوں سے حملہ آور ہوتے ہیں جس کا ہلکا سا اندازہ بھی ہم نہیں کر سکتے۔

﴿اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾ ''ہم نے تو شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔''

جیسے گندگی اور مکھی کا فطری ساتھ ہے ایسے ہی شیطان اور منکرینِ حق کا یارانہ ہے۔ جس دل میں ایمان نہیں ہوگا اور وہ اللہ کے ذکر کے نور سے محروم ہوگا' وہ ''خانۂ خالی را دیومی گیرد'' کے مصداق شیطان ہی کا اڈہ بنے گا۔

آیت ۲۸ ﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْھَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا ؕ﴾ ''اور جب یہ لوگ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے پایا ہے یہی کچھ کرتے ہوئے اپنے آباء و اَجداد کو' اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔''

مشرکینِ عرب جب ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تو اس شرمناک فعل کا جواز پیش کرتے ہوئے کہتے کہ ہم نے اپنے آباء و اَجداد کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے اور یقیناً اللہ ہی نے اس کا حکم دیا ہوگا۔ یہ گویا ان کے نزدیک ایک ٹھوس' قرائنِ شہادت (circumstantial evidence) تھی کہ جب ایک رِیت اور رسم چلی آ رہی ہے تو یقیناً یہ سب کچھ اللہ کی مرضی اور اس کے حکم کے مطابق ہی ہو رہا ہوگا۔

﴿قُلْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا' تو کیا تم اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہو وہ کچھ جس کا تمہیں کوئی علم نہیں۔''

آیت ۲۹ ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ قف وَاَقِیْمُوْا وُجُوْھَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ''آپؐ کہیے کہ میرے ربّ نے تو حکم دیا ہے انصاف (اور عدل و توازن) کا' اور اپنے رُخ سیدھے کر لیا کرو ہر نماز کے وقت''

لفظ ''مَسْجِد'' اسم ظرفِ زمان بھی ہے اور اسم ظرفِ مکان بھی۔ بطور ظرفِ مکان سجدے کی جگہ مسجد ہے

اور بطور ظرفِ زمان سجدے کا وقت مسجد ہے۔

﴿وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ ''اور اُسی کو پکارا کرو اُسی کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔''

یعنی اللہ کو پکارنے اور اس سے دعا کرنے کی ایک لازمی شرط یہ ہے کہ اس کی کُلّی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کیا جائے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ' آیت ۱۸۶ میں روزے کے احکام اور حکمتوں کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ﴾ کہ میں تو ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں' اُس کی دعا کو قبول کرتا ہوں' لیکن انہیں بھی تو چاہیے کہ وہ میرا کہنا مانیں ـــــ اور یہ کہنا ماننا یا اطاعت جزوی طور پر قابلِ قبول نہیں' بلکہ اس کے لیے ﴿اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (البقرۃ: ۲۰۸) کا معیار سامنے رکھنا ہوگا' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں پورے پورے داخل ہونا ہوگا۔ یہی بات یہاں آیت زیر مطالعہ میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے کہ اپنی اطاعت کو اُسی کے لیے خالص کرتے ہوئے اسے پکارو۔ یعنی اس کی اطاعت کے دائرے کے اندر کُلّی طور پر داخل ہوتے ہوئے اس سے دعا کرو۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ انسان کو اپنی زندگی میں بے شمار اطاعتوں سے سابقہ پڑتا ہے' مثلاً والدین کی اطاعت' اساتذہ کی اطاعت' اولوالامر کی اطاعت' وغیرہ۔ اس میں بنیادی طور پر جو اصول مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ ''لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ'' یعنی مخلوق میں سے کسی کی ایسی اطاعت نہیں کی جائے گی جس میں خالق حقیقی کی معصیت لازم آتی ہو۔ اللہ کی اطاعت سب سے اوپر اور سب سے برتر رہے گی' باقی سب اطاعتیں اس کی اطاعت کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے ہوں گی۔ جہاں کسی کی اطاعت میں اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو تو ایسی اطاعت ناقابل قبول اور حرام ہوگی۔

﴿كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝۲۹﴾ ''جیسے اُس نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح تم دوبارہ بھی پیدا ہو جاؤ گے۔''

آیت ۳۰ ﴿فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ﴾ ''ایک گروہ کو اُس نے ہدایت دے دی ہے اور ایک گروہ وہ ہے جس کے اوپر گمراہی مسلط ہو چکی ہے۔''

یعنی جن لوگوں نے انکار کیا اور پھر اس انکار پر ڈٹ گئے وہ اپنی اس متعصّبانہ روش کی وجہ سے' اپنی ضد اور اپنی ہٹ دھرمی کے سبب' اپنے حسد اور تکبّر کے باعث گمراہی کے مستحق ہو چکے ہیں۔

﴿اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۳۰﴾ ''(اور یہ اس لیے کہ) انہوں نے شیطانوں کو اپنا ساتھی بنا لیا اللہ کو چھوڑ کر اور سمجھتے یہ ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔''

آیت ۳۱ ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ''اے آدمؑ کی اولاد! اپنی زینت استوار کیا کرو ہر نماز کے وقت''

یہاں اچھے لباس کو زینت کہا گیا ہے' جیسا کہ آیت ۲۶ میں لباس کو رِيْشًا فرمایا گیا تھا' یعنی لباس انسان کے لیے زیب و زینت کا ذریعہ ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ ابھی جن تین آیات (۲۶' ۲۷ اور

۳۱) میں لباس کا ذکر ہوا ہے' ان تینوں میں بنی آدم کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لباس کا معاملہ پوری نوعِ انسانی سے متعلق ہے۔ بہر حال اس آیت میں جو اہم حکم دیا جا رہا ہے وہ نماز کے وقت بہتر لباس زیب تن کرنے کے بارے میں ہے۔ ہمارے ہاں اس سلسلے میں عام طور پر اُلٹی روش چلتی ہے۔ دفتر اور عام میل ملاقات کے لیے تو عموماً بہت اچھے لباس کا اہتمام کیا جاتا ہے' لیکن مسجد جانا ہو تو میلے کُچیلے کپڑوں سے ہی کام چلا لیا جاتا ہے۔ لیکن یہاں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جب تمہیں میرے دربار میں آنا ہو تو پورے اہتمام کے ساتھ اچھا اور صاف ستھرا لباس پہن کر آیا کرو۔

﴿وَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۱﴾ ''اور کھاؤ اور پیو البتہ اسراف نہ کرو' یقیناً وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

یہ حکم بھی تمام بنی آدم کے لیے عام ہے کہ دنیا کی یہ چیزیں تمہارے لیے ہی بنائی گئیں ہیں' ان چیزوں سے جائز اور معروف طریقوں سے استفادہ کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے' البتہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے بے جا استعمال اور اسراف سے اجتناب ضروری ہے' کیونکہ اسراف اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ یہاں ایک طرف تو اسی رہبانی نظریہ کی نفی ہو رہی ہے جس میں اچھے کھانے' اچھے لباس اور زیب و زیبائش کو سرے سے اچھا نہیں سمجھا جاتا اور مفلسانہ وضع قطع اور ترکِ لذات کو روحانی ارتقاء کے لیے ضروری خیال کیا جاتا ہے' جبکہ دوسری طرف دُنیوی نعمتوں کے بے جا اسراف اور ضیاع کو سختی سے منع کر دیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں افراط و تفریط سے بچنے کے لیے ضروریاتِ زندگی کے اکتساب و تصرف کے معیار اور فلسفے کو اچھی طرح سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ایک مسلمان جہاں کہیں بھی رہتا بستا ہے اس کو دو صورتوں میں سے ایک صورتِ حال درپیش ہو سکتی ہے۔ اس کے ملک میں یا تو دین غالب ہے یا مغلوب۔ اب اگر آپ کے ملک میں اللہ کا دین مغلوب ہے تو آپ کا پہلا فرض یہ ہے کہ آپ اللہ کے دین کے غلبے کی جدوجہد کریں اور اس کے لیے کسی باقاعدہ تنظیم میں شامل ہو کر اپنا بیشتر وقت اور صلاحیتیں اس جدوجہد میں لگائیں۔ ایسی صورتِ حال میں دُنیوی طور پر ترقی کرنا اور پھلنا پھولنا آپ کی ترجیحات میں شامل ہی نہیں ہونا چاہیے' بلکہ آپ کی پہلی ترجیح اقامتِ دین کی جدوجہد ہونی چاہیے' اور سورۃ الانعام کی یہ آیت ماٹو کے طور پر ہر وقت آپ کے پیش نظر رہنی چاہیے: ﴿اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۶۲﴾۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مادی لحاظ سے بہت بہتر معیارِ زندگی کو برقرار نہیں رکھ سکیں گے۔ یہ اس لیے نہیں ہوگا کہ آپ رہبانیت یا ترکِ لذات کے قائل ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ دُنیا اور دُنیوی آسائشیں کمانے کے لیے نہ آپ کوشاں ہیں اور نہ ہی اس کے لیے آپ کے پاس وقت ہے۔ آپ تو شعوری طور پر ضروریاتِ زندگی کو کم سے کم معیار پر رکھ کر اپنی تمام تر صلاحیتیں' اپنا وقت اور اپنے وسائل دین کی سربلندی کے لیے کھپا رہے ہیں۔ یہ رہبانیت نہیں ہے بلکہ ایک مثبت جہادی نظریہ ہے۔ جیسے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قربانیاں دیں' سختیاں جھیلیں اور اپنے گھر بار دین کی سربلندی کے لیے چھوڑے۔ ظاہر ہے اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ آسمان سے فرشتوں کو نازل نہیں کرے گا' بلکہ یہ

کام انسانوں نے ہی کرنا ہے' یعنی مسلمانوں نے کرنا ہے۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جو لوگ انقلاب کے داعی بنے انہیں قربانیاں دینا پڑیں' کیونکہ کوئی بھی انقلاب قربانیوں کے بغیر نہیں آتا۔ لہٰذا اگر آپ واقعی اپنے دین کو غالب کرنے کے لیے انقلاب کے داعی بن کر نکلے ہیں تو آپ کا معیارِ زندگی خود بخود کم سے کم ہوتا چلا جائے گا۔

البتہ اگر آپ کے ملک میں دین غالب ہو چکا ہے' نظامِ خلافت قائم ہو چکا ہے' اسلامی فلاحی ریاست وجود میں آ چکی ہے تو دین کی مزید نشر و اشاعت' دعوت و تبلیغ اور نظامِ خلافت کی توسیع' عوامی فلاح و بہبود کی نگرانی' امن و امان کا قیام' ملکی سرحدوں کی حفاظت' یہ سب حکومت اور ریاست کی ذمہ داریاں ہیں۔ ایسی اسلامی ریاست میں ایک فرد کی ذمہ داری صرف اسی حد تک ہے جس حد تک حکومت کی طرف سے اسے مکلّف کیا جائے' چاہے وہ کسی ٹیکس کی صورت میں ہو یا کسی اور نوعیت کی ذمہ داری ہو۔ لیکن ایسی صورتِ حال میں ایک فرد' ایک عام شہری آزاد ہے کہ وہ دین کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی ذاتی زندگی اپنی مرضی سے گزارے۔ اچھا کمائے' اسراف سے بچتے ہوئے اپنے بچوں کے لیے بہتر معیارِ زندگی اپنائے' دُنیوی ترقی کے لیے محنت کرے' علمی و تحقیقی میدان میں اپنی صلاحیتوں کو آزمائے یا روحانی ترقی کے لیے مجاہدے کرے' تمام راستے اس کے لیے کھلے ہیں۔

آیات ۳۲ تا ۳۹

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳۲
قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ
تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۳ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ
اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۳۴ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا
يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۵ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ۝۳۶ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَنَالُهُمْ
نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝۳۷
قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ
اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ
اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۸ وَقَالَتْ
اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۳۹ ع ۸

آیت ۳۲ ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ! ان سے) پوچھیں کہ کس نے حرام کی ہے وہ زینت جو اللہ نے نکالی ہے اپنے بندوں کے لیے؟ اور (کس نے حرام کی ہیں) پاکیزہ چیزیں کھانے کی؟ آپ کہہ دیجیے یہ تمام چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی اہلِ ایمان کے لیے ہیں اور قیامت کے دن تو یہ خالصتاً ان ہی کے لیے ہوں گی۔''

دُنیا میں رہتے ہوئے تو بے شک اللہ تعالیٰ کے منکرین کو بھی اجازت ہے کہ وہ اُس کی نعمتوں میں سے کھا پی لیں، استفادہ کر لیں، مگر آخرت میں یہ تمام پاکیزہ چیزیں اہلِ ایمان کے لیے مختص ہوں گی اور کفار کو ان میں سے کوئی چیز نہیں ملے گی۔

﴿كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝﴾ ''اسی طرح ہم اپنی آیات کی وضاحت کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔''

آیت ۳۳ ﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میرے ربّ نے تو حرام قرار دیا ہے بے حیائی کی باتوں کو خواہ وہ اعلانیہ ہوں اور خواہ چھپی ہوئی ہوں''

بے حیائی خواہ چھپی ہوئی بھی ہو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

﴿وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ''اور (حرام کیا ہے اُس نے) گناہ کو اور ناحق زیادتی کو''

﴿وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ''اور یہ (بھی حرام ٹھہرایا ہے) کہ تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراؤ (کسی ایسی چیز کو) جس کے لیے اُس نے کوئی سند نہیں اتاری ہے اور یہ بھی کہ تم اللہ کی طرف منسوب کر و وہ چیز جس کا تم علم نہیں رکھتے۔''

آیت ۳۴ ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ﴾ ''اور ہر قوم کے لیے ایک وقت معیّن ہے۔''

یعنی جب کسی قوم کی طرف کوئی رسول آتا، تو ایک مقررہ مدت تک اُس قوم کو مہلت دی جاتی تاکہ وہ اس مدتِ مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے رسولؑ کی دعوت پر لبیک کہے اور صحیح راستے پر آجائے۔ اس مقررہ مدت کے دوران اس قوم کی نافرمانیوں کو بھی نظر انداز کیا جاتا۔ حضور ﷺ کی بعثت کے بعد مکہ میں بھی یہی معاملہ درپیش تھا۔ اہلِ مکہ کو مشیتِ خداوندی کے تحت مہلت دی جا رہی تھی۔ دوسری طرف اہلِ ایمان کی خواہش تھی کہ کفار کا فیصلہ جلد از جلد چکا دیا جائے۔ ان کے ذہنوں میں لازماً یہ سوال بار بار آتا تھا کہ آخر کفار کو اس قدر ڈھیل کیوں دی جا رہی ہے! اس پس منظر میں اس فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ اہلِ ایمان کا خیال اپنی جگہ درست سہی، لیکن ہماری حکمت کا تقاضا کچھ اور ہے۔ ہم نے اپنے رسول (ﷺ) کو مبعوث فرمایا ہے تو ساتھ ہی اس قوم کے لیے مہلت کی ایک خاص مدت بھی مقرر کی ہے۔ اس مقررہ گھڑی سے پہلے ان پر عذاب نہیں آئے گا۔ ہاں جب وہ گھڑی (اجل) آجائے گی تو پھر ہمارا فیصلہ مؤخر نہیں ہوگا۔ سورۃ الانعام کی آیت ۵۸ میں اسی حوالے سے فرمایا

گیا کہ اے نبی (ﷺ) آپ کفار پر واضح کر دیں کہ اگر میرے اختیار میں وہ چیز ہوتی جس کی تم لوگ جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان یہ فیصلہ کب کا چکایا جا چکا ہوتا۔

﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٤﴾﴾ ''پھر جب اُن کا وہ مقررہ وقت آ جائے گا تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکیں گے' نہ آگے کی طرف سرک سکیں گے۔''

اگلی دو آیات میں جو مضمون آیا ہے وہ ہم قبل ازیں سورۃ البقرۃ میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع میں حضرت آدم اور حضرت حواؑ کو زمین پر بھیجنے کے حکم کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ حکم بھی نقل فرمایا ہے: ﴿فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٩﴾﴾ ''تو جب بھی آئے تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت' تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ حزن سے دوچار ہوں گے۔ اور جو کفر کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے' وہ آگ والے (جہنمی) ہوں گے' اس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے''۔ اسی بات کو یہاں ایک دوسرے انداز سے بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۳۵ ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾﴾ ''اے بنی آدم! جب بھی تمہارے پاس آئیں رسول تم ہی میں سے جو تمہیں میری آیات سنائیں' تو جو کوئی بھی (ان کی دعوت کے جواب میں) تقویٰ کی روش اختیار کرے گا اور اصلاح کر لے گا تو ان کے لیے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ کسی غم سے دوچار ہوں گے۔''

آیت ۳۶ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾﴾ ''اور جو ہماری آیات کو جھٹلائیں گے اور تکبر کی بنا پر انہیں رد کر دیں گے وہی جہنمی ہوں گے' اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

آیت ۳۷ ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ﴾ ''پھر اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرے یا اُس کی آیات کو جھٹلائے!''

﴿اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ﴾ ''(لیکن دنیا میں) ان کو ملتا رہے گا اُن کا حصہ' اس میں سے جو (ان کے لیے) لکھا گیا ہے۔''

دنیا میں ان کے رزق وغیرہ کا سلسلہ ان کے کفر کی وجہ سے منقطع نہیں ہو گا' بلکہ دُنیوی زندگی میں وہ انہیں معمول کے مطابق ملتا رہے گا۔ یہ مضمون سورۂ بنی اسرائیل کے دوسرے رکوع میں واضح تر انداز میں آئے گا۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) آ جائیں گے ان (کی روحوں) کو قبض کرنے کے لیے تو وہ کہیں گے کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم پکارا کرتے تھے اللہ کے سوا؟''

اب کہاں ہیں وہ تمہارے خود ساختہ معبود جن کے سامنے تم ماتھے رگڑتے تھے اور جن کے آگے گڑگڑاتے ہوئے دعائیں کیا کرتے تھے؟

﴿قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ﴾ ''وہ کہیں گے کہ وہ سب تو ہم سے گم ہو گئے' اور وہ خود اپنے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ واقعتاً وہ کافر تھے۔''

آیت ۳۸ ﴿قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ﴾ ''اللہ فرمائے گا: اچھا شامل ہو جاؤ جنوں اور انسانوں کی اُن اُمتوں میں جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں آگ میں (داخل ہونے کے لیے)۔''

یعنی ایک ایک قوم کا حساب ہوتا چلا جائے گا اور مجرمین جہنم کے اندر جھونکے جاتے رہیں گے۔ پہلی نسل کے بعد دوسری نسل' پھر تیسری نسل و علیٰ ہٰذا القیاس۔ اس کے بعد وہاں وہ آپس میں جھگڑیں گے۔ بعد میں آنے والی ہر نسل کے مقابلے میں پہلی نسل کے لوگ بڑے مجرم ہوں گے' کیونکہ جو لوگ بدعات اور غلط عقائد کے موجد ہوتے ہیں اصل اور بڑے مجرم تو وہی ہوتے ہیں' ان ہی کی وجہ سے بعد میں آنے والی نسلیں بھی گمراہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید میں اہلِ جہنم کے جو مکالمات مذکور ہیں ان کے مطابق بعد میں آنے والے لوگ اپنے پہلے والوں پر لعنت کریں گے اور کہیں گے کہ تمہاری وجہ سے ہی ہم گمراہ ہوئے' لہٰذا تم لوگوں کو تو دوگنا عذاب ملنا چاہیے۔ اس طریقے سے وہ آپس میں ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے اور جھگڑیں گے۔

﴿كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا﴾ ''جب بھی کوئی امت (جہنم میں) داخل ہو گی تو وہ اپنے جیسی دوسری اُمت پر لعنت کرے گی۔''

﴿حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا﴾ ''یہاں تک کہ جب اس میں گر چکیں گے سب کے سب تو ان کے پچھلے کہیں گے اپنے اگلوں کے بارے میں کہ اے ہمارے ربّ! یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا''

دنیا میں تو یہ لوگ اپنی پہلی نسلوں کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ ہمارے آباء و اَجداد تھے' ہمارے قابلِ احترام اَسلاف تھے۔ یہ طور طریقے انہی کی ریتیں اور روایتیں ہیں۔ ان کی ان روایتوں کو ہم کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ لیکن وہاں جہنم میں اپنے انہی آباء و اَجداد کے بارے میں وہ علی الاعلان کہہ دیں گے کہ اے اللہ! یہی ہیں وہ بدبخت جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔

﴿فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ﴾ ''تو ان کو تو دوگنا عذاب دے آگ میں سے۔''

﴿قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اللہ فرمائے گا: (تم) سب کے لیے ہی دوگنا (عذاب) ہے' لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔''

جیسے یہ لوگ تمہیں گمراہ کر کے آئے تھے ویسے ہی تم بھی اپنے بعد والوں کو گمراہ کر کے آئے ہو اور یہ سلسلہ

دُنیا میں اسی طرح چلتا رہا۔ یہ تو تمہیں اُس وقت چاہیے تھا کہ اپنی عقل سے کام لیتے۔ میں نے تم سب کو عقل دی تھی، دیکھنے اور سننے کی صلاحیتیں دی تھیں، نیکی اور بدی کا شعور دیا تھا۔ تمہیں چاہیے تھا کہ ان صلاحیتوں سے کام لے کر برے بھلے کا خود تجزیہ کرتے اور اپنے آباء واَجداد اور لیڈروں کی اندھی تقلید نہ کرتے۔ لہٰذا تم میں سے ہر شخص اپنی تباہی و بربادی کا خود ذمہ دار ہے۔

آیت ۳۹ ﴿وَقَالَتۡ اُوۡلٰىهُمۡ لِاُخۡرٰىهُمۡ فَمَا كَانَ لَكُمۡ عَلَيۡنَا مِنۡ فَضۡلٍ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ ﴿۳۹﴾﴾ ''اور ان کے اگلے اپنے پچھلوں سے کہیں گے کہ تمہیں بھی تو ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہو سکی، لہٰذا اب چکھو مزہ عذاب کا اپنے کرتوتوں کے بدلے میں۔''

آیات ۴۰ تا ۴۳

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا عَنۡهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَـنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الۡجَمَلُ فِىۡ سَمِّ الۡخِيَاطِ‌ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنۡ فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ‌ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَاۤ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ‌ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعۡنَا مَا فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ‌ ۚ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِىَ لَوۡلَاۤ اَنۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ‌ ۚ لَـقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَـقِّ‌ ؕ وَنُوۡدُوۡۤا اَنۡ تِلۡكُمُ الۡجَـنَّةُ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾

آیت ۴۰ ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا عَنۡهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور تکبر کی بنا پر ان کو رد کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے کبھی نہیں کھولے جائیں گے''

اگرچہ یہ بات قطعی طور پر تو نہیں کہی جا سکتی، تاہم قرآن مجید میں کچھ اس طرح کے اشارات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم اِسی زمین پر برپا ہو گی اور ابتدائی نُزُل (مہمانی) والی جنت بھی یہیں پر بسائی جائے گی۔ قرآن کے فرمان ﴿وَاِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۝۱﴾ (الانشقاق) کی عملی کیفیت کو ذہن میں لانے سے یہ نقشہ تصور میں یوں آتا ہے کہ زمین کو جب کھینچا جائے گا تو یہ پچک جائے گی، جیسے ربڑ کی گیند کو کھینچا جائے تو وہ اندر کو پچک جاتی ہے۔ زمین کے پچکنے سے اس کے اندر کا سارا لاوا باہر نکل آئے گا جو جہنم کی شکل اختیار کر لے گا (واللہ اعلم)۔ احادیث میں مذکور ہے کہ روزِ محشر میدانِ عرفات کو کھول کر وسیع کر دیا جائے گا اور یہیں پر حشر ہو گا۔ ﴿وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝۲۲﴾ (الفجر) کے الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ پروردگار شانِ اجلال کے ساتھ نزول فرمائیں گے، فرشتے بھی فوج در فوج آئیں گے اور یہیں پر حساب کتاب ہو گا۔ گویا ''قصۂ زمین

برسرِ زمین" والا معاملہ ہوگا۔ اہل بہشت کی ابتدائی مہمان نوازی بھی یہیں ہوگی' لیکن پھر اہلِ جنت اپنے مراتب کے اعتبار سے درجہ بدرجہ اوپر کی جنتوں میں چڑھتے چلے جائیں گے' جبکہ اہلِ جہنم یہیں کہیں رہ جائیں گے' ان کے لیے آسمانوں کے دروازے کھولے ہی نہیں جائیں گے۔

﴿وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ "اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے گزر جائے۔"

اس اسلوب کو اصطلاح میں "تعلیق بالمحال" کہا جاتا ہے۔ نہ یہ ممکن ہوگا کہ سوئی کے ناکہ میں سے اونٹ گزر جائے اور نہ ہی کفار کے لیے جنت میں داخل ہونے کی کوئی صورت پیدا ہوگی۔ بالکل یہی محاورہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک جگہ استعمال کیا ہے۔ آپؑ کے پاس ایک دولت مند شخص آیا اور آپؑ کی تعلیمات کے بارے میں سوال کیا۔ آپؑ نے اسے چند اوامر ونواہی بتائے کہ خون نہ کر' زنا نہ کر' چوری نہ کر' جھوٹی گواہی نہ دے۔ اپنے ماں باپ کی عزت کر اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔ اُس شخص نے کہا کہ میں نے ان سب پر عمل کیا ہے' اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے؟ یسوع نے اُس سے کہا: اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا اپنا مال و اسباب بیچ کر غریبوں کو دے۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا اور آ کر میرے پیچھے ہولے۔ مگر وہ جوان یہ بات سن کر غمگین ہو کر چلا گیا کیونکہ بڑا مال دار تھا۔ اس پر آپؑ نے اپنے شاگردوں سے کہا: میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔ (متی ۱۹:۱۸۔۲۴) —— یہاں یہ واقعہ قرآن میں مذکور محاورے کے حوالے سے برسبیل تذکرہ آ گیا ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان کو کسی معاملے میں بطورِ دلیل پیش کرنا مقصود نہیں۔

﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۰﴾ "اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں مجرموں کو۔"

آیت ۴۱ ﴿لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱﴾ "اُن کے لیے جہنم ہی کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا ہوگا۔ اور اسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیں گے۔"

اہلِ جہنم کے لیے آگ کے گدے ہوں گے بچھانے کو اور اسی کے لحاف ہوں گے اوڑھنے کو۔ اور اسی آگ کے اندر ان کا گزر بسر ہوگا۔

آیت ۴۲ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۴۲﴾ "اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے —— ہم کسی جان کو ذمہ دار نہیں ٹھہرائیں گے مگر اُس کی وسعت کے مطابق —— وہی ہوں گے جنت والے' اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔"

یہ مضمون سورۃ البقرۃ کی آخری آیت میں بھی آ چکا ہے۔ اب یہاں پھر دہرایا گیا ہے کہ آخرت کا محاسبہ انفرادی طور پر ہوگا اور ہر فرد کی صلاحیتوں اور اُس کو ودیعت کی گئی نعمتوں کے عین مطابق ہوگا۔ کسی کی استطاعت

سے زیادہ کی ذمہ داری اس پر نہیں ڈالی جائے گی۔

آیت ۴۳ ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ ''اور ہم نکال دیں گے جو کچھ ان کے سینوں میں ہو گا (ایک دوسرے کی طرف سے) کوئی میل''

اہلِ ایمان بھی آخر انسان ہیں۔ باہمی معاملات میں ان کو بھی ایک دوسرے سے گلے اور شکوے ہو سکتے ہیں اور شکوک و شبہات ان کے دلوں میں بھی جنم لے سکتے ہیں۔ دینی جماعتوں کے اندر بھی کسی مامور کو امیر سے' امیر کو کسی مامور سے یا ایک رفیق کو دوسرے رفیق سے شکایت ہو سکتی ہے۔ کچھ ایسے گلے شکوے بھی ہو سکتے ہیں جو دنیا کی زندگی میں ختم نہ ہو سکے ہوں گے۔ ایسے گلے شکووں کے ضمن میں قرآن حکیم میں کئی مرتبہ فرمایا گیا کہ اہل جنت کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے ان کے دلوں کو ایسی تمام آلائشوں سے پاک کر دیا جائے گا اور وہ لوگ باہم بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے روبرو بیٹھیں گے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾﴾ (الحجر) ''اور ہم نکال دیں گے ان کے سینوں میں سے جو کچھ بھی کدورت ہو گی بھائی بھائی بن کر (وہ بیٹھے ہوں گے) تختوں پر آمنے سامنے''۔ ''غِلّ'' اُس کینے اور بغض کو کہا جاتا ہے جو سینوں میں مستور ہو۔ چنانچہ اہلِ ایمان کو سورۃ الحشر میں یہ دعا بھی تلقین کی گئی ہے: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰﴾﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تو ہمارے اور ہمارے اُن بھائیوں کے گناہ معاف فرما دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور اہل ایمان میں سے کسی کے لیے بھی ہمارے دل میں کوئی کدورت باقی نہ رہنے دے' بے شک تو رؤف اور رحیم ہے''۔

دورِ فتن میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی باہمی رنجشیں اور کدورتیں پیدا ہو گئی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''مجھے اُمید ہے کہ میں' عثمان' طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم اُن لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾'' (ابن کثیر)

﴿تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ ''اور اُن (کے بالاخانوں) کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔''

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ ''اور وہ کہیں گے کُل شکر اور کُل تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا' اور ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر اللہ ہی نے ہمیں نہ پہنچا دیا ہوتا۔ یقیناً ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے تھے۔''

﴿وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْکُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾﴾ ''اور (تب) انہیں پکارا جائے گا کہ یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث بنا دیے گئے ہو اپنے اعمال کی وجہ سے۔''

بندے کا مقامِ عبدیت اسی بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اللہ کے انعام و اکرام پر سراپا شکر بن کر پکار اٹھے کہ اے اللہ میں اس لائق نہیں تھا' میرے اعمال ایسے نہیں تھے' میں اپنی کوشش کی بنیاد پر کبھی بھی اس کا مستحق نہیں ہو سکتا تھا' یہ سارا تیرا فضل و کرم' تیری عطا اور تیری دَین ہے' جبکہ اللہ تعالیٰ بندے کے حُسنِ نیت اور اعمالِ صالحہ کی

قدر افزائی کرتے ہوئے ارشاد فرمائے گا کہ میرے بندے! تو نے دنیا میں خلوصِ نیت سے حق کا راستہ چنا تھا' اس میں تو نے محنت بھی کی' نقصان بھی برداشت کیا' اور باطل کا مقابلہ کرنے میں تکالیف بھی اٹھائیں۔ لہٰذا آج کا یہ مقام تیری محنت کا انعام' تیری کوشش کا ثمر اور تیرے ایثار کا صلہ ہے۔ چنانچہ بندے کی کوشش و محنت اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم دونوں چیزیں مل کر ہی بندے کی دائمی فلاح کو ممکن بناتی ہیں۔ ہم ایک نیک کام کا ارادہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نیت کے خلوص کو دیکھتے ہوئے اس کام کی توفیق دے دیتا ہے اور اسے ہمارے لیے آسان کر دیتا ہے۔ اگر ہم ارادہ ہی نہیں کریں گے تو اللہ کی طرف سے توفیق بھی نہیں ملے گی۔ اسی طرح اللہ کی توفیق و تیسیر کے بغیر محض ارادے سے بھی ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

آیات ۴۴ تا ۵۳

وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ
وَجَدۡتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى
الظّٰلِمِيۡنَ ۙ﴿۴۴﴾ الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ
كٰفِرُوۡنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيۡنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ يَّعۡرِفُوۡنَ كُلًّاۢ بِسِيۡمٰهُمۡ ۚ وَنَادَوۡا
اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ ۟ لَمۡ يَدۡخُلُوۡهَا وَهُمۡ يَطۡمَعُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتۡ
اَبۡصَارُهُمۡ تِلۡقَآءَ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوۡا رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰۤى ۵ ع ۸ ۱۴
اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا يَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَمَا كُنۡتُمۡ
تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَۤاءِ الَّذِيۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ ؕ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ لَا
خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ اَفِيۡضُوۡا
عَلَيۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۙ﴿۵۰﴾ الَّذِيۡنَ
اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَهۡوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا ۚ فَالۡيَوۡمَ نَنۡسٰٮهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ
يَوۡمِهِمۡ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدۡ جِئۡنٰهُمۡ بِكِتٰبٍ فَصَّلۡنٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ
هُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا تَاۡوِيۡلَهٗ ؕ يَوۡمَ يَاۡتِىۡ تَاۡوِيۡلُهٗ يَقُوۡلُ
الَّذِيۡنَ نَسُوۡهُ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ ۚ فَهَلۡ لَّنَا مِنۡ شُفَعَآءَ
فَيَشۡفَعُوۡا لَنَاۤ اَوۡ نُرَدُّ فَنَعۡمَلَ غَيۡرَ الَّذِىۡ كُنَّا نَعۡمَلُ ؕ قَدۡ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَضَلَّ
عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۳﴾ ۶ ع ۶ ۱۳

آیت ۴۴ ﴿وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا﴾ ''اور جنتی لوگ پکار کر کہیں گے جہنمیوں سے کہ ہم نے تو وہ وعدہ بالکل سچا پایا ہے جو ہمارے ربّ نے ہم سے کیا تھا''

جن نعمتوں کا اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا تھا وہ ہمیں مل گئیں۔ اس کا وعدہ ہمارے حق میں سچ ثابت ہوا۔

﴿فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ﴾ ''تو کیا تم نے بھی سچا پایا ہے وہ وعدہ جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ ہاں!''

اہلِ جہنم جواب دیں گے کہ ہاں! ہمارے ساتھ بھی جو وعدے کیے گئے تھے وہ بھی سب پورے ہو گئے۔ جو وعیدیں ہمیں دنیا میں سنائی جاتی تھیں' عذاب کی جو مختلف شکلیں بتائی جاتی تھیں' وہ سب کی سب حقیقت کا روپ دھار کر ہمارے سامنے موجود ہیں اور اس وقت ہم ان میں گھرے ہوئے ہیں۔

﴿فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾﴾ ''تو (اُس وقت) پکارے گا ایک پکارنے والا ان کے مابین کہ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔''

آیت ۴۵ ﴿الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ﴾ ''وہ لوگ جو روکتے تھے (اور خود بھی رُکتے تھے) اللہ کے راستے سے اور اس (راستے) میں کجی نکالتے تھے''

نہ صرف یہ کہ وہ خود ایمان نہیں لائے تھے' بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس راستے سے روکنے کی حتی الوسع کوشش کرتے تھے۔ اگر کسی شخص کو حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی محفل کی طرف جاتے دیکھتے تو اسے ورغلانے اور بہکانے کے درپے ہو جاتے تھے کہ کہیں وہ آپ ﷺ کی باتوں سے متاثر ہو کر ایمان نہ لے آئے۔

﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾﴾ ''اور یہ لوگ آخرت کے منکر تھے۔''

آیت ۴۶ ﴿وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ﴾ ''اور ان (جنتیوں اور جہنمیوں) کے مابین ایک پردے کی دیوار ہو گی۔''

اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے درمیان ہونے والی گفتگو کا نقشہ زیادہ واضح طور پر سورۃ الحدید میں کھینچا گیا ہے۔ وہاں (آیت نمبر ۱۳ میں) اس حجاب یا پردے کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ﴾ یعنی ایک طرف جنت اور دوسری طرف دوزخ ہو گی اور درمیان میں فصیل ہو گی جس میں ایک دروازہ بھی ہو گا۔

﴿وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ﴾ ''اور دیوار کی برجیوں پر کچھ لوگ ہوں گے جو ہر ایک کو ان کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے۔''

یہ اصحابِ اعراف اہلِ جنت کو بھی پہچانتے ہوں گے اور اہلِ جہنم کو بھی۔ قلعوں کی فصیلوں کے اوپر اطراف و جوانب پر نظر رکھنے کے لیے عام طور پر جو بُرج اور جھروکے بنے ہوتے ہیں انہیں ''عرف'' (جمع اَعراف) کہا جاتا ہے۔ دوزخ اور جنت کی درمیانی فصیل پر بھی کچھ بُرج اور جھروکے ہوں گے جہاں سے جنت و دوزخ کے مناظر کا مشاہدہ ہو سکے گا۔ ان پر وہ لوگ ہوں گے جو دنیا میں بین بین چلتے رہے تھے' یعنی کسی طرف بھی یکسو ہو کر نہیں رہے تھے۔ ان کے اعمال ناموں میں نیکیاں اور بداعمالیاں برابر ہو جائیں گی' جس کی وجہ سے ایک وقت تک انہیں جنت میں بھیجنے یا جہنم میں جھونکنے کا فیصلہ نہیں ہوا ہو گا۔

﴿وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝۴۶﴾ ''اور وہ (اصحابِ اعراف) جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ آپ پر سلامتی ہو! وہ اس (جنت) میں ابھی داخل نہیں ہوئے ہوں گے' مگر انہیں اس کی بہت خواہش ہوگی۔''

وہ اہلِ جنت کو دیکھ کر انہیں بطور مبارک باد سلام کہیں گے اور ان کی اپنی شدید خواہش اور آرزو ہوگی کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی جلد از جلد جنت میں داخل کر دے' جو آخر کار پوری کر دی جائے گی۔

آیت ۴۷ ﴿وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۷﴾ ''اور جب ان کی نگاہیں پھیری جائیں گی اہلِ جہنم کی طرف تو (اُس وقت) وہ کہیں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ کر دیجیو۔''

جنت کے نظارے کے بعد ان کو جہنم کا منظر بھی دکھایا جائے گا' کہ اب ذرا جہنمیوں کی کیفیت کا بھی مشاہدہ کرلو۔ یہ لوگ ابھی تک ''بین الخوف والرجاء'' کی کیفیت میں ہوں گے۔ انہیں جنت میں داخلے کی امید بھی ہوگی اور جہنم میں جھونکے جانے کا خوف بھی۔ اس لیے جب وہ اہلِ جنت کی طرف دیکھیں گے تو انہیں سلام کہیں گے اور ساتھ ہی ان کے دلوں میں اُمنگیں اور تمنائیں بھی جاگ اٹھیں گی کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی ان کے ساتھ شامل کر دے۔ لیکن دوسری طرف جب اہلِ جہنم پر ان کی نظر پڑے گی تو فریاد کریں گے کہ اے پروردگار! ہم پر رحم فرمائیو اور ہمیں ان ظالم لوگوں کا ساتھی نہ بنائیو!

آیت ۴۸ ﴿وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۴۸﴾ ''اور پکاریں گے اہلِ اعراف (اہلِ جہنم میں سے) ان لوگوں کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے ان کی نشانی سے' کہیں گے کہ تمہارے کچھ کام نہ آئی تمہاری جمعیت اور (نہ وہ) جو کچھ تم تکبّر کیا کرتے تھے۔''

وہ انہیں یاد دلائیں گے کہ وہ تمہارے حاشیہ نشین' تمہارے وہ لاؤ لشکر' تمہارا وہ غرور و تکبر' وہ جاہ و حشم سب کہاں گئے؟ اے ابوجہل! یہ تیرے ساتھ کیا ہوا؟ اور اے ولید بن مغیرہ! یہ تیرا کیا انجام ہوا؟

آیت ۴۹ ﴿اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ﴾ ''کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ نہیں نوازے گا انہیں اللہ اپنی کسی رحمت سے!''

اصحابِ اعراف کو جنت والوں میں فقراءِ صحابہؓ بھی نظر آئیں گے' وہاں وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھیں گے' وہاں ان کی نظر حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہ پر بھی پڑے گی۔ چنانچہ وہ ان اصحابِ جنت کی طرف اشارہ کر کے جہنمیوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہی وہ لوگ تھے جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کسی طرح بھی ہم پر فضیلت نہیں دے سکتا' ان تک اللہ کی کوئی رحمت پہنچ ہی نہیں سکتی۔ ظاہر ہے تمہارے زعم میں تو وہ مفلس اور نادار تھے' گھٹیا طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور گرے پڑے لوگ تھے! اور تم

تھے کہ اُس وقت ان کے مقابلے میں اپنی دولت' حیثیت' وجاہت اور طاقت کے بل پر اکڑا کرتے تھے۔

﴿اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ۝۴۹﴾ ''(ان سے تو کہہ دیا گیا ہے کہ) داخل ہو جاؤ جنت میں' نہ تم پر کوئی خوف ہے اور نہ تم کسی غم سے دوچار ہو گے۔''

آیت ۵۰ ﴿وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ النَّارِ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ اَفِيۡضُوۡا عَلَيۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ﴾ ''اور جہنم والے آواز دیں گے جنت والوں کو کہ کچھ تو بہا دو ہماری طرف پانی میں سے یا اس رزق میں سے (کچھ دے دو) جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔''

﴿قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۝۵۰﴾ ''وہ کہیں گے کہ اللہ نے حرام کر دی ہیں یہ دونوں چیزیں (جنت کا پانی اور رزق) کافروں پر۔''

اہلِ جنت جواب دیں گے کہ ہم تو شاید یہ چیزیں تم لوگوں کو دینا بھی چاہتے' کیونکہ ہماری شرافت سے تو یہ بعید تھا کہ تمہیں کورا جواب دیتے' لیکن کیا کریں' اللہ نے کافروں کے لیے جنت کی یہ سب چیزیں حرام کر دی ہیں' لہٰذا ہم یہ نعمتیں تمہاری طرف نہیں بھیج سکتے۔

آیت ۵۱ ﴿الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَهُمۡ لَهۡوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا ۚ﴾ ''(ان کے لیے) جنہوں نے اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنا لیا تھا اور انہیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں مبتلا کر دیا تھا۔''

﴿فَالۡيَوۡمَ نَنۡسٰىهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ يَوۡمِهِمۡ هٰذَا ۙ﴾ ''لہٰذا آج کے دن ہم بھی انہیں نظر انداز کر دیں گے' جیسا کہ انہوں نے اس دن کی ملاقات کو بھلائے رکھا تھا''

لفظ ''نسیان'' کے ایک معنی تو ہیں بھول جانا' جبکہ اس کے دوسرے معنی ہیں جان بوجھ کر نظر انداز کرنا۔

﴿وَمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ۝۵۱﴾ ''اور جیسا کہ وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے تھے۔''

آیت ۵۲ ﴿وَلَقَدۡ جِئۡنٰهُمۡ بِكِتٰبٍ فَصَّلۡنٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ هُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ۝۵۲﴾ ''اور ہم لے آئے ہیں ان کے پاس ایک کتاب' جس کی ہم نے پوری تفصیل بیان کر دی ہے علمِ قطعی کی بنیاد پر' ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ان لوگوں کے لیے جو ایمان لے آئیں۔''

آیت ۵۳ ﴿هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا تَاۡوِيۡلَهٗ ؕ﴾ ''یہ کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں سوائے اس کی حقیقت کے مشاہدے کے!''

یعنی کیا یہ لوگ آیاتِ عذاب کے عملی ظہور کا انتظار کر رہے ہیں؟ کیا یہ انتظار کر رہے ہیں کہ وقفہ مہلت کا یہ بند ٹوٹ جائے اور واقعتاً ان کے اوپر عذاب کا دھارا چھوٹ پڑے۔ کیا یہ لوگ اپنے لیے ایسے بھیانک انجام کا انتظار کر رہے ہیں؟

﴿يَوۡمَ يَاۡتِىۡ تَاۡوِيۡلُهٗ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ نَسُوۡهُ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ ۚ﴾ ''جس دن اس کا مصداق ظاہر ہو جائے گا تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پہلے اسے نظر انداز کیے رکھا تھا کہ یقیناً

ہمارے پروردگار کے رسول حق کے ساتھ آئے تھے۔''

﴿فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ﴾ ''تو کیا (اب) ہیں ہمارے لیے کوئی شفاعت کرنے والے کہ ہماری شفاعت کریں یا کوئی صورت کہ ہمیں (دنیا میں) لوٹا دیا جائے تاکہ ہم عمل کریں اس کے برعکس جو کچھ (پہلے) ہم کرتے رہے تھے!''

﴿قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾﴾ ''وہ تو اپنے آپ کو برباد کر چکے اور جو افترا وہ کرتے رہے تھے وہ ان سے گم ہو گیا۔''

اُس دن وہ لوگ دوبارہ دنیا میں جانے کی خواہش کریں گے' لیکن تب انہیں اس طرح کا کوئی موقع فراہم کیے جانے کا کوئی امکان نہیں ہوگا۔

آیات ۵۴ تا ۵۸

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۵ / ۱۴

آیت ۵۴ ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۫﴾ ''بیشک تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے پیدا کیے آسمان اور زمین چھ دنوں میں' پھر وہ متمکن ہوا عرش پر۔''

عرش کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کے عرش پر متمکن ہونے کی کیفیت ہمارے تصور سے بالاتر ہے۔ اس کی اصل حقیقت کو اللہ ہی جانتا ہے۔ ممکن ہے واقعتاً یہ کوئی مجسّم شے ہو اور کسی خاص جگہ پر موجود ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محض استعارہ ہو۔ عالم غیب کی خبریں دینے والی اس طرح کی قرآنی آیات مستقل طور پر آیاتِ متشابہات کے زمرے میں آتی ہیں۔ البتہ جن آیات میں بعض سائنسی حقائق بیان ہوئے ہیں' ان میں سے اکثر کی صداقت

سائنسی ترقی کے باعث منکشف ہو چکی ہے' اور وہ ''محکمات'' کے درجے میں آ چکی ہیں۔ اس سلسلے میں آئندہ تدریجاً مزید پیش رفت کی توقع بھی ہے۔ (واللہ اعلم!)

﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيْثًا ۙ﴾ ''وہ ڈھانپ دیتا ہے رات کو دن پر (یا رات کو ڈھانپ دیتا ہے دن سے) جو اُس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا''

دن رات کے پیچھے آتا ہے اور رات دن کے پیچھے آتی ہے۔

﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ﴾ ''اور اُس نے سورج' چاند اور ستارے پیدا کیے جو اُس کے حکم سے اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔''

سورج' چاند اور ستاروں کے مسخر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی قاعدہ یا قانون ان کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے' وہ اس کی اطاعت کر رہے ہیں۔

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ اُسی کے لیے ہے خلق اور (اُسی کے لیے ہے) امر۔''

اس جملے کا سادہ اور عام فہم مفہوم تو یہ ہے کہ یہ کائنات اللہ نے تخلیق کی ہے اور اب اس میں اُسی کا حکم کارفرما ہے۔ یعنی احکامِ طبیعیہ بھی اُسی کے بنائے ہوئے ہیں جن کے مطابق کائنات کا نظام چل رہا ہے' اور احکامِ تشریعیہ (اوامر و نواہی) بھی اُسی نے اتارے ہیں کہ انسان ان کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔ مگر اس کا فلسفیانہ اور گہرا مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں تخلیق دو سطح پر ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ دو الگ الگ عالم ہیں' ایک عالمِ خلق ہے اور دوسرا عالمِ اَمر۔ عالمِ اَمر میں عدمِ محض سے تخلیق (creation ex nihilio) ہوتی ہے اور اس میں تخلیق کے لیے بس ''کُن'' کہا جاتا ہے تو مطلوبہ چیز وجود میں آجاتی ہے (فَيَكُوْن)۔ اس کے لیے نہ وقت درکار ہے اور نہ کسی مادے کی ضرورت ہوتی ہے۔ فرشتوں' انسانی ارواح اور وحی کا تعلق عالم امر سے ہے۔ اسی لیے ان کے سفر کرنے کے لیے بھی کوئی وقت درکار نہیں ہوتا۔ فرشتہ آنکھ جھپکنے میں زمین سے ساتویں آسمان پر پہنچ جاتا ہے۔

دوسری طرف عالمِ خلق میں ایک شے سے کوئی دوسری شے طبعی قوانین اور قواعد و ضوابط کے مطابق بنتی ہے۔ اس میں مادہ بھی درکار ہوتا ہے اور وقت بھی لگتا ہے۔ جیسے رحم مادر میں بچے کی تخلیق میں کئی ماہ لگتے ہیں۔ آم کی گٹھلی سے پودا اُگنے اور بڑھ کر درخت بننے کے لیے کئی سال کا وقت درکار ہوتا ہے۔ عالمِ خلق میں جب زمین اور آسمانوں کی تخلیق ہوئی تو قرآن کے مطابق یہ چھ دنوں میں مکمل ہوئی۔ (یہ آیت بھی ابھی تک متشابہات میں سے ہے' اگرچہ اس کے بارے میں اب جلد حقیقت منکشف ہونے کے امکانات ہیں۔) چھ دنوں کی حقیقت کے بارے میں اللہ ہی جانتا ہے کہ اس سے کتنا زمانہ مراد ہے۔ ممکن ہے یہ دورانیہ کئی لاکھ سال پر محیط ہو۔ خود قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ایک دن ہمارے ایک ہزار سال کا بھی ہو سکتا ہے (سورۃ السجدۃ' آیت ۵) اور پچاس ہزار سال کا بھی (سورۃ المعارج' آیت ۴)۔

یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ اس میں انتہائی پیچیدہ علمی نکات کو بھی سادہ الفاظ اور عام فہم پیرائے میں بیان کر دیا جاتا ہے کہ ایک عمومی ذہنی سطح کا آدمی بھی اسے پڑھ کر مطمئن ہو جاتا ہے' جبکہ ایک فلسفی و حکیم انسان کو

اسی نکتے کے اندر علم و معرفت کا بحرِ بے کراں موجزن نظر آتا ہے۔ چنانچہ پندرہ سو سال پہلے صحرائے عرب کے ایک بدو کو اس آیت کا یہ مفہوم سمجھنے میں کوئی الجھن محسوس نہیں ہوئی ہو گی کہ یہ کائنات اللہ کی تخلیق ہے اور اسی کو حق ہے کہ اس پر اپنا حکم چلائے۔ مگر جب ایک صاحبِ علم محقق اس لفظ ''امر'' پر غور کرتا ہے اور یہ جاننے کے لیے قرآن مجید میں غوطہ زنی کرتا ہے کہ یہ لفظ ''امر'' قرآن مجید میں کہاں کہاں' کن کن معانی میں استعمال ہوا ہے' اور پھر ان تمام مطالب و مفاہیم کو آپس میں مربوط کر کے دیکھتا ہے تو اس پر بہت سے علمی حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ بہر حال ''عالمِ خلق'' ایک الگ عالم ہے اور ''عالمِ اَمر'' الگ' اور اِن دونوں کے قوانین و ضوابط بھی الگ الگ ہیں۔

﴿تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۝۵۴﴾ ''بہت بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا رب ہے۔''

آیت ۵۵ ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۝۵۵﴾ ''پکارتے رہا کرو اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور چپکے چپکے' یقیناً وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

گویا زیادہ بلند آواز سے دعا مانگنا اللہ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے۔

آیت ۵۶ ﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ﴾ ''اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت مچاؤ اور اللہ کو پکارا کرو خوف اور امید کے ساتھ۔''

اللہ کو پکارنے' اس سے دعا کرنے کے دو پہلو (dimensions) پہلے بتائے گئے کہ اللہ کو جب پکارو تو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے دل میں پکارو۔ اب اس ضمن میں مزید فرمایا گیا کہ اللہ کے ساتھ تمہارا معاملہ ہمیشہ ''بین الخوف والرجاء'' رہنا چاہیے۔ ایک طرف خوف کا احساس بھی ہو کہ اللہ پکڑ نہ لے' کہیں سزا نہ دے دے' اور دوسری طرف اس کی مغفرت اور رحمت کی قوی امید بھی دل میں ہو۔ لہٰذا فرمایا کہ اللہ سے دعا کرتے ہوئے تمہاری دلی اور روحانی کیفیت ان دونوں کے بین بین ہونی چاہیے۔

﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۝۵۶﴾ ''یقیناً اللہ کی رحمت اہلِ احسان بندوں کے بہت ہی قریب ہے۔''

آیت ۵۷ ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ﴾ ''اور وہی ہے جو بھیجتا ہے ہوائیں بشارت دیتی ہوئی' اس کی رحمت کے آگے آگے۔''

یعنی ابرِ رحمت سے پہلے ہواؤں کے ٹھنڈے جھونکے گویا بشارت دے رہے ہوتے ہیں کہ بارش آنے والی ہے۔ اس کیفیت کا صحیح ادراک کرنے کے لیے کسی ایسے خطے کا تصور کیجیے جہاں زمین مردہ اور بے آب و گیاہ پڑی ہے' لوگ آسمان کی طرف نظریں لگائے بارش کے منتظر ہیں۔ اگر وقت پر بارش نہ ہوئی تو بیج اور محنت دونوں ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بارانِ رحمت کی نوید سنانے لگیں تو وہاں کے باسیوں کے لیے اس سے بڑی بشارت اور کیا ہو گی۔

﴿حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا﴾ ”یہاں تک کہ وہ ہوائیں اٹھالاتی ہیں بڑے بڑے بھاری بادل“
یہ بادل کس قدر بھاری ہوتے ہوں گے' ان کا وزن انسانی حساب وشمار میں آنا ممکن نہیں۔ ظاہر ہے اللہ کی قدرت اور اس کی حکمت ہی کے سبب لاکھوں ٹن پانی کو ہوائیں روئی کے گالوں کی طرح اڑائے پھرتی ہیں۔

﴿سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ ”تو ہم ہانک دیتے ہیں اس (بادل) کو ایک مُردہ زمین کی طرف“
ہوائیں ہمارے حکم سے اس بادل کو کسی بے آب وگیاہ وادی کی طرف لے جاتی ہیں اور بارانِ رحمت اس وادی میں ایک نئی زندگی کی نوید ثابت ہوتی ہے۔

﴿فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ﴾ ”پھر ہم اس سے پانی برساتے ہیں اور پھر اس سے ہر طرح کے میوے نکال لاتے ہیں۔“
بارش کے بعد وہ خشک اور مردہ زمین گھاس' فصلوں اور پھلدار پودوں کی روئیدگی کی شکل میں اپنے خزانے اُگل دیتی ہے۔

﴿كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۵۷﴾ ”اسی طرح ہم مُردوں کو نکال لائیں گے (زمین سے) تاکہ تم نصیحت اخذ کرو۔“
دراصل بادلوں اور ہواؤں کے مظاہر کی تفصیل بیان کر کے یہاں ایک عام ذہن کو تشبیہ کے ذریعے سے بعث بعد الموت کی حقیقت کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے۔ یعنی مردہ زمین کو دیکھو! اس کے اندر زندگی کے کچھ بھی آثار باقی نہیں رہے تھے' حشرات الارض اور پرندے تک وہاں نظر نہیں آتے تھے' اس زمین کے باسی بھی مایوس ہو چکے تھے' لیکن اس مردہ زمین پر جب بارش برسی تو یکایک اس میں زندگی پھر سے عود کر آئی اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ؏ ”مگر اب زندگی ہی زندگی ہے موجزن ساقی!“ کی مجسّم تصویر بن گئی۔ بنجر زمین ہریالی کی سبز پوشاک پہن کر دلہن کی طرح سج گئی۔ حشرات الارض کا اژدہام! پرندوں کی زمزمہ پردازیاں! اس کے باسیوں کی رونقیں! گویا بارش کے طفیل زندگی پوری چہل پہل کے ساتھ وہاں جلوہ گر ہو گئی۔ اس آسان تشبیہ سے ایک عام ذہنی استعداد رکھنے والے انسان کو حیات بعد الموت کی کیفیت آسانی سے سمجھ میں آ جانی چاہیے کہ زمین کے اندر پڑے ہوئے مردے بھی گویا بیجوں کی مانند ہیں۔ جب اللہ کا حکم آئے گا' یہ بھی نباتات کی مانند پھوٹ کر باہر نکل آئیں گے۔

آیت ۵۸ ﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ﴾ ”اور زرخیز زمین تو اپنے رب کے حکم سے اپنا سبزہ نکالتی ہے' اور جو (زمین) خراب ہے وہ کچھ نہیں نکالتی مگر کوئی ناقص سی چیز۔“
سرائیکی زبان کا لفظ ”نکھد“ صوتی اور معنوی اعتبار سے اس عربی لفظ ”نَکِد“ سے ملتا جلتا ہے۔ یعنی بالکل ردی اور گھٹیا چیز۔

﴿كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝۵۸﴾ ”اسی طرح ہم اپنی آیات کو گردش میں لاتے

ہیں ان لوگوں کے لیے جو (ان کی) قدر کرنے والے ہوں۔"

اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعے سے اپنی گوناگوں نشانیوں کو مختلف انداز سے بار بار متعارف کراتا ہے تاکہ لوگ ان کو پہچانیں اور ان کی قدر کریں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر بہت بڑا احسان ہے، لیکن ظاہر ہے اس سے صرف وہی لوگ مستفیض ہو سکتے ہیں جو اس احسان کے قدر دان ہوں۔

آیات ۵۹ تا ۶۴

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْٓ
اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ
مُّبِیْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ
رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ
وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ﴿۶۴﴾ ع ۸ ۶ ۱۵

اس رکوع سے التذکیر بِاَیَّامِ اللّٰہ کے اس سلسلے کا آغاز ہو رہا ہے جسے تمہیدی کلمات میں اس سورت کے مضامین کا "عمود" قرار دیا گیا ہے۔ یہاں اس سورت میں اس سلسلے کا بہت بڑا حصہ "انباء الرسل" پر مشتمل ہے۔ ("انباء" جمع ہے "نبأ" کی، جس کے معنی خبر کے ہیں، یعنی رسولوں کی خبریں۔) اس اصطلاح کے حوالے سے یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں نبیوں کا ذکر آتا ہے اس کا مقصد ان کی سیرت کے روشن پہلوؤں مثلاً ان کے مقام و مرتبہ، تقویٰ، استقامت وغیرہ کو نمایاں کرنا ہوتا ہے، جبکہ رسولوں کا ذکر بالکل مختلف انداز میں آتا ہے۔ رسولوں کے ذکر کے ساتھ لازماً ان کی قوموں کا ذکر بھی آیا ہے اور کسی رسول کی دعوت کے جواب میں اُس کی قوم کے رویے اور ردِّعمل کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔ پہلی قسم کے واقعات کو عام طور پر "قصص الانبیاء" کہا جاتا ہے۔ اس کی مثال سورۂ یوسف ہے، جس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں، مگر کہیں بھی آپؑ کی طرف سے اس نوعیت کے اعلان کا ذکر نہیں ملتا کہ لوگو! مجھ پر ایمان لاؤ، میری بات مانو، ورنہ تم پر عذاب آئے گا۔ اور نہ ہی ایسا کوئی اشارہ ملتا ہے کہ اُس قوم نے آپؑ کی دعوت کو ردّ کر دیا اور پھر ان پر عذاب آ گیا اور اُنہیں ہلاک کر دیا گیا۔

دوسری قسم کے واقعات کے لیے "انباء الرسل" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ رسولوں کے بارے میں ان واقعات کے مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قانون کی نشاندہی ہوتی ہے کہ جب بھی کوئی رسول کسی قوم کی طرف آیا وہ اللہ کی عدالت بن کر آیا۔ جن لوگوں نے اُس کی دعوت کو مان لیا وہ اہل ایمان ٹھہرے اور عافیت میں رہے، جبکہ اس کا انکار کرنے والے ہلاک کر دیے گئے۔ "انباء الرسل" کے سلسلے میں عام طور پر چھ رسولوں (حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علیہم السلام) کے حالات قرآن مجید میں

تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ اس سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ حضور خاتم النبیین ﷺ سے پہلے صرف یہی چھ رسول مبعوث ہوئے تھے' بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چھ رسول جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں میں مبعوث ہوئے تھے اور اہل عرب جو قرآن مجید کے مخاطبین اوّل تھے' وہ ان رسولوں کے ناموں اور ان کی قوموں کے انجام سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہ رسولؑ جن علاقوں میں مبعوث ہوئے اُن کی نشاندہی یہاں جزیرہ نمائے عرب (Arabian Peninsula) کے نقشے کے ذریعے کی جارہی ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کی چوڑائی نیچے جنوب میں کافی زیادہ ہے' جبکہ یہ چوڑائی اوپر شمال کی طرف بتدریج کم ہوتی جاتی ہے۔ اس جزیرہ نما علاقہ کے مشرقی جانب خلیج فارس (Persian Gulf) ہے جب کہ مغربی جانب بحیرۂ احمر (Read Sea) ہے جو شمال میں جا کر دو کھاڑیوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک (شمال مغرب کی طرف) خلیج سویز ہے اور دوسری (شمال مشرق کی جانب) خلیج عقبہ۔ خلیج عقبہ کے اوپر (شمال) والے کونے سے خلیج فارس کے شمالی کنارے کی طرف سیدھی لائن لگائیں تو نقشے پر ایک مثلث (triangle) بن جاتی ہے' جس کا قاعدہ (base) نیچے جنوب میں یمن سے سلطنتِ عمان تک ہے اور اوپر والا کونہ شمال میں بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے علاقے میں واقع ہے۔

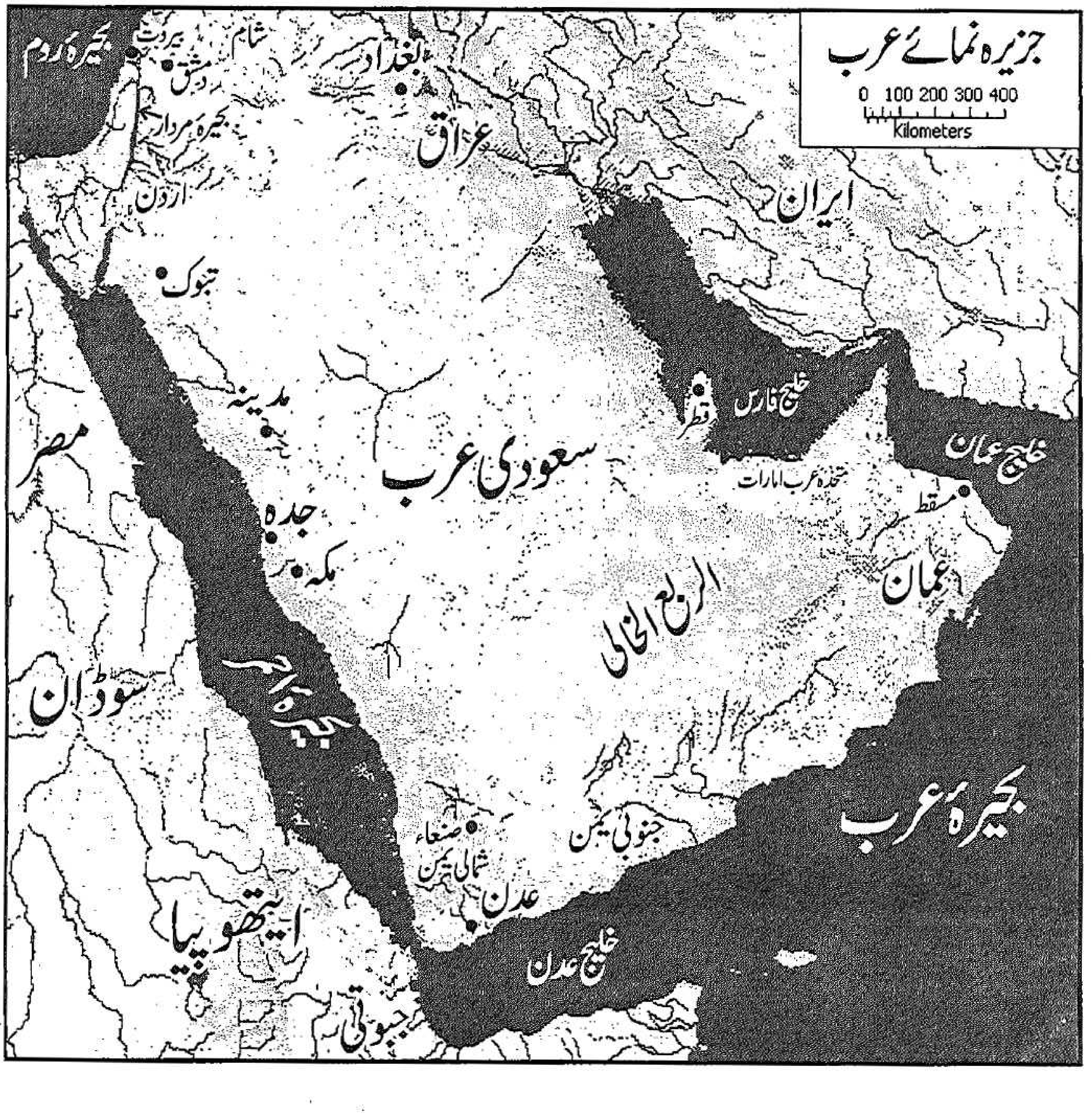

یہ مثلث اس علاقے پر محیط ہے جہاں عرب کی قدیم قومیں آباد تھیں اور یہی وہ قومیں تھیں جن کی طرف وہ چھ رسول مبعوث ہوئے تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ ان میں سے جو رسول سب سے پہلے آئے وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ آپؑ کے زمانے کا تعین یقینی طور پر تو نہیں کیا جا سکتا' لیکن زیادہ تر مؤرخین کا خیال ہے کہ آپؑ کی بعثت حضرت آدم علیہ السلام سے کوئی دو ہزار سال بعد کے زمانے میں ہوئی تھی (واللہ اعلم)۔ اُس وقت تک کل نسلِ انسانی بس اسی علاقے میں آباد تھی۔ جب آپؑ کی قوم آپؑ کی دعوت پر ایمان نہ لائی تو پانی کے عذاب سے انہیں تباہ کر دیا گیا۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں وہ تباہ کن سیلاب آیا تھا جو ''طوفانِ نوح'' سے موسوم ہے اور یہیں کوہِ جودی میں اَرارات کی وہ پہاڑی ہے جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی لنگر انداز ہوئی تھی۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے دوبارہ نسلِ انسانی چلی۔ آپؑ کا ایک بیٹا جس کا نام سام تھا' اس کی نسل سے جو قومیں وجود میں آئیں انہیں سامی قومیں کہا جاتا ہے۔ انہی قوموں میں ایک قوم عاد تھی' جو جزیرہ نمائے عرب کے بالکل جنوب میں آباد تھی۔ آج کل یہ علاقہ بڑا خطرناک قسم کا ریگستان ہے' لیکن اُس زمانے میں قومِ عاد کا مسکن یہ علاقہ بہت سرسبز و شاداب تھا۔ اس قوم کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ آپؑ کی دعوت کو اس قوم نے رد کیا تو یہ بھی ہلاک کر دی گئی۔ اس قوم کے بچے کھچے لوگ اور حضرت ہود علیہ السلام وہاں سے نقل مکانی کر کے جزیرہ نمائے عرب کے شمال مشرقی کونے میں خلیج عقبہ سے نیچے مغربی ساحل کے علاقے میں جا آباد ہوئے۔ ان لوگوں کی نسل کو قومِ ثمود کے نام سے جانا جاتا ہے۔

قومِ ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ اس قوم نے بھی اپنے رسولؑ کی دعوت کو رد کر دیا' جس پر انہیں بھی ہلاک کر دیا گیا۔ یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر عالی شان عمارات بنانے میں ماہر تھے۔ پہاڑوں کے اندر کھدے ہوئے ان کے محلات اور بڑے بڑے ہال آج بھی موجود ہیں۔ قومِ ثمود کے اس علاقے سے ذرا اوپر خلیج عقبہ کے داہنی طرف مدین کا علاقہ ہے جہاں وہ قوم آباد تھی جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ مدین کے علاقے سے تھوڑا آگے بحیرۂ مردار (Dead Sea) ہے' جس کے ساحل پر سدوم اور عامورہ کے شہر آباد تھے۔ ان شہروں میں حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ بہرحال یہ ساری اقوام جن کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے' مذکورہ مثلث کے علاقے میں ہی آباد تھیں۔ صرف قومِ فرعون اس مثلث سے باہر مصر میں آباد تھی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ ان چھ رسولوں کے حالات پڑھتے ہوئے ان کی قوموں کے علاقوں کا یہ نقشہ پیش نظر رہنا چاہیے۔ زمانی اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں' پھر حضرت ہود علیہ السلام' پھر حضرت صالح علیہ السلام' پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن میں انباء الرسل کے انداز میں نہیں بلکہ قصص الانبیاء کے طور پر آیا ہے۔ آپؑ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو سدوم اور عامورہ کی بستیوں کی طرف بھیجا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام مدین تھا' جن کی اولاد میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام حجاز (مکہ) میں آباد ہوئے اور پھر حجاز میں ہی نبی آخر الزّماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے جن کو آپؑ نے فلسطین میں آباد کیا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی۔ قرآن حکیم

میں جب ہم انبیاء ورُسل کے تذکرے پڑھتے ہیں تو یہ ساری تفصیلات ذہن میں ہونی چاہئیں۔

آیت ۵۹ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝۵۹﴾ ”ہم نے بھیجا تھا نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف تو اُس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، تمہارا کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے، مجھے تمہارے بارے میں اندیشہ ہے ایک بڑے دن کے عذاب کا۔“

یعنی مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تم لوگ یونہی مشرکانہ افعال اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کرتے رہو گے تو بہت بڑے عذاب میں پکڑے جاؤ گے۔

آیت ۶۰ ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۶۰﴾ ”آپؑ کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں ایک کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھ رہے ہیں۔“

آیت ۶۱ ﴿قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۱﴾ ”آپؑ نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں کسی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوں، بلکہ میں تو رسول ہوں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے۔“

آیت ۶۲ ﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۲﴾ ”میں تو تمہیں پہنچا رہا ہوں اپنے رب کے پیغامات، اور میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں۔“

مجھے تو تمام جہانوں کے پروردگار نے اس خدمت پر مامور کیا ہے کہ میں تمہیں خبردار کر دوں، تاکہ تم لوگ ایک بڑے عذاب کی لپیٹ میں آنے سے بچ جاؤ۔ اگر تمہارے مشرکانہ افعال اسی طرح جاری رہے تو ان کی پاداش میں تمہارے اوپر کتنی بڑی تباہی آ سکتی ہے تم لوگوں کو اس کا کچھ بھی اندازہ نہیں، مگر مجھے اپنے پروردگار کی طرف سے اس کے بارے میں مسلسل آگاہ کیا جا رہا ہے۔

آیت ۶۳ ﴿اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۶۳﴾ ”کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک یاددہانی تم ہی میں سے ایک فرد کے ذریعے سے آئی، تاکہ وہ تمہیں خبردار کر دے اور تم (گناہوں سے) بچ سکو اور تم پر رحم کیا جائے۔“

آیت ۶۴ ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ﴾ ”تو انہوں نے اُسؑ کو جھٹلایا، تو بچا لیا ہم نے اُس کو اور جو اُس کے ساتھی تھے کشتی میں، اور ہم نے غرق کر دیا ان لوگوں کو جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔“

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ ۝۶۴﴾ ”یقیناً وہ اندھے لوگ تھے۔“

یعنی وہ ایسی قوم تھی جس نے آنکھیں ہونے کے باوجود اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے اور حق کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھی اہلِ ایمان بہت ہی کم لوگ تھے۔ آپؑ نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو دعوت دی تھی' اس کے باوجود بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے تھے' جو آپؑ کے ساتھ کشتی میں سیلاب سے محفوظ رہے۔ آپؑ کے تین بیٹوں میں سے حضرت سام کی اولاد میں سے ''عاد'' نام کے ایک سردار بڑے مشہور ہوئے اور پھر ان ہی کے نام پر ''قومِ عاد'' وجود میں آئی۔ اب آگے اسی قوم کا تذکرہ آ رہا ہے۔

آیات ۶۵ تا ۷۲

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾
قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ
الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾ اُبَلِّغُكُمْ
رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَاۗءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ
مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ
بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ
مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ
مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ
اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾ ع ۹ ۸ ۱۲

آیت ۶۵ ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ﴾ ''اور قومِ عاد کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا۔''

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾﴾ ''اُسؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' تمہارا کوئی الٰہ اُس کے سوا نہیں ہے' تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں؟''

حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو وہی پیغام دیا جو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دیا تھا۔

آیت ۶۶ ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾﴾ ''آپؑ کی قوم کے سرداروں نے' جنہوں نے انکار کیا تھا' کہا کہ ہم تو تمہیں کسی حماقت میں مبتلا دیکھتے ہیں اور ہم تم کو جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔''

یعنی تم جھوٹا دعویٰ کر رہے ہو' تم پر کوئی وحی وغیرہ نہیں آتی۔

آیت ۶۷ ﴿قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾﴾ ''آپؑ نے کہا:

اے میری قوم کے لوگو! مجھ پر کوئی حماقت طاری نہیں ہوئی بلکہ میں تو رسول ہوں تمام جہانوں کے پروردگار کی جانب سے۔"

آیت ۶۸ ﴿اُبَلِّغُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَاَنَا لَكُمۡ نَاصِحٌ اَمِیۡنٌ ﴿۶۸﴾﴾ "میں تو اپنے پروردگار کے پیغامات تمہیں پہنچا رہا ہوں اور تمہارا دیانت دار خیر خواہ ہوں۔"

میں تو وہی بات ہو بہو تم تک پہنچا رہا ہوں جو اللہ کی طرف سے مجھے بتائی جا رہی ہے، اس لیے کہ مجھے تمہاری بھلائی مطلوب ہے۔ میں تمہارا نہایت قابل اعتماد خیر خواہ ہوں۔

آیت ۶۹ ﴿اَوَعَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَكُمۡ ذِكۡرٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ عَلٰی رَجُلٍ مِّنۡكُمۡ لِیُنۡذِرَكُمۡ﴾ "کیا تمہیں تعجب ہے اس بات پر کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے تم ہی میں سے ایک شخص کے ذریعے تاکہ وہ تمہیں خبردار کر دے۔"

﴿وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ جَعَلَكُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّزَادَكُمۡ فِی الۡخَلۡقِ بَصۜۡطَةً﴾ "اور ذرا یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قومِ نوح کے بعد ان کا جانشین بنایا اور تمہیں جسمانی اعتبار سے بڑی کشادگی عطا فرمائی۔"

قومِ نوح تباہ و برباد ہوئی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کو عروج عطا فرمایا۔ یہ بڑے قد آور اور جسیم لوگ تھے۔ اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے دنیوی طور پر بڑا عروج بخشا تھا۔ شدّاد اسی قوم کا بادشاہ تھا جس نے بہشتِ ارضی بنائی تھی۔ اب اس کی جنت اور اس شہر کے کھنڈرات کا سراغ بھی مل چکا ہے۔ یہ کھنڈرات جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی صحرا میں دریافت ہوئے ہیں جہاں کی ریت بہت باریک ہے، اس وجہ سے وہاں آمد و رفت مشکل ہے۔ اس علاقے میں سیٹلائٹ کے ذریعے زیرِ زمین شداد کے اس شہر کا سراغ ملا ہے، جس کی فصیل پر ۳۵ بُرج تھے۔

﴿فَاذۡكُرُوۡۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۶۹﴾﴾ "تو اللہ کے احسانات کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

آیت ۷۰ ﴿قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا لِنَعۡبُدَ اللّٰهَ وَحۡدَهٗ﴾ "انہوں نے کہا: (اے ہودؑ!) کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم صرف اللہ کی بندگی کریں جو اکیلا ہے"

﴿وَنَذَرَ مَا كَانَ یَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ "اور ہم چھوڑ بیٹھیں اُن کو جن کو پوجتے تھے ہمارے آباء و اجداد!"

﴿فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۷۰﴾﴾ "تو ہم پر لے آؤ (وہ عذاب) جس کی تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو اگر تم سچے ہو۔"

یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کسی قوم پر زوال آیا تو ان کے عقائد بگڑ گئے۔ اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے سیدھے راستے کو چھوڑ کر وہ لوگ بُت پرستی اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ اولیاء اللہ کی عقیدت کی وجہ سے ان کے ناموں کے بت بنائے جاتے یا پھر ان کی قبروں کی پرستش شروع کر دی جاتی۔ یہ سامنے کے معبودان کو اُس اللہ کے مقابلے میں زیادہ اچھے لگتے تھے جو اُن کی نظروں سے اوجھل تھا۔ ان حالات میں جب بھی کوئی رسول آ کر کسی ایسی

مشرک قوم کو بت پرستی سے منع کرتا اور انہیں ایک اللہ کی بندگی کی تلقین کرتا' تو اپنے ماحول کے مطابق ان کا پہلا جواب یہی ہوتا کہ ہم اپنے سارے خداؤں کو ٹھکرا کر صرف ایک اللہ کو کیسے اپنا معبود بنا لیں!

آیت ۷۱ ﴿قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ﴾ ''(ہود علیہ السلام نے) فرمایا: تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور اس کا غضب واقع ہو ہی چکا ہے۔''

تمہاری اس ہٹ دھرمی کے باعث اللہ کا عذاب اور اس کا قہر و غضب تم پر مسلّط ہو چکا ہے' جو ابھی تمہیں نظر نہیں آ رہا۔

﴿اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ﴾ ''کیا تم مجھ سے جھگڑ رہے ہو اُن ناموں کے بارے میں جو تم نے اور تمہارے آباء و اَجداد نے رکھ لیے تھے''

یہ جو تم نے مختلف ناموں کے بُت بنا رکھے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہو' اُن کی حقیقت کچھ نہیں' محض چند فرضی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اَجداد نے بغیر کسی سند کے رکھے ہوئے ہیں۔

﴿مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۷۱﴾ ''اللہ نے اس کے لیے کوئی سند نہیں اُتاری۔ تو (ٹھیک ہے) تم بھی انتظار کرو' میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔''

چلیں دیکھتے ہیں کب تک اللہ تعالیٰ تمہیں مہلت دیتا ہے اور کب اُس کی طرف سے تم پر عذابِ استیصال آتا ہے۔

آیت ۷۲ ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ ''تو ہم نے بچا لیا اُس ؑ کو اور جو (اہلِ ایمان) لوگ اُس ؑ کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے' اور ہم نے جڑ کاٹ دی اُس قوم کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا''

﴿وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۷۲﴾ ''اور نہیں تھے وہ ایمان لانے والے۔''

سات دن اور آٹھ راتوں تک ایک تیز آندھی مسلسل ان لوگوں پر چلتی رہی اور انہیں پٹخ پٹخ کر گراتی رہی' اسی آندھی کی وجہ سے وہ سب لوگ ہلاک ہو گئے۔ واضح رہے کہ جب بھی کسی قوم پر عذابِ استیصال کا فیصلہ ہو جاتا تو اللہ کے رسول ؑ اور اہلِ ایمان کو وہاں سے ہجرت کا حکم آ جاتا۔ چنانچہ آندھی کے اس عذاب سے پہلے حضرت ہود علیہ السلام اور آپ ؑ کے ساتھی وہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔

آیات ۷۳ تا ۸۴

وَاِلٰي ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ
بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي
الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا
تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ
اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ
بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٧٦﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ
وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٧٧﴾
فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ
اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٧٩﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ
اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ
شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَاۗءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿٨١﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ
قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڮ
كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٨٤﴾ ع

آیت ۷۳ ﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ﴾ ”اور قومِ ثمود کی طرف (بھیجا ہم نے) ان کے بھائی صالح ؑ کو۔“

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے اہلِ ایمان ساتھی جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی علاقے سے ہجرت کر کے شمال مغربی کونے میں جا آباد ہوئے۔ یہ ”حجر“ کا علاقہ کہلاتا ہے۔ یہاں ان کی نسل آگے بڑھی اور پھر غالباً ’ثمود‘ نامی کسی بڑی شخصیت کی وجہ سے اس قوم کا یہ نام مشہور ہوا۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ﴾ ”اُس نے کہا: اے میری قوم! عبادت کرو اللہ کی جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک خاص نشانی آ گئی ہے۔“

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو وہی دعوت دی جو اس سے پہلے حضرت نوح اور حضرت ہود علیہما السلام اپنی اپنی قوموں کو دے چکے تھے۔ یہاں بَيِّنَةٌ سے مراد وہ اونٹنی ہے جو اُن کے مطالبے پر معجزانہ طور پر چٹان سے نکلی تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت نوح اور حضرت ہود علیہما السلام کے بارے میں کسی معجزے کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ معجزے کا ذکر سب سے پہلے حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے۔

﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾﴾ ”یہ اللہ کی اونٹنی ہے، تمہارے لیے ایک نشانی‘ تو اسے چھوڑے رکھو کہ یہ اللہ کی زمین

میں چرتی پھرے' اور اسے نہ چھونا کسی بُرے ارادے سے' (اگر تم نے ایسا کیا) تو ایک دردناک عذاب تمہیں آ پکڑے گا۔''

یہ اُونٹنی تمہارے مطالبے پر تمہاری نگاہوں کے سامنے ایک چٹان سے برآمد ہوئی ہے۔ اب اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرنا' ورنہ اللہ کا عذاب تمہیں آ لے گا۔

آیت ۷۴ ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ﴾ ''اور یاد کرو جب اُس نے تمہیں جانشین بنایا قومِ عاد (کی تباہی) کے بعد اور تمہیں جگہ دی زمین میں' تم اس کے نرم میدانوں میں محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر (بھی اپنے لیے) گھر بنا لیتے ہو۔''

میدانی علاقوں میں وہ لوگ عالی شان محلات تعمیر کرتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر بڑے خوبصورت گھر بناتے تھے۔ اب ان کے محلات کا تو کوئی نام ونشان نہیں' البتہ پہاڑوں سے تراش کر بنائے گئے گھروں کے کھنڈرات اُس علاقے میں آج بھی موجود ہیں۔ قومِ ثمود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے گزری ہے اور قومِ عاد اس سے بھی پہلے تھی۔ اس طرح قومِ ثمود کا زمانہ آج سے تقریباً چھ ہزار سال پہلے کا ہے جبکہ قومِ عاد کو گزرے اب تقریباً سات ہزار سال ہو چکے ہیں۔

﴿فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۷۴﴾ ''تو اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور مت پھرو زمین میں فساد مچاتے۔''

آیت ۷۵ ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ﴾ ''آپؑ کی قوم کے متکبّر سرداروں نے ان لوگوں سے کہا جو دبا لیے گئے تھے (اور) جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے کہ (واقعی) کیا تم لوگوں کا خیال ہے کہ یہ صالح اپنے ربّ کی طرف سے بھیجا گیا ہے؟''

﴿قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۷۵﴾ ''انہوں نے کہا کہ (ہاں) ہم تو جو کچھ ان کو دے کر بھیجا گیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔''

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے غریب' دبے ہوئے اور کمزور اہلِ ایمان لوگوں سے ان کے سردار بڑے متکبرانہ انداز سے مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ یہ صالح واقعی اپنے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ اس پر وہ لوگ بڑے یقین سے جواب دیتے تھے کہ جو کچھ آپؑ کے رب نے آپؑ کو دیا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ان سارے احکام کو سچ جانتے ہیں۔

آیت ۷۶ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۷۶﴾ ''(اس پر) وہ استکبار کرنے والے کہتے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔''

آیت ۷۷ ﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ﴾ ”تو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی“۔

یہ اونٹنی ان کی فرمائش پر چٹان سے برآمد ہوئی تھی‘ مگر پھر یہ ان کے لیے بہت بڑی آزمائش بن گئی تھی۔ وہ ان کی فصلوں میں جہاں چاہتی پھرتی اور جو چاہتی کھاتی۔ اس کی خوراک غیر معمولی حد تک زیادہ تھی۔ پانی پینے کے لیے بھی اس کی باری مقرر تھی۔ ایک دن ان کے تمام ڈھورڈنگر پانی پیتے تھے‘ جبکہ دوسرے دن وہ اکیلی تمام پانی پی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ سب کچھ ان کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا اور بالآخر ان سرداروں نے ایک سازش کے ذریعے اسے ہلاک کروا دیا۔

﴿وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۷۷﴾﴾ ”اور کہا: اے صالح! لے آؤ ہم پر وہ (عذاب) جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر واقعی تم رسول ہو۔“

حضرت صالح علیہ السلام سے انہوں نے چیلنج کے انداز میں کہا کہ ہم نے تمہاری اونٹنی کو تو مار ڈالا ہے‘ اب اگر واقعی تم اللہ کے رسول ہو تو لے آؤ ہمارے اوپر وہ عذاب جس کا تم ہر وقت ہمیں ڈراوا دیتے رہتے ہو۔

آیت ۷۸ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۷۸﴾﴾ ”تو انہیں آ پکڑا زلزلے نے‘ پھر وہ پڑے رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے۔“

آیت ۷۹ ﴿فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾﴾ ”تو (صالح علیہ السلام نے) ان سے پیٹھ موڑ لی اور کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں نے تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا اور میں نے (امکان بھر) تمہاری خیر خواہی کی‘ لیکن تم تو خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔“

اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے۔ آپؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپؑ عراق کے رہنے والے تھے اور سامی النسل تھے۔ آپؑ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو رسالت سے سرفراز فرما کر سدوم اور عامورہ کی بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ دونوں شہر بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے کنارے اُس زمانے کے دو بڑے اہم تجارتی مراکز تھے۔ اُس زمانے میں جو تجارتی قافلے ایران اور عراق کے راستے مشرق سے مغرب کی طرف جاتے تھے وہ فلسطین اور مصر کو جاتے ہوئے سدوم اور عامورہ کے شہروں سے ہو کر گزرتے تھے۔ اُس اہم تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے ان شہروں میں بڑی خوشحالی تھی۔ مگر ان لوگوں میں مَردوں کے آپس میں جنسی اختلاط کی خباثت پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔

حضرت لوط علیہ السلام اس قوم میں سے نہیں تھے۔ سورۃ العنکبوت (آیت ۲۶) میں ہمیں آپؑ کی ہجرت کا ذکر ملتا ہے۔ آپؑ عراق سے ان شہروں کی طرف مبعوث ہو کر آئے تھے۔ یہاں پر یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ حضرت نوح‘ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا ہے‘ جبکہ حضرت

لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کے زمانے کے تین رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ کر حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر شروع کر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک خاص اسلوب سے انباء الرسل کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ یعنی ان رسولوں کا تذکرہ جو اللہ کی عدالت بن کر قوموں کی طرف آئے اور ان کے انکار کے بعد وہ قومیں تباہ کر دی گئیں۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ضمن میں اس نوعیت کی کوئی تفصیل صراحت کے ساتھ قرآن میں نہیں ملتی اس لیے آپؑ کا ذکر قصص النبیین کے ذیل میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ کا تذکرہ سورۃ الاعراف کے بجائے سورۃ الانعام میں کیا گیا ہے اور وہاں یہ تذکرہ قصص النبیین ہی کے انداز میں ہوا ہے، جبکہ سورۃ الاعراف میں تمام انباء الرسل کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔

آیت ۸۰ ﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ﴾ ”اور لوطؑ کو (بھی ہم نے بھیجا) جب اُس نے کہا اپنی قوم سے“

اگرچہ حضرت لوط علیہ السلام اس قوم میں سے نہیں تھے، لیکن ان کی طرف مبعوث ہونے اور وہاں جا کر آباد ہو جانے کی وجہ سے ان لوگوں کو آپؑ کی قوم قرار دیا گیا ہے۔

﴿اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۰﴾ ”کیا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کر رہے ہو جو تم سے پہلے تمام جہان والوں میں سے کسی نے بھی نہیں کی۔“

یعنی اجتماعی طور پر پوری قوم کا ایک شرمناک فعل کو اس انداز سے اپنا لینا کہ اسے اپنا شعار بنا لینا، کھلم کھلا اس کا ارتکاب کرنا اور اس میں شرمانے کی بجائے فخر کرنا، اس سب کچھ کی مثال تاریخ انسانی کے اندر کوئی اور نہیں ملتی۔

آیت ۸۱ ﴿اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝۸۱﴾ ”تم مَردوں کا رُخ کرتے ہو شہوت کے ساتھ عورتوں کو چھوڑ کر، بلکہ تم تو ہو ہی حد سے تجاوز کرنے والی قوم۔“

یعنی تمہارا یہ فعل اصولِ فطرت کے بھی خلاف ہے اور قانونِ طبعی سے بھی متصادم۔

آیت ۸۲ ﴿وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝۸۲﴾ ”تو نہیں تھا اس کی قوم کا کوئی جواب سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا نکالو ان کو اپنی بستی سے، یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔“

ان کے پاس کوئی معقول جواب تو تھا نہیں، شرم و حیا کو وہ لوگ پہلے ہی بالائے طاق رکھ چکے تھے۔ کوئی دلیل، کوئی عذر، کوئی معذرت، جب کچھ بھی نہ بن پڑا تو وہ حضرت لوط علیہ السلام اور آپؑ کے گھر والوں کو شہر بدر کرنے کے درپے ہو گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اس مقامی قوم سے تعلق رکھتی تھی، اس لیے وہ آخر وقت تک اپنی قوم کے ساتھ ملی رہی۔ حضرت لوط علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنی بیٹیوں کو لے کر عذاب آنے سے پہلے وہاں سے نکل گئے۔

آیت ۸۳ ﴿فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڮ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۸۳﴾ ”تو ہم نے نجات دے دی اُسؑ کو اور اُس کے گھر والوں کو، سوائے اُس کی بیوی کے، وہ ہو گئی پیچھے رہنے والوں ہی میں سے۔“

آیت ۸۴ ﴿وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۸۴﴾ ”اور ہم نے برسائی ان پر ایک بارش، تو دیکھو کیا انجام ہوا مجرموں کا!“

یہ پتھروں کی بارش تھی اور اس کے ساتھ شدید زلزلہ بھی تھا' جس سے ان کی بستیاں الٹ کر بحیرۂ مردار کے اندر دفن ہو گئیں۔ قومِ لوطؑ اور حضور ﷺ کے مخاطب مشرکینِ مکّہ کے درمیان زمانی اور مکانی لحاظ سے زیادہ بُعد نہیں تھا' اس قوم کے قصے اہلِ عرب کی تاریخی روایات کے اندر موجود تھے۔ چنانچہ اہلِ مکّہ اس قوم کے حسرتناک انجام سے خوب واقف تھے۔

آیات ۸۵ تا ۹۳

وَاِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاهُمۡ شُعَیۡبًا ؕ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَیۡرُهٗ ؕ قَدۡ
جَآءَتۡکُمۡ بَیِّنَةٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ فَاَوۡفُوا الۡکَیۡلَ وَالۡمِیۡزَانَ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَهُمۡ وَلَا
تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا
تَقۡعُدُوۡا بِکُلِّ صِرَاطٍ تُوۡعِدُوۡنَ وَتَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبۡغُوۡنَهَا
عِوَجًا ۚ وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ کُنۡتُمۡ قَلِیۡلًا فَکَثَّرَکُمۡ ۪ وَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۸۶﴾
وَاِنۡ کَانَ طَآئِفَةٌ مِّنۡکُمۡ اٰمَنُوۡا بِالَّذِیۡۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا فَاصۡبِرُوۡا حَتّٰی
یَحۡکُمَ اللّٰهُ بَیۡنَنَا ۚ وَهُوَ خَیۡرُ الۡحٰکِمِیۡنَ ﴿۸۷﴾ قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ
لَنُخۡرِجَنَّکَ یٰشُعَیۡبُ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَکَ مِنۡ قَرۡیَتِنَاۤ اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِیۡ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوۡ
کُنَّا کٰرِهِیۡنَ ﴿ۣ۸۸﴾ قَدِ افۡتَرَیۡنَا عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اِنۡ عُدۡنَا فِیۡ مِلَّتِکُمۡ بَعۡدَ اِذۡ نَجّٰنَا اللّٰهُ مِنۡهَا ؕ
وَمَا یَکُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّعُوۡدَ فِیۡهَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ؕ عَلَی
اللّٰهِ تَوَکَّلۡنَا ؕ رَبَّنَا افۡتَحۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَقِّ وَاَنۡتَ خَیۡرُ الۡفٰتِحِیۡنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الۡمَلَاُ
الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعۡتُمۡ شُعَیۡبًا اِنَّکُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ
فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ﴿ۚۖۛ۹۱﴾ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا شُعَیۡبًا کَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡهَا ۚۛ اَلَّذِیۡنَ
کَذَّبُوۡا شُعَیۡبًا کَانُوۡا هُمُ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَقَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ
وَنَصَحۡتُ لَکُمۡ ۚ فَکَیۡفَ اٰسٰی عَلٰی قَوۡمٍ کٰفِرِیۡنَ ﴿۹۳﴾ ع ۹

(الجزء التاسع ۹)

آیت ۸۵ ﴿وَاِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاهُمۡ شُعَیۡبًا ؕ﴾ ''اور قومِ مدین کی طرف (ہم نے بھیجا) ان کے بھائی شعیبؑ کو۔''

حضرت شعیب علیہ السلام کا تعلق اسی قوم سے تھا' اس لیے آپؑ کو ان کا بھائی قرار دیا گیا۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی کا نام 'قطورا' تھا۔ ان سے آپؑ کے کئی بیٹے ہوئے' جن میں سے ایک کا نام مدین تھا جو اپنی اولاد کے ساتھ خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل پر آباد ہو گئے تھے۔ یہ علاقہ ان لوگوں کی وجہ

سے بعد میں ''مدین'' ہی کے نام سے معروف ہوا۔ مدین کا علاقہ بھی اس بین الاقوامی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا جو اُس زمانے میں فلسطین سے یمن کو جاتی تھی۔ اس لحاظ سے اہلِ مدین بہت خوشحال لوگ تھے۔ نتیجتاً ان میں بہت سی کاروباری اور تجارتی بدعنوانیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ اس قوم کی اصلاح کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''اُس نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اُس کے سوا۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آ چکی ہے''

﴿فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨٥﴾﴾ ''تو ماپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں سے ان کی چیزیں کم نہ کیا کرو' اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت مچاؤ' یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مؤمن ہو۔''

اہلِ مدین چونکہ کاروباری لوگ تھے' لہٰذا ان کے ہاں جو خاص خرابی اجتماعی طور پر پیدا ہوگئی تھی وہ ماپ تول میں کمی کی عادت تھی۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل زمانہ کی جن تین اقوام کا ذکر قرآن میں آیا ہے' یعنی قومِ نوح' قومِ ہود اور قومِ صالح ان میں سوائے شرک کے اور کسی خرابی کی تفصیل نہیں ملتی۔ یعنی اُس زمانے تک انسانی تمدن اتنا سادہ تھا کہ ابھی اعمال کی خرابیاں اور گندگیاں رائج نہیں ہوئی تھیں۔ تب تک انسان فطرت کے زیادہ قریب تھا' اس لیے وہ پیچیدگیاں جو تمدن کے پھیلنے کے ساتھ بڑھتی ہیں اور وہ بدعنوانیاں جو تمدنی پیچیدگیوں کی وجہ سے پھیلتی ہیں وہ ابھی ان اقوام کے افراد میں پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جنسی برائیاں سب سے پہلے قومِ لوط میں اور مالی بدعنوانیاں سب سے پہلے اہلِ مدین میں پیدا ہوئیں۔

آیت ۸۶ ﴿وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ﴾ ''اور نہ بیٹھا کرو ہر راستے پر ڈرانے دھمکانے کے لیے''

یعنی وہ لوگ راہزنی بھی کرتے تھے اور تجارتی قافلوں کو ڈرا دھمکا کر ان سے بھتہ بھی وصول کرتے تھے۔ ان حرکات سے بھی حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں منع کیا۔

﴿وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ﴾ ''اور اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے (ہر اُس شخص کو) جو ایمان لاتا ہے اور اس راہ کو کج کرتے ہوئے۔''

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨٦﴾﴾ ''اور یاد کرو جبکہ تم کم تعداد میں تھے تو اللہ نے تمہاری تعداد زیادہ کر دی' اور (یہ بھی) دیکھو کہ مفسدوں کا کیسا کچھ انجام ہوتا رہا ہے۔''

آیت ۸۷ ﴿وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا﴾ ''اور اگر تم میں

سے ایک گروہ ایمان لے آیا ہے اُس چیز پر جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا ہے“

﴿فَاصۡبِرُوۡا حَتّٰى يَحۡكُمَ اللّٰهُ بَيۡنَنَا‌ ۚ وَهُوَ خَيۡرُ الۡحٰكِمِيۡنَ ۝٨٧﴾ ”تو تم صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے مابین فیصلہ فرمادے‘ اور یقیناً وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔“

آیت ۸۸ ﴿قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لَـنُخۡرِجَنَّكَ يٰشُعَيۡبُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَكَ مِنۡ قَرۡيَتِنَاۤ اَوۡ لَـتَعُوۡدُنَّ فِىۡ مِلَّتِنَا‌ ؕ﴾ ”کہا اُس کی قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے تکبر کی روش اختیار کی کہ اے شعیب! ہم تمہیں اور جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں انہیں اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے‘ یا تم واپس آ جاؤ ہماری ملّت میں۔“

﴿قَالَ اَوَلَوۡ كُنَّا كَارِهِيۡنَ ۝٨٨﴾ ”(حضرت شعیب علیہ السلام نے) فرمایا: کیا اگر ہمیں (یہ سب کچھ) ناپسند ہو تب بھی؟“

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے متکبر سرداروں نے آپؑ اور آپؑ کے ماننے والوں سے کہا کہ اگر تم لوگ ہمارے ہاں امن اور چین سے رہنا چاہتے ہو تو تمہیں ہمارے ہی طور طریقوں اور رسم و رواج کو اپنانا ہوگا‘ بصورتِ دیگر ہم تم لوگوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ زبردستی ہمیں اپنی ملت میں واپس پھیر لو گے جبکہ ہم تو ان طور طریقوں سے نفرت کرتے ہیں!

آیت ۸۹ ﴿قَدِ افۡتَرَيۡنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنۡ عُدۡنَا فِىۡ مِلَّتِكُمۡ بَعۡدَ اِذۡ نَجّٰٮنَا اللّٰهُ مِنۡهَا‌ ؕ﴾ ”ہم اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہوں گے اگر ہم تمہاری ملت میں لوٹ آئیں‘ اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دے دی ہے۔“

حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمانا تھا کہ اگر ہم دوبارہ تمہارے طور طریقوں پر واپس آ جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرا نبوت کا دعویٰ ہی غلط تھا اور میں یہ دعویٰ کر کے گویا اللہ پر افترا کر رہا تھا۔ لیکن چونکہ میرا یہ دعویٰ سچا ہے اور میں واقعتاً اللہ کا فرستادہ ہوں لہٰذا اب میرے اور میرے ساتھیوں کے لیے تمہاری ملت میں واپس آنا ممکن نہیں۔

﴿وَمَا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّعُوۡدَ فِيۡهَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا‌ ؕ﴾ ”اور ہمارے لیے قطعاً ممکن نہیں ہے کہ ہم اس ملت میں لوٹ آئیں‘ سوائے اس کے کہ اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے۔“

یہ الفاظ ایک بندۂ مؤمن کی سوچ اور اس کے طرزِ عمل کی عکاسی کرتے ہیں۔ وہ نہ اپنے فکر و فلسفہ پر بھروسہ کرتا ہے اور نہ اپنی عقل و استقامت کا سہارا لیتا ہے‘ بلکہ صرف اور صرف اللہ کی توفیق اور تیسیر پر توکل کرتا ہے۔ یہی وہ فلسفہ تھا جس کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام نے اس طرح فرمایا‘ حالانکہ ان کے واپس پلٹنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

﴿وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا‌ ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡنَا‌ ؕ﴾ ”اور ہمارے ربّ نے تو ہر شے کے علم کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ہم نے اللہ ہی پر توکّل کیا ہے۔“

﴿رَبَّنَا افۡتَحۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَـقِّ وَاَنۡتَ خَيۡرُ الۡفٰتِحِيۡنَ ۝٨٩﴾ ”اے ہمارے ربّ! فیصلہ فرما

دے ہمارے اور ہماری قوم کے مابین حق کے ساتھ‘ اور یقیناً تُو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔“

آیت ۹۰ ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۹۰﴾ ”اور کہا اُس ؑ کی قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا کہ اگر تم نے شعیب ؑ کی پیروی کی تو تم خسارے والے ہو جاؤ گے۔“

آیت ۹۱ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۹۱﴾ ”تو انہیں (بھی) آ پکڑا ایک زلزلے نے اور وہ (بھی) پڑے رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے منہ۔“

آیت ۹۲ ﴿الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚ اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا شُعَیْبًا کَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ۹۲﴾ ”وہ لوگ جنہوں نے شعیب ؑ کو جھٹلایا تھا ایسے ہو گئے کہ جیسے کبھی اس بستی میں بسے ہی نہیں تھے‘ جن لوگوں نے شعیب ؑ کی تکذیب کی وہی ہوئے خسارے والے۔“

آیت ۹۳ ﴿فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ﴾ ”تو وہ ان کو چھوڑ کر چل دیا یہ کہتے ہوئے کہ اے میری قوم کے لوگو! میں نے تو تمہیں پہنچا دیے تھے اپنے رب کے پیغامات اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی۔“

﴿فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ۹۳﴾ ”تو اب میں کیسے افسوس کروں اُس قوم پر جس نے کفر کیا ہے!“

یعنی حضرت شعیب علیہ السلام نے امکانی حد تک اپنی قوم کو سمجھانے کی بہت کوشش کی تھی‘ لیکن اپنی ہٹ دھرمی اور مسلسل انکار کی وجہ سے ان لوگوں نے خود اپنی بربادی کو دعوت دی۔ ظاہر ہے ایسے لوگوں کی ہلاکت پر افسوس کرنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ البتہ حضرت شعیب علیہ السلام کے اِن الفاظ سے واضح ہو رہا ہے کہ آپ ؑ کو اپنی قوم کے انجام پر شدید رنج و غم تھا‘ اور یہ کہ اس موقع پر ایسے الفاظ کہنا آپ ؑ کا اپنے دل کی ڈھارس بندھانے کا ایک انداز تھا۔ بہر حال حقیقت یہ ہے کہ نبی اپنی قوم اور بنی نوعِ انسان کے لیے بہت شفیق‘ مہربان اور ہمدرد ہوتا ہے اور اپنی قوم پر عذاب آنے پر اسے بہت زیادہ صدمہ ہوتا ہے۔

آیات ۹۴ تا ۱۰۲

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّاۤ اَخَذْنَاۤ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا

يَكْسِبُونَ ﴿٩٦﴾ أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٧﴾ أَوَأَمِنَ أَهْلُ
الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ
إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوْ نَشَاءُ ع
أَصَبْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ
مِنْ أَنبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِن
قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ ۖ
وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿١٠٢﴾

آیت ۹۴ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُونَ ﴿٩٤﴾﴾
''اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بھی بستی میں کسی بھی نبی کو مگر یہ کہ ہم نے پکڑا اُس کے بسنے والوں کو سختیوں سے اور تکلیفوں سے تاکہ وہ گڑگڑائیں (اور ان میں عاجزی پیدا ہو جائے)۔''

یہ اللہ تعالیٰ کے ایک خاص قانون کا تذکرہ ہے' جس کے بارے میں ہم سورۃ الانعام (آیات ۴۲ تا ۴۵) میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ جب بھی کسی قوم کی طرف کسی رسول کو بھیجا جاتا تو اس قوم کو سختیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر کے ان کے لیے رسول کی دعوت کو قبول کرنے کا ماحول پیدا کیا جاتا۔ کیونکہ خوشحالی اور عیش کی زندگی گزارتے ہوئے انسان نصیحت کی کوئی نئی بات سننے کی طرف کم ہی مائل ہوتا ہے' البتہ تکلیف کی حالت میں انسان ضرور اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ لہٰذا ہر رسول کی دعوت کے آغاز کے ساتھ ہی اس قوم پر اجتماعی زندگی کے حالات تنگ کر دیے جاتے تھے' لیکن اگر متعلقہ قوم کے لوگ اس کے باوجود بھی ہوش میں نہ آتے' اپنی ضد پر اڑے رہتے' اور رسول کی دعوت کو بدستور رد کرتے چلے جاتے' تو ان پر سے وہ سختیاں اور تکلیفیں دور کر کے ان کو غیر معمولی آسائشوں اور نعمتوں سے نواز دیا جاتا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے گویا ڈھیل دینے کا ایک انداز تھا کہ اب اس قوم نے برباد تو ہونا ہی ہے مگر آخری انجام کو پہنچنے سے پہلے ان کی نافرمانیوں کی آخری حدود دیکھ لی جائیں کہ سرکشی کی روش پر وہ کہاں تک جا سکتے ہیں۔ یہ ہے وہ قانون یا اللہ کی سنت' جس پر ہر رسول کی بعثت کے بعد عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔ سورۃ السجدۃ میں اس قانون کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے: ﴿وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾﴾ ''اور ہم انہیں ضرور مزا چکھائیں گے چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے شاید کہ یہ رجوع کریں''۔ بڑے عذاب سے مراد یہاں عذابِ استیصال ہے جس کے بعد کسی قوم کو تباہ و برباد کر کے نسیاً منسیاً کر دیا جاتا ہے۔ اس عذاب کی کیفیت مکی سورتوں میں اس طرح بیان کی گئی ہے: ﴿كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ﴾ (الاعراف: ۹۲' اور سورۂ ہود: ۶۸' ۹۵) ''وہ لوگ ایسے ہو گئے جیسے وہاں بستے ہی نہیں تھے''۔ ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ﴾ (الانعام: ۴۵) ''پس ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی''۔ ﴿لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ ۚ﴾ (الاحقاف: ۲۵) ''اب صرف ان کے مسکن

ہی نظر آ رہے ہیں''۔ یعنی عذابِ استیصال کے بعد ان کے بنائے ہوئے عالیشان محل تو موجود تھے، لیکن ان کے مکینوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچا تھا — قانونِ قدرت کے تحت اس نوعیت کے ''عذاب الاکبر'' سے پہلے چھوٹی چھوٹی تنبیہات آتی ہیں تا کہ لوگ خوابِ غفلت سے جاگ جائیں، ہوش میں آ جائیں، استکبار کی روش ترک کر کے عاجزی اختیار کریں اور رجوع کر کے عذابِ استیصال سے بچ سکیں۔

آیت ۹۵ ﴿ثُمَّ بَدَّلۡنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الۡحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوۡا وَّقَالُوۡا قَدۡ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ﴾ ''پھر ہم نے اس برائی کو بھلائی سے بدل دیا، یہاں تک کہ وہ لوگ خوب بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے آباء واَجداد پر بھی تکلیف اور خوشی آتی رہی ہے''

﴿فَاَخَذۡنٰهُمۡ بَغۡتَةً وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ۝۹۵﴾ ''پھر ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور انہیں اس کا شعور بھی نہیں تھا۔''

جب وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑے رہے تو ان پر دنیوی آسائشوں کے دہانے کھول دیے گئے کہ اب کھاؤ، پیو اور عیش کرو۔ پھر وہ عیش وعشرت کی زندگی میں اس قدر مگن ہوئے کہ سختیوں کے دَور کو بالکل ہی بھول گئے اور کہنے لگے کہ ہمارے اَسلاف پر بھی اچھے اور بُرے دن آتے ہی رہے ہیں، اس میں امتحان اور آزمائش کی کون سی بات ہے، حتیٰ کہ ان کی پکڑ کی گھڑی آن پہنچی اور انہیں اس کا شعور ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی گرفت یوں اچانک آ جائے گی۔

آیت ۹۶ ﴿وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡقُرٰٓى اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَيۡهِمۡ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ﴾ ''اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ کی روش اختیار کرتے تو ہم ان پر کھول دیتے آسمانوں اور زمین کی برکتیں۔''

﴿وَلٰـكِنۡ كَذَّبُوۡا فَاَخَذۡنٰهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ۝۹۶﴾ ''لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے ان کو پکڑ لیا ان کے کرتوتوں کی پاداش میں۔''

آیت ۹۷ ﴿اَفَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰٓى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا بَيَاتًا وَّهُمۡ نَآئِمُوۡنَ۝۹۷﴾ ''تو کیا یہ بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر آ جائے ہمارا عذاب، جبکہ وہ رات کو سوئے ہوئے ہوں۔''

آیت ۹۸ ﴿اَوَ اَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰٓى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًى وَّهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ۝۹۸﴾ ''اور کیا یہ بستیوں والے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر آ جائے ہمارا عذاب دن چڑھے، جب کہ وہ کھیل رہے ہوں۔''

آیت ۹۹ ﴿اَفَاَمِنُوۡا مَكۡرَ اللّٰهِ‌ ۚ فَلَا يَاۡمَنُ مَكۡرَ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ۝۹۹﴾ ''کیا وہ امن میں (یا بے خوف) ہیں اللہ کی چال سے؟ اللہ کی چال سے کوئی اپنے آپ کو امن میں محسوس نہیں کرتا مگر وہی لوگ جو خسارہ پانے والے ہیں۔''

آیت ۱۰۰ ﴿اَوَلَمۡ يَهۡدِ لِلَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ‌ۚ﴾ ''تو

کیا ان لوگوں کو سبق نہیں ملا جو زمین کے وارث ہوئے ہیں اس کے پہلے رہنے والوں کے (ہلاک ہونے کے) بعد' کہ ہم چاہیں تو ان کو بھی پکڑ لیں ان کے گناہوں کی پاداش میں!''

کیا بعد میں آنے والے لوگوں نے اپنی پیش رو قوموں کی تباہی و بربادی سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا؟ قومِ عاد نے کیوں کوئی سبق نہیں سیکھا قومِ نوح کے عذاب سے؟ اور قومِ ثمود نے کیوں عبرت نہیں پکڑی قومِ عاد کی بربادی سے؟ اور قومِ شعیب نے کیوں نصیحت حاصل نہیں کی قومِ لوط کے انجام سے؟

﴿وَنَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ ''اور ہم ان کے دلوں پر مہر کر دیا کرتے ہیں' پھر وہ کچھ سنتے ہی نہیں۔''

آیت ۱۰۱ ﴿تِلْكَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ﴾ ''یہ وہ بستیاں ہیں جن کی کچھ خبریں ہم آپ (ﷺ) کو سنا رہے ہیں۔''

انباء الرسل کے سلسلے میں اب تک پانچ رسولوں یعنی حضرت نوح' حضرت ہود' حضرت صالح' حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کا ذکر ہو چکا ہے۔ آئندہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نسبتاً زیادہ تفصیل سے آ رہا ہے۔

﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ ''اور ان کے پاس ان کے رسول آئے روشن نشانیوں کے ساتھ' تو وہ نہیں تھے ایمان لانے والے اس پر جس کا انہوں نے پہلے انکار کر دیا تھا۔''

یعنی جسے ایمان لانا ہوتا ہے وہ جیسے ہی حق منکشف ہوتا ہے اسے قبول کر لیتا ہے۔ جسے قبول نہیں کرنا ہوتا اس کے لیے نصیحتیں' دلیلیں' نشانیاں اور معجزے سب بے اثر ثابت ہوتے ہیں۔ یہی نکتہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۰ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ یعنی ہم ان کے دلوں اور ان کی نگاہوں کو الٹ دیتے ہیں' جیسے کہ وہ پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے تھے۔

﴿كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۰۱﴾﴾ ''اسی طرح اللہ مہر کر دیا کرتا ہے کافروں کے دلوں پر۔''

آیت ۱۰۲ ﴿وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ﴾ ''اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی پاسداری نہیں پائی۔''

دُنیا میں جب بھی کوئی قوم اُبھری' اپنے رسول کے سہارے اُبھری۔ ہر قوم کے علمی و اخلاقی ورثے کا غالب حصہ اپنے رسول کی تعلیمات اور وصیتوں پر مشتمل رہا۔ اسی طرح ہر رسول نے اپنے پیروکاروں سے کچھ عہد اور میثاق بھی لیے ہوں گے' لیکن لوگوں کی اکثریت نے کبھی کسی عہد کی پاسداری نہیں کی۔

﴿وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِیْنَ ﴿۱۰۲﴾﴾ ''اور ہم نے تو ان کی اکثریت کو فاسق ہی پایا۔''

اب انباء الرسل کے سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے۔ اس سے پہلے پانچ رسولوں کا ذکر چار

رکوعوں میں آیا ہے‘ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر سات آٹھ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انباء الرسل کی حامل یہ سورتیں ہجرت سے متصلاً قبل نازل ہوئی تھیں اور ہجرت کے فوراً بعد قرآن کی یہ دعوت براہِ راست اہل کتاب (یہودِ مدینہ) تک پہنچنے والی تھی۔ لہٰذا ضروری تھا کہ نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ مدینہ پہنچنے سے پہلے یہود سے مکالمہ کرنے کے لیے ذہنی اور علمی طور پر پوری طرح تیار ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے واقعات ان سورتوں میں بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

آیات ۱۰۳ تا ۱۲۶

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ۙ
حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِىَ
بَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ۭ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى
عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ۚۖ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ۧ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ ع ۱۳ / ۹ / ۴
قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ۙ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾
قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَاۗىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ۙ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَاۗءَ
السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ
الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ
فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَاۗءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى
مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ۚ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ۚ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ۚ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ۚۖ قَالُوْٓا اٰمَنَّا
بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ۙ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ
اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾
لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا
مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ۚ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاۗءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ۧ ع ۱۴ / ۱۸ / ۴

آیت ۱۰۳ ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ﴾ ”پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف“

اب تک جن پانچ قوموں کا ذکر ہوا ہے وہ جزیرہ نمائے عرب ہی کے مختلف علاقوں میں بستی تھیں' لیکن اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بنی اسرائیل کا ذکر ہوگا جو مصر کے باسی تھے۔ مصر براعظم افریقہ کے شمال مشرقی کونے میں واقع ہے۔ اس قصے میں صحرائے سینا کا بھی ذکر آئے گا' یہ مثلث شکل کا جزیرہ نما (Sinai Peninsula) علاقہ مصر اور فلسطین کے درمیان واقع ہے۔ مصر میں اُس وقت ''فراعنہ'' (''فرعون'' کی جمع) کی حکومت تھی۔ جس طرح عراق کے قدیم بادشاہ ''نمرود'' کہلاتے تھے اسی طرح مصر میں اُس دور کے بادشاہ کو ''فرعون'' کہا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو براہِ راست مصر کے مطلق العنان بادشاہ (فرعون) کے پاس بھیجا گیا تھا۔

﴿فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾﴾ ''تو انہوں نے ان (نشانیوں) کے ساتھ ظلم کیا' تو دیکھ لو کیسا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا!''

یعنی فرعون اور اُس کی قوم کے سرداروں نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کر کے اور انہیں جادوگری قرار دے کر ان کی حق تلفی کی۔

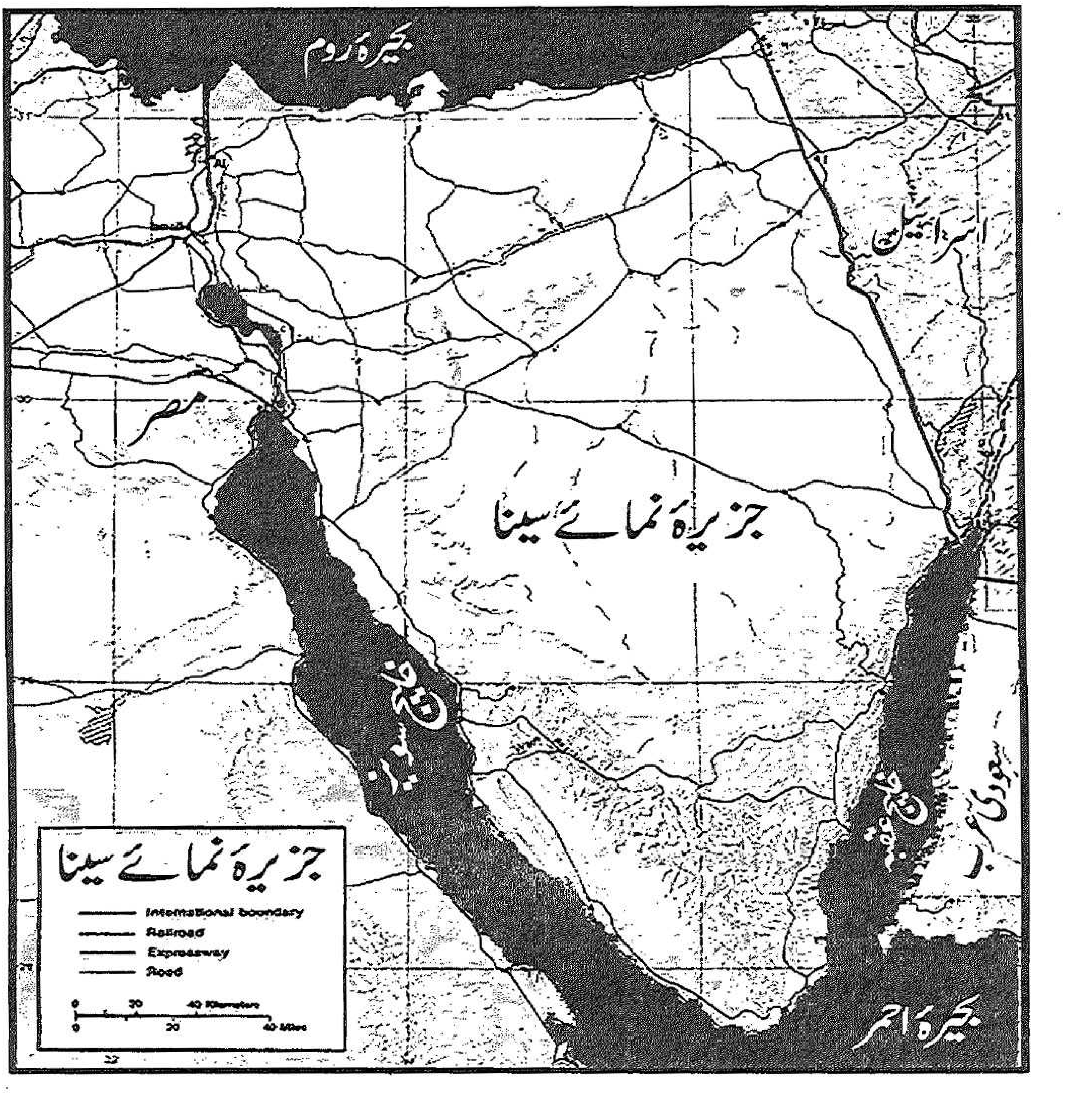

آیت ۱۰۴ ﴿وَقَالَ مُوْسٰی یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾ ''اور موسیٰؑ نے کہا: اے فرعون! میں رسول ہوں تمام جہانوں کے رب کی طرف سے۔''

آیت ۱۰۵ ﴿حَقِیْقٌ عَلٰٓی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ﴾ ''میں اس پر قائم ہوں کہ حق کے سوا کوئی بات اللہ سے منسوب نہ کروں۔''

فرعون کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی اجنبی آدمی نہیں تھے۔ آپؑ اس کے ساتھ ہی شاہی محل میں پلے بڑھے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت جو فرعون برسرِ اقتدار تھا وہ اس فرعون کا باپ تھا اور اُسی نے حضرت موسیٰؑ کو اپنے بیٹے کی حیثیت سے پالا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے آپؑ کو ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا تھا۔ وہ صندوق فرعون کے محل کے پاس ساحل پر آ لگا، محل کے ملازمین اسے اٹھا کر محل میں لے گئے۔ فرعون کو پتا چلا تو وہ اسرائیلی بچہ سمجھ کر آپؑ کے قتل کے درپے ہوا، مگر اُس کی بیوی نے اسے یہ کہہ کر باز رکھا کہ ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں گے، یہ ہمارے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا: ﴿قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَکَ ؕ﴾ (القصص: ۹) کیونکہ اُس وقت تک اُن کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنا لیا۔ بعد میں اُس کے ہاں بھی ایک بیٹا پیدا ہوا۔ حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا بیٹا تقریباً ہم عمر تھے، وہ دونوں اکٹھے محل میں پلے بڑھے تھے اور اُن کے درمیان حقیقی بھائیوں جیسی محبت تھی، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیثیت بڑے بھائی کی تھی۔ جب بڑا فرعون بوڑھا ہو گیا تو اُس نے اپنی زندگی میں ہی اقتدار اپنے بیٹے کے سپرد کر دیا تھا۔ چنانچہ جس فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا یہ وہی شخص تھا جس کے ساتھ آپؑ شاہی محل میں پلے بڑھے تھے۔ ابھی کچھ ہی برس پہلے آپؑ شاہی محل چھوڑ کر مصر سے مدین گئے تھے اور پھر جب مدین سے واپس آ رہے تھے تو آپؑ کو نبوت اور رسالت ملی (اس کی پوری تفصیل آگے جا کر سورۂ طٰہٰ اور سورۃ القصص میں آئے گی)۔ اس پس منظر میں فرعون کے ساتھ آپؑ کا بات کرنے کا انداز ایک عام آدمی جیسا نہیں تھا۔ آپؑ نے بڑے واضح اور بے باک انداز میں فرعون کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو! میرا یہ منصب نہیں اور یہ بات میرے شایانِ شان نہیں کہ میں تم سے کوئی لایعنی اور جھوٹی بات کروں۔

﴿قَدْ جِئْتُکُمْ بِبَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۰۵﴾﴾ ''میں لے کر آیا ہوں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک کھلی نشانی، تو تم بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو۔''

بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کی وساطت سے فلسطین سے آکر مصر میں اس وقت آباد ہوئے تھے جب یہاں ایک عربی النسل خاندان کی حکومت تھی۔ اس خاندان کے بادشاہ ''چرواہے بادشاہ'' (Hiksos Kings) کہلاتے تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے احترام کی وجہ سے بنی اسرائیل کو معاشرے میں ایک خصوصی مقام حاصل رہا اور وہ صدیوں تک عیش و عشرت کی زندگی گزارتے رہے۔ اس کے بعد کسی دور میں مصر کے اندر قوم پرست عناصر کے زیر اثر انقلاب آیا۔ اس انقلاب کے نتیجے میں حکمران خاندان کو ملک بدر کر دیا گیا اور یہاں قبطی قوم کی حکومت قائم ہوگئی۔ یہ لوگ مصر کے اصل باشندے تھے۔

بنی اسرائیل کے لیے یہ تبدیلی بڑی منحوس ثابت ہوئی۔ سابق شاہی خاندان کے چہیتے ہونے کی وجہ سے وہ قبطی حکومت کے زیر عتاب آ گئے اور ان کی حیثیت اور زندگی بتدریج پست سے پست اور سخت سے سخت ہوتی چلی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے زمانے میں یہ لوگ مصر میں غلامانہ زندگی گزار رہے تھے' بلکہ فرعونوں کی طرف سے آئے روز ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ یہ وہ حالات تھے جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تا کہ وہ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر واپس فلسطین لائیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے دیا جائے۔

آیت ۱۰۶ ﴿قَالَ اِنۡ كُنۡتَ جِئۡتَ بِاٰيَةٍ فَاۡتِ بِهَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۝۱۰۶﴾ ''اُس (فرعون) نے کہا: اچھا اگر تم (واقعی) کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو اسے پیش کرو' اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو!''

آیت ۱۰۷ ﴿فَاَلۡقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعۡبَانٌ مُّبِيۡنٌ ۝۱۰۷﴾ ''تو اُس (موسیٰ علیہ السلام) نے اپنا عصا پھینکا' تو اسی وقت وہ ایک حقیقی اژدھا بن گیا۔''

آیت ۱۰۸ ﴿وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيۡضَآءُ لِلنّٰظِرِيۡنَ ۝۱۰۸﴾ ''اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) نکالا تو اچانک وہ تھا دیکھنے والوں کے لیے سفید (چمکدار)۔''

آیت ۱۰۹ ﴿قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِ فِرۡعَوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيۡمٌ ۝۱۰۹﴾ ''فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ یہ تو واقعتاً کوئی بہت ماہر جادوگر ہے۔''

کہ یہ جو یہاں سے جان بچا کر بھاگ گیا تھا اور کئی سال بعد اب واپس آیا ہے تو کہیں سے بہت بڑا جادو سیکھ کر آیا ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿يُّرِيۡدُ اَنۡ يُّخۡرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرۡضِكُمۡ‌ۚ فَمَاذَا تَاۡمُرُوۡنَ ۝۱۱۰﴾ ''یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال باہر کرے' تو اب تمہاری کیا رائے ہے؟''

یہ تو چاہتا ہے کہ جادو کے زور پر تمہیں اس ملک سے نکال کر یہاں خود اپنی حکومت قائم کر لے۔ اس نازک صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اب کیا حکمتِ عملی اختیار کی جائے؟

آیت ۱۱۱ ﴿قَالُوۡۤا اَرۡجِهۡ وَاَخَاهُ وَاَرۡسِلۡ فِى الۡمَدَآئِنِ حٰشِرِيۡنَ ۝۱۱۱﴾ ''(پھر مشورہ دیتے ہوئے) انہوں نے کہا کہ (فی الحال) موسیٰ اور اس کے بھائی کے معاملے کو مؤخر رکھیں اور مختلف شہروں میں ہرکارے بھیج دیں۔''

یعنی ابھی فوری طور پر ان کے خلاف کوئی ردِّعمل ظاہر نہ کیا جائے۔ انہیں مناسب انداز میں ٹالتے ہوئے مؤثر جوابی حکمت عملی اپنانے کے لیے وقت حاصل کیا جائے اور اس دوران ملک کے تمام علاقوں کی طرف اپنے اہلکار روانہ کر دیے جائیں۔

آیت ۱۱۲ ﴿يَاۡتُوۡكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيۡمٍ ۝۱۱۲﴾ ''جو آپ کے پاس لے آئیں تمام ماہر جادوگروں کو۔''

ملک کے کونے کونے سے چوٹی کے جادوگروں کو بلا کر ایک عوامی اجتماع کے سامنے مقابلے میں انہیں شکست سے دوچار کیا جائے تاکہ لوگوں کے ذہنوں میں جنم لینے والے خوف کے اثرات زائل ہو جائیں۔

آیت ۱۱۳ ﴿وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾﴾ ''اور وہ جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے' انہوں نے کہا: یقیناً ہمیں اجر تو ملے گا ہی' اگر ہم غالب آ گئے!''

یہاں پر غیر ضروری تفاصیل کو چھوڑ کر رسالت کے مقام و منصب اور دنیا داروں کے مادہ پرستانہ کردار کے فرق کو نمایاں کیا جا رہا ہے۔ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کے مطالبے کے مطابق انہیں نشانیاں دکھائیں مگر آپؑ کو اس سے کوئی مفاد مطلوب نہیں تھا۔ آپؑ نے فرعون اور اہل دربار کو مرعوب کر کے کسی انعام واکرام کا مطالبہ نہیں کیا۔ جب کہ دوسری طرف جادوگروں کا کردار خالص مادہ پرستانہ سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ انہوں نے آتے ہی جو مطالبہ کیا وہ مالی منفعت سے متعلق تھا۔

آیت ۱۱۴ ﴿قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اس نے کہا: ہاں اور (انعام کے علاوہ) تم مقربین میں بھی شامل کر لیے جاؤ گے۔''

فرعون نے ان سے وعدہ کیا کہ تمہیں مالی فوائد اور انعام واکرام سے بھی نوازا جائے گا اور دربار میں بڑے بڑے مراتب و مناصب بھی عطا کیے جائیں گے۔ اس کے بعد ایک کھلے میدان میں بہت بڑے عوامی اجتماع کے سامنے یہ مقابلہ شروع ہوا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے جادوگر ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تو:

آیت ۱۱۵ ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾﴾ ''(جادوگر) کہنے لگے: اے موسیٰ! اب تم پہلے ڈالو گے یا ہم ہو جائیں پہلے ڈالنے والے؟''

آیت ۱۱۶ ﴿قَالَ اَلْقُوْا ۚ﴾ ''(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: تم ڈالو!''

چنانچہ جادوگروں نے اپنی جادو کی چیزیں زمین پر پھینک دیں۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں کسی جگہ پر رسیوں کا ذکر آیا ہے اور کہیں چھڑیوں کا۔ یعنی جادو کی وہ چیزیں زمین پر پھینک دیں جو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کر رکھی تھیں۔

﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾ ''تو جب انہوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا''

انہوں نے جادو کے زور سے حاضرین کی نظر بندی کر دی جس کے نتیجے میں لوگوں کو رسیوں اور چھڑیوں کے بجائے زمین پر سانپ اور اژدھے رینگتے ہوئے نظر آنے لگے۔

﴿وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾﴾ ''اور انہوں نے اُن (حاضرین) پر دہشت طاری کر دی اور ظاہر کر دیا بہت بڑا جادو۔''

واقعتاً انہوں نے بھی اپنے فن کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ یہاں اس قصے کی کچھ تفصیل چھوڑ دی گئی ہے' مگر قرآن حکیم کے بعض دوسرے مقامات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے اس مظاہرے کے

نہ عارضی طور پر ڈر سے گئے تھے (طٰہٰ:۶۷) کہ جو معجزہ میرے پاس ہے اسی نوعیت کا مظاہرہ انہوں نے بھی کر دکھایا ہے‘ تو پھر میرے اور ان کے درمیان لوگ فرق کیسے محسوس کریں گے! تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ ڈرو نہیں‘ بلکہ تمہارے ہاتھ میں جو عصا ہے اسے زمین پر پھینک دو!

آیت ۱۱۷ ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿١١٧﴾﴾ ”اور ہم نے وحی کی موسیٰ کو کہ ڈالو (تو سہی ذرا) اپنا عصا‘ تو دفعتہً وہ (اژدہا بن کر) نگلنے لگا ان سب کو جو وہ گھڑ لائے تھے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا پھینکنا تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے جادوگروں کے اس جھوٹے طلسم کو نگلنا شروع کر دیا۔

آیت ۱۱۸ ﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٨﴾﴾ ”پس حق ظاہر ہو گیا اور جو کچھ وہ کر رہے تھے وہ باطل ہو کر رہ گیا۔“

آیت ۱۱۹ ﴿فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿١١٩﴾﴾ ”تو یہ (جادوگر) اُسی وقت مغلوب ہو گئے اور وہ (فرعون اور اس کے سردار) ذلیل ہو کر رہ گئے۔“

یعنی فرعون کے بلائے ہوئے بڑے بڑے جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے مغلوب ہو گئے اور نتیجتاً فرعون اور اُس کی قوم کے سردار ذلیل ہو کر رہ گئے۔

آیت ۱۲۰ ﴿وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿١٢٠﴾﴾ ”اور جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے۔“

یعنی ایسے لگا جیسے جادوگروں کو کسی نے سجدے میں گرا دیا ہو۔ ان پر یہ کیفیت حق کے منکشف ہو جانے کے بعد طاری ہوئی۔ یہ ایک ایسی صورتِ حال تھی کہ جب کسی باضمیر انسان کے سامنے حق کو مان لینے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ (option) رہ ہی نہیں جاتا۔

آیت ۱۲۱ ﴿قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢١﴾﴾ ”وہ (فوراً) پکار اٹھے کہ ہم ایمان لے آئے تمام جہانوں کے رب پر۔“

آیت ۱۲۲ ﴿رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١٢٢﴾﴾ ”موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر۔“

مقامِ فکر ہے کہ جادوگر مغلوب ہوئے تو فوراً ایمان کیوں لے آئے اور وہ بھی انتہائی پختہ‘ یقین اور استقامت والا ایمان! کہاں ان کی وہ کیفیت کہ وہ فرعون سے انعام کی بھیک مانگ رہے تھے اور کہاں ان کا یہ جذبہ کہ انہوں نے اسے خاطر میں نہ لاتے ہوئے نتائج سے بے پروا ہو کر ڈنکے کی چوٹ پر اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔ جادوگروں کے کردار اور رویّے میں اس تبدیلی کی منطقی توجیہہ یہ ہے کہ جو شخص کسی فن کا ماہر ہو وہ اس فن کی استعداد اور اس استعداد کی حدود (limitations) کے بارے میں بخوبی آگاہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے وہ اپنے فن کے شعبہ تخصص (field of specialization) سے متعلقہ چیز کی قدر‘ اہمیت‘ معیار وغیرہ کو صحیح پہچان سکتا

ہے۔ چنانچہ جادوگر جو اپنے فن کے منجھے ہوئے ماہرین تھے وہ فوراً پہچان گئے تھے کہ ان کے جادو کے مقابلے میں جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا ہے وہ جادو سے ماوراء کوئی چیز ہے۔ لہٰذا جس حقیقت کا ادراک فرعون اور اس کے امراء نہ کر سکے وہ بجلی کی ایک کوند (flash) کی مانند آناً فاناً جادوگروں کے دلوں کے تاریک گوشوں کو روشن کر گئی اور اس کے نتیجے میں ان کو ایسا ایمان نصیب ہوا جس کی جرأتِ اظہار اور استقامت نے فرعون اور اس کے لاؤلشکر کو پریشان کر دیا۔

آیت ۱۲۳ ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ﴾ ''فرعون نے کہا (تمہاری یہ جرأت کہ) تم ایمان لے آئے ہو اس پر اس سے قبل کہ میں تمہیں اجازت دوں!''

﴿اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ﴾ ''یہ تمہاری ایک (سوچی سمجھی) سازش ہے جو تم سب نے مل کر چلی ہے شہر کے اندر''

اب فرعون کی جان پر بن گئی کہ اجتماع میں موجود لوگوں پر جادوگروں کی اس شکست کے اثرات کو کیسے زائل کیا جائے اور عوام کو مطمئن کرنے کے لیے کیا حربہ آزمایا جائے؟ چنانچہ اس نے فوراً پینترا بدلا اور بولا مجھے سب پتا چل گیا ہے' یہ موسیٰ بھی دراصل تمہارا ہی ساتھی ہے' بلکہ یہ تمہارا گرو گھنٹال ہے۔ اس کے مقابلے میں تم لوگوں کی یہ ظاہری شکست ایک سازش ہے جس کا جال تم سب نے مل کر ہمارے خلاف بُنا ہے۔

﴿لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۲۳﴾ ''تاکہ نکال دو اس (شہر) میں سے اس کے باسیوں کو' تو تمہیں عنقریب پتا چل جائے گا۔''

آیت ۱۲۴ ﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۱۲۴﴾ ''میں کاٹ ڈالوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے اور پھر میں سولی پر چڑھا دوں گا تم سب کو۔''

آیت ۱۲۵ ﴿قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝۱۲۵﴾ ''انہوں نے کہا (ٹھیک ہے) ہمیں تو اپنے ربّ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔''

جادوگروں پر انکشافِ حق سے حاصل ہونے والی یقین کی پختگی اور گہرائی کا یہ عالم تھا کہ ایک مطلق العنان بادشاہ کی اتنی بڑی دھمکی ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی لرزش پیدا نہ کر سکی۔ ان کے اس جواب کے ایک ایک لفظ سے ان کے دل کا اطمینان جھلکتا بلکہ چھلکتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔

آیت ۱۲۶ ﴿وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ﴾ ''اور تم ہم سے کس بات کا انتقام لے رہے ہو سوائے اس کے کہ ہم ایمان لے آئے اپنے رب کی آیات پر جب وہ ہمارے پاس آ گئیں!''

﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝۱۲۶﴾ ''اے ہمارے ربّ! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں وفات دیجیو مسلم ہی کی حیثیت سے۔''

یعنی ایمان کے راستے میں جو آزمائش آنے والی ہے اس کی سختیوں کو جھیلتے ہوئے کہیں دامنِ صبر ہمارے

ہاتھوں سے چھوٹ نہ جائے اور ایسا نہ ہو کہ ہم پھر سے کفر کی طرف لوٹ جائیں۔ اے اللہ! ہمیں صبر اور استقامت عطا فرما' اور اگر ہمیں موت آئے تو تیری اطاعت اور فرمانبرداری کی حالت میں آئے۔

اس واقعے کے بعد فرعون نے جادوگروں کے خلاف تو ضرور انتقامی کارروائی کی ہو گی لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف کوئی ٹھوس اقدام نہ کر سکا۔ چنانچہ اس کے بعد بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے اور بنی اسرائیل کو منظم کرنے میں مصروف رہے اور قوم کے بہت سے نوجوان آپؑ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپؑ کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔ آپؑ کی اس طرح کی سرگرمیوں سے حکومتی عہدیداروں کے اندر بجا طور پر تشویش پیدا ہوئی اور بالآخر انہوں نے فرعون سے اس بارے میں شکایت کی۔

آیات ۱۲۷ تا ۱۴۱

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ
وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْىٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ قَالَ
مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۬ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ
قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ ع
وَلَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ فَاِذَا
جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ
اِنَّمَا طٰۤئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ
لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ
وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا وَقَعَ
عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ
لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۚ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ
هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ
وَمَغَارِبَهَا الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ بِمَا
صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْۤ
اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ

اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝۱۳۸ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۳۹ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۴۰ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ
مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ
ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۱۴۱ ع ۱۶/۱۲/۶

آیت ۱۲۷ ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ﴾ ”اور کہا قومِ فرعون کے سرداروں نے (فرعون سے) کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو اسی طرح چھوڑے رکھیں گے کہ وہ زمین کے اندر فساد مچائیں“

﴿وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ﴾ ”اور آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں!“

یعنی یہ لوگ جس نئے نظریے کا پرچار کر رہے ہیں اگر وہ عوام میں مقبول ہوتا گیا اور اس نظریے کی بنیاد پر لوگ منظم ہوتے گئے تو ہمارے خلاف بغاوت پھوٹنے اور ملک میں فساد پھیلنے کا سخت اندیشہ ہے۔

یہاں پر یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ قومِ فرعون کے بہت سے معبود تھے۔ تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سب سے بڑا الٰہ سورج تھا۔ اسی طرح وہ لوگ فرعون کو بھی اپنا خدا مانتے تھے۔ فرعون کی خدائی دراصل سیاسی تھی' اُس کا دعویٰ تھا کہ حکومت اور اقتدار و اختیار (sovereignty) کا میں بلا شرکتِ غیرے مالک ہوں۔ نمرود کی خدائی کا دعویٰ بھی اِسی نوعیت کا تھا۔ اس کے علاوہ بھی قومِ فرعون نے پوجا پاٹ کے لیے بہت سے معبود بنا رکھے تھے جن کے چھوٹ جانے کا انہیں اندیشہ تھا۔

﴿قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ﴾ ”اُس نے کہا: ہم عنقریب قتل کریں گے ان کے بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیں گے ان کی بیٹیوں کو۔“

یہ آزمائش بنی اسرائیل پر ایک دفعہ اس سے پہلے بھی آ چکی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل جو فرعون برسرِاقتدار تھا اُس نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر میں اس کے نجومیوں نے اسے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بچے کی پیدائش ہونے والی ہے جو بڑا ہو کر آپ کی حکومت کو ختم کر دے گا۔ چنانچہ اس خدشے کے پیشِ نظر فرعون نے حکم دیا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں پیدا ہونے والے ہر لڑکے کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا جائے اور صرف لڑکیوں کو زندہ رہنے دیا جائے۔ اب تقریباً چالیس' پینتالیس سال بعد اس کے جانشین فرعون کو اس خوفناک قانون کو دوبارہ نافذ کرنے کا خیال آ گیا جب اس کے سرداروں نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ ہم جسے محض ایک مشتِ غبار سمجھ رہے ہیں وہ بڑھتے بڑھتے کہیں طوفان ہی نہ بن جائے اور یہ کہ اگر اس شخص (حضرت موسیٰ علیہ السلام) نے واقعی اپنی قوم کو ہمارے خلاف ایک تحریک کی شکل میں منظم کر لیا تو پھر ان کو دبانا ہمارے لیے مشکل ہو جائے گا۔ لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ ”nip the evil in the bud“ کے اصول کے تحت حضرت موسیٰؑ کو قتل کر دیا جائے' لیکن فرعون کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے محبت ڈال رکھی تھی۔ جیسا کہ

قبل ازیں بھی وضاحت کی جا چکی ہے' اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھائیوں کا سا رشتہ تھا' جس کی وجہ سے اس کے دل میں ابھی تک آپؑ کے لیے طبعی محبت موجود تھی۔ یہی وجہ تھی کہ آپؑ کو قتل کرنے کے بجائے اس نے بنی اسرائیل کو دبانے کے لیے اپنے باپ کے زمانے کا پرانا حکم پھر سے نافذ کرانے کا عندیہ دے دیا کہ ہم ان کے لڑکوں کو قتل کرتے رہیں گے تاکہ موسیٰؑ کو اپنی قوم سے افرادی قوت مہیا نہ ہو سکے۔

﴿وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴾ ''اور یقیناً ہم ان پر پوری طرح غالب ہیں۔''

گویا اب درباریوں اور امراء کا حوصلہ بڑھانے کے انداز میں کہا جا رہا ہے کہ تم کیوں گھبراتے ہو' ہم پوری طرح ان پر چھائے ہوئے ہیں' یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

آیت ۱۲۸ ﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ ''موسیٰؑ نے اپنی قوم (اہل ایمان) سے کہا کہ اب تم لوگ اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو!''

﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''یقیناً یہ زمین اللہ کی ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے' لیکن عاقبت (آخرت) تو تقویٰ والوں کے لیے ہی ہے۔''

یعنی اتنی بڑی آزمائش میں ثابت قدم رہنے کے لیے اللہ سے مدد کی دعا کرتے رہو اور صبر کا دامن تھامے رکھو۔ انجام کار کی کامیابی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والوں کا مقدر ہے۔

آیت ۱۲۹ ﴿قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ ''وہ کہنے لگے: (اے موسیٰ!) ہمیں تو ایذا پہنچی آپؑ کے آنے سے قبل بھی اور آپؑ کے آنے کے بعد بھی۔''

ان الفاظ سے اس مظلوم قوم کی بے بسی اور بے چارگی ٹپک رہی ہے' کہ پہلے بھی ہمارا یہی حال تھا کہ ہم بدترین ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے' اور اب آپؑ کے آنے کے بعد بھی ہمارے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکی۔

﴿قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴾
''(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: (گھبراؤ نہیں!) ہو سکتا ہے عنقریب اللہ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں خلافت عطا کر دے زمین میں' پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو!''

یہ آیت مسلمانانِ پاکستان کے لیے بھی لمحۂ فکریہ ہے۔ برعظیم پاک و ہند کے مسلمان بھی غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ متحدہ ہندوستان اگر ایک وحدت کی حیثیت سے آزاد ہوا تو کثرتِ آبادی کی وجہ سے ہندو ہمیشہ ہم پر غالب رہیں گے' کیونکہ جدید دنیا کا سیاسی نظام ''one man one vote'' کے جمہوری اصول کے تحت چلتا ہے۔ اس طرح ہندو ہمارے دین و مذہب' تہذیب و تمدن' سیاست و معیشت اور زبان و معاشرت سمیت ہر چیز کو برباد کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ایک الگ آزاد وطن حاصل کرنے کے لیے تحریک چلائی۔ اس تحریک کا نعرہ یہی تھا کہ مسلمان قوم کو اپنے دین و مذہب' ثقافت' معاشرت وغیرہ کے مطابق زندگی

بسر کرنے کے لیے ایک الگ وطن کی ضرورت ہے۔ اس تحریک میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی دی اور انہیں ایک آزاد خودمختار ملک کا مالک بنا دیا۔ ابھی اس حوالے سے اس آیت کا دوبارہ مطالعہ کیجیے اور اس کے بین السطور میں مسلمانانِ پاکستان کے لیے جو پیغام ہے اسے سمجھنے کی کوشش کیجیے: ﴿وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝﴾ کہ وہ تمہیں زمین میں طاقت اور اقتدار عطا کرے گا اور پھر دیکھے گا کہ تم لوگ کیسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہو! اس ملک میں اللہ کی حکومت قائم کر کے دین کو غالب کرتے ہو یا اپنی مرضی کی حکومت قائم کر کے اپنی خواہشات کے مطابق نظام چلاتے ہو۔

آیت ۱۳۰ ﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝١٣٠﴾ ''اور ہم نے پکڑا آلِ فرعون کو لگاتار قحط سالی اور فصلوں کی تباہی سے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔''

یہ وہی قانون ہے جس کا ذکر اسی سورت کی آیت ۹۴ میں ہو چکا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف کوئی رسول بھیجتا ہے تو انہیں آزمائشوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ وہ خوابِ غفلت سے جاگیں اور دعوتِ حق کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب آلِ فرعون کی طرف مبعوث ہوئے اور آپؑ نے اپنی دعوت شروع کی تو اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے قومِ فرعون پر چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجنے شروع کیے تاکہ وہ ہوش میں آ جائیں۔

آیت ۱۳۱ ﴿فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ﴾ ''تو جب بھی حالات بہتر ہو جاتے تو وہ لوگ کہتے یہ ہمارے لیے ہے۔''

﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۭ﴾ ''اور جب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی تو اسے وہ نحوست سمجھتے موسیٰ اور آپؑ کے ساتھیوں کی۔''

﴿اَلَآ اِنَّمَا طٰۗىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝١٣١﴾ ''آگاہ ہو جاؤ کہ ان کی شومئ قسمت اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھتے نہیں۔''

جب ان کے حالات قدرے بہتر ہوتے یعنی فصلیں وغیرہ ٹھیک ہو جاتیں، خوشحالی آتی اور ان کو آسائش حاصل ہوتی تو وہ کہتے کہ یہ ہماری محنت، منصوبہ بندی اور کوشش کا نتیجہ ہے، یہ ہمارا استحقاق ہے۔ اور جب ان کو فصلوں وغیرہ میں نقصان ہوتا یا کسی اور قسم کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ اس سب کچھ کی ذمہ داری حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھیوں پر ڈال دیتے کہ ہماری تمام مشکلات ان لوگوں کی نحوست کی وجہ سے ہیں۔

آیت ۱۳۲ ﴿وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝١٣٢﴾ ''اور وہ کہتے کہ (اے موسیٰ!) تم ہمارے اوپر خواہ کوئی بھی نشانی لے آؤ تاکہ اس سے ہم پر جادو کرو، مگر ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔''

وہ تحدّی کے انداز میں کہتے کہ اے موسیٰ! یہ جو تم اپنے جادو کے زور سے ہم پر مصیبتیں لا رہے ہو اور سمجھتے ہو

کہ ہم تمہارے جادو کے زیر اثر اپنے عقائد سے برگشتہ ہو جائیں گے‘ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا! ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں!

آیت ۱۳۳ ﴿فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَالۡجَرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ﴾ ’’پھر ہم نے بھیجے ان کے اوپر طوفان اور ٹڈی دَل‘ اور چچڑیاں اور مینڈک اور خون‘‘

ان پر طوفانِ بادو باراں آتے‘ ٹڈی دَل ان کی فصلوں کو چٹ کر جاتی‘ چچڑیاں‘ جوئیں‘ کھٹمل اور پسّو مسلسل انہیں تنگ کرتے‘ ان کے اناج میں کثرت سے سرسریاں پڑ جاتیں۔ مینڈک ان کے گھروں‘ بستروں اور برتنوں وغیرہ میں ہر جگہ دندناتے پھرتے۔ وقتاً فوقتاً ان پر خون کی بارش ہوتی اور کھانے پینے کی چیزوں میں بھی خون کی آمیزش ہو جاتی۔

﴿اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۟﴾ ’’(ہم نے بھیجیں یہ) نشانیاں وقفے وقفے سے‘‘

یہ ساری مصیبتیں اور آزمائشیں یکبارگی ان پر مسلط نہیں ہو گئی تھیں‘ بلکہ وقفے وقفے سے یکے بعد دیگرے آتی رہیں‘ کہ شاید کسی وقت عاجز آ کر وہ راہِ راست پر آ جائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کر لیں۔

﴿فَاسۡتَکۡبَرُوۡا وَکَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾﴾ ’’(اس کے باوجود) وہ تکبر پر اڑے رہے اور وہ تھے ہی مجرم لوگ۔‘‘

اگلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں ان کی یہ اکڑ ختم ہو گئی تھی‘ اور مشکلات کے خاتمے کے لیے وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منت سماجت کرنے پر بھی تیار ہو گئے تھے۔

آیت ۱۳۴ ﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَیۡهِمُ الرِّجۡزُ قَالُوۡا یٰمُوۡسَی ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَکَ ۚ﴾ ’’اور جب ان پر کوئی عذاب آتا تھا تو وہ کہتے: اے موسیٰؑ اپنے ربّ سے دعا کرو اُس عہد کے واسطہ سے جو اُس نے تم سے کر رکھا ہے۔‘‘

﴿لَئِنۡ کَشَفۡتَ عَنَّا الرِّجۡزَ لَنُؤۡمِنَنَّ لَکَ﴾ ’’اگر تم نے ہم سے اس عذاب کو ہٹا دیا تو ہم لازماً تمہاری بات مان لیں گے‘‘

آمَنَ کے ساتھ جب ’’ل‘‘ کا صلہ آتا ہے (جیسے لَکَ) تو یہ فعل عقیدے والے ’’ایمان‘‘ کے بجائے کسی بات کو سرسری انداز میں ماننے کے معنی دیتا ہے۔ لہٰذا ’’لَنُؤۡمِنَنَّ لَکَ‘‘ کا مطلب ہے کہ ہم لازماً تمہاری بات مان لیں گے۔ لیکن اس فعل کے ساتھ جب ’’ب‘‘ کا صلہ آئے‘ جیسا کہ ’’اٰمَنۡتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ‘‘ میں ہے تو اس کے معنی پورے وثوق‘ یقین اور گہرے اعتماد کے ساتھ ماننے یعنی ایمان لانے کے ہوتے ہیں۔

﴿وَلَنُرۡسِلَنَّ مَعَکَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۳۴﴾﴾ ’’اور ہم بنی اسرائیل کو بھی لازماً تمہارے ساتھ بھیج دیں گے۔‘‘

اس زمانے میں مصر کے اندر بنی اسرائیل کی حیثیت حکمران خاندان کے غلاموں کی سی تھی۔ فَراعنہ ان سے

مشکل اور بھاری کام بیگار میں کرواتے تھے۔ اہرامِ مصر کی تعمیر کے دوران ہزاروں اسرائیلی بے رحم مشقت کے سبب جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور ان کی ہڈیاں اہرامِ مصر کی بنیادوں میں دفن ہو گئیں۔ اہراموں کی تعمیر کے لیے سینکڑوں مَن وزنی چٹانوں کو دھکیلتے اور کھینچتے ہوئے اوپر چڑھایا جاتا تھا۔ اس دوران اگر کوئی چٹان گر جاتی تو اس کے نیچے سینکڑوں اسرائیلی پس جاتے۔ چونکہ وہ لوگ فرعون کے مفت کے کارندے تھے لہٰذا وہ ان کو آسانی سے چھوڑنے والا نہیں تھا۔ لیکن ان آیات کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ یکے بعد دیگرے آنے والے عذاب سہہ سہہ کر فرعون اور اُس کے امراء کا غرور و تکبر کچھ کم ہوا تھا۔ چنانچہ جب وہ لوگ زیادہ عاجز آ جاتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ بھی کرتے تھے کہ اگر یہ مصیبت ٹل جائے تو ہم آپؑ کی بات مان لیں گے اور آپؑ کی قوم کو آزاد کر کے آپؑ کے ساتھ بھیج دیں گے۔

آیت ۱۳۵ ﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ﴾ ”لیکن جب ہم ان سے اس مصیبت کو دور کر دیتے تھے ایک خاص مدت کے لیے کہ جس تک وہ پہنچنے والے ہوتے تو وہ دفعتہً عہد توڑ دیتے تھے۔“

آیت ۱۳۶ ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ﴾ ”پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور ہم نے انہیں سمندر میں غرق کر دیا‘ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور وہ ان (آیات) سے تغافل برتتے رہے۔“

آیت ۱۳۷ ﴿وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ﴾ ”اور جن لوگوں کو دبا لیا گیا تھا (اب) ہم نے انہیں وارث بنا دیا اس زمین کے مشرق و مغرب کا جس کو ہم نے بابرکت بنایا تھا۔“

یہاں پر مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا کی ترکیب کی خاص ادبی (literary) اہمیت ہے جو فقرے میں ایک خوبصورت rhythm پیدا کر رہی ہے۔ اس آیت کا سادہ مفہوم یہی ہے کہ بنی اسرائیل جو مصر میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے ان کو وہاں سے اٹھا کر پورے فلسطین کا وارث بنا دیا۔ ارضِ فلسطین کی خصوصی برکت کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں بھی بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ کے الفاظ کے ساتھ ہوا ہے۔ یہ سرزمین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سینکڑوں انبیاء کے مسکن و مدفن کی حیثیت سے بھی متبرک ہے اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ایک امتیازی نوعیت کی زرخیزی سے نوازا ہے۔

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ﴾ ”اور آپ کے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا اس وجہ سے کہ وہ ثابت قدم رہے۔“

ان میں سے جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے انہوں نے واقعتاً سخت ترین آزمائشوں پر صبر کیا اور ثابت قدمی دکھائی اور اس سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا۔

﴿وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ﴿۱۳۷﴾﴾ ''اور ہم نے تباہ و برباد کر ڈالا وہ سب کچھ جو فرعون اور اُس کی قوم کے لوگ (اونچے محلات) بناتے تھے اور (باغات میں انگور کی بیلوں وغیرہ کے لیے چھتریاں) چڑھاتے تھے۔''

یعنی فرعون اور اس کی قوم کی ساری تعمیرات اور ان کے سارے باغات وغیرہ ملیا میٹ کر دیے گئے۔

اب اگلی آیات میں بنی اسرائیل کے مصر سے صحرائے سینا تک کے سفر کا تذکرہ ہے۔ ان واقعات کا ذکر مدنی سورتوں میں بھی متعدد بار آیا ہے۔ Old Testament کی کتاب الخروج (Exodus) میں بھی اس سفر کی کچھ تفصیلات ملتی ہیں۔

آیت ۱۳۸ ﴿وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ﴾ ''اور پار اُتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے''

بنی اسرائیل خلیج سویز کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا میں داخل ہوئے تھے۔

﴿فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ﴾ ''تو ان کا گزر ہوا ایک ایسی قوم پر جو اعتکاف کر رہی تھی اپنے بُتوں کا۔''

بُتوں کا اعتکاف کرنے سے مراد بُتوں کے سامنے پوری توجہ اور یکسوئی سے بیٹھنا ہے جو بُت پرستوں کا طریقہ ہے۔ بت پرستی کے اس فلسفے پر ڈاکٹر رادھا کرشنن (۱۸۸۸ء تا ۱۹۷۵ء) نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن انیس سو ساٹھ کی دہائی میں ہندوستان کے صدر بھی رہے۔ انہوں نے اپنی تصنیفات کے ذریعے ہندوستان کے قدیم فلسفے کو زندہ کیا۔ وہ برٹرینڈ رسل (۱۸۷۲ء تا ۱۹۷۰ء) کے ہم عصر تھے۔ یہ دونوں اپنے زمانے میں چوٹی کے فلسفی مانے جاتے تھے۔ برٹرینڈ رسل ملحد تھا جبکہ ڈاکٹر رادھا کرشنن مذہبی تھے۔ اتفاق سے ان دونوں نے کم و بیش ۹۰ سال کی عمر پائی۔ بت پرستی کے بارے میں ڈاکٹر رادھا کرشنن کے فلسفے کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم دیوی دیوتاؤں کے بتوں کو اپنے نفع یا نقصان کا مالک نہیں سمجھتے' بلکہ ہمارا اصل مقصد ایک مجسم چیز کے ذریعے سے توجہ مرکوز کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ تصوراتی انداز میں ان دیوتاؤں کے بارے میں مراقبہ کرنا اور پوری توجہ کے ساتھ ان کی طرف دھیان کرنا بہت مشکل ہے' جبکہ مجسمہ یا تصویر سامنے رکھ کر توجہ مرکوز کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی انسانی کمزوری کو علامہ اقبال نے اپنی نظم ''شکوہ'' میں اس طرح بیان کیا ہے ۔

خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر ماننا پھر کوئی اَن دیکھے خدا کو کیونکر!

بہر حال بنی اسرائیل نے اس بت پرست قوم کو اپنے بتوں کی عبادت میں مشغول پایا تو ان کا جی بھی مصنوعی خداؤں کی پوجا پاٹ کے لیے للچانے لگا۔

﴿قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ﴾ ''انہوں نے کہا: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی کوئی معبود بنا دو جیسے اُن کے معبود ہیں۔''

مذکورہ بت پرست قوم سے ترغیب پا کر بنی اسرائیل کا بھی جی چاہا کہ ان کے لیے بھی کوئی اس طرح کا معبود ہونا چاہیے جس کو سامنے رکھ کر وہ اس کی پوجا کریں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنی اس

خواہش کا اظہار کر ہی دیا۔ جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سخت ڈانٹ پلائی:

﴿قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾﴾ ”آپؑ نے فرمایا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو!“

تم بڑی نادانی اور جہالت کی بات کر رہے ہو۔

آیت ۱۳۹ ﴿اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾﴾ ”یہ لوگ جس چیز میں پڑے ہیں وہ سب کچھ برباد ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں وہ سب باطل ہے۔“

آیت ۱۴۰ ﴿قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾﴾ ”(حضرت موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا کہ کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں‘ جب کہ اُس نے تمہیں فضیلت دی ہے تمام جہان والوں پر!“

آیت ۱۴۱ ﴿وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ﴾ ”اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں نجات دی آلِ فرعون سے‘ جو تمہیں مبتلا کیے ہوئے تھے بدترین عذاب میں۔“

﴿يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾﴾ ”وہ قتل کر ڈالتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری بیٹیوں کو‘ اور یقیناً اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔“

تقریباً یہی الفاظ سورۃ البقرۃ (آیت ۴۹) میں بھی گزر چکے ہیں۔

آیات ۱۴۲ تا ۱۴۷

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ
مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا
جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ
انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا
وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ
يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ڮ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ
الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ
فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ
عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ
وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ع

آیت ۱۴۲ ﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً﴾ ''اور ہم نے بلایا موسیٰؑ کو تیس راتوں کے لیے''

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کے لیے کوہِ سینا (طور) پر طلب کیا۔ عام طور پر اس طرح کہنے سے دن رات ہی مراد ہوتے ہیں' لیکن عربی محاورہ میں رات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

﴿وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ﴾ ''اور مکمل کر دیا ہم نے اس مدت کو دس (مزید راتوں) سے' تو مدت پوری ہوگئی اُس کے ربّ کی چالیس راتوں کی۔''

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر ''چلہ'' مکمل کیا' جس کے دوران آپ نے لگاتار روزے بھی رکھے۔ ہمارے ہاں صوفیاء نے چلّہ کاٹنے کا تصور غالباً یہیں سے لیا ہے۔

﴿وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۱۴۲﴾ ''اور (جاتے ہوئے) کہا موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہ میری قوم کے اندر میری نیابت کے فرائض ادا کرنا' اصلاح کرتے رہنا اور فساد کرنے والوں کے راستے کی پیروی نہ کرنا۔''

آیت ۱۴۳ ﴿وَلَمَّا جَاۗءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ﴾ ''اور جب موسیٰؑ پہنچے ہمارے وقتِ مقررہ پر اور ان سے کلام کیا ان کے رب نے''

﴿قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ ''انہوں نے درخواست کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے یارائے نظر دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے''

﴿وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ﴾ ''لیکن ذرا اس پہاڑ کو دیکھو' اگر وہ اپنی جگہ پر کھڑا رہ جائے تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔''

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا﴾ ''تو جب اُسؑ کے ربّ نے اپنی تجلّی ڈالی پہاڑ پر تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ''

جَلَا يَجْلُو جَلَاءً کے معنی ہیں ظاہر کرنا' روشن کرنا۔ اس سے ''تَجَلّی'' باب تفعّل ہے' یعنی کسی چیز کا خود روشن ہو جانا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلّی تھی جو پہاڑ پر ڈالی گئی جس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا۔

﴿وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ﴾ ''اور موسیٰؑ گر پڑے بے ہوش ہو کر''

تجلّیٔ باری تعالیٰ کے اس بالواسطہ مشاہدے کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام برداشت نہ کر سکے۔ پہاڑ پر تجلّی کا پڑنا تھا کہ آپؑ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

﴿فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۴۳﴾ ''پھر جب آپؑ کو افاقہ ہوا تو

کہا کہ (اے اللہ!) تُو پاک ہے‘ میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں ہوں پہلا ایمان لانے والا!‘‘

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا تو آپؑ نے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے سوال کی جسارت پر توبہ کی اور عرض کیا کہ اے اللہ! میں تجھے دیکھے بغیر سب سے پہلے تجھ پر ایمان لانے والا ہوں۔

آیت ۱۴۴ ﴿قَالَ یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِكَلَامِیْ ۫﴾ ’’(اللہ نے) فرمایا: اے موسیٰؑ میں نے تمہیں منتخب کیا ہے لوگوں پر (ترجیح دے کر) اپنی پیغمبری اور اپنی ہم کلامی کے لیے۔‘‘

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا امتیازی مقام تھا‘ جیسے سورۃ النساء میں فرمایا: ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰی تَكْلِیْمًا ﴿۱۶۴﴾﴾۔

﴿فَخُذْ مَآ اٰتَیْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۴﴾﴾ ’’تو لے لو جو میں تمہیں دے رہا ہوں اور ہو جاؤ شکر کرنے والوں میں۔‘‘

یعنی یہ الواح جو ہم آپؑ کو دے رہے ہیں انہیں لے لو اور ان میں جو احکام لکھے ہوئے ہیں ان کا حق ادا کرو۔

آیت ۱۴۵ ﴿وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ ۚ﴾ ’’اور ہم نے لکھ دی اُسؑ کے لیے تختیوں پر ہر طرح کی نصیحت اور ہر طرح (کے احکام) کی تفصیل۔‘‘

یعنی شریعت کے تمام بنیادی احکام ان الواح میں درج کر دیے گئے تھے۔ اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے بنیادی احکام شاہراہِ حیات پر انسان کے لیے گویا خطرے سے بچنے کے اشارات (danger signals) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسے کسی پُر پیچ پہاڑی سڑک پر سفر کو محفوظ بنانے کے لیے جگہ جگہ danger cautions نصب کیے جاتے ہیں اسی طرح انسانی تمدن کے پیچیدہ راستوں پر آسمانی شریعت اپنے احکامات کے cautions نصب کر کے انسانی تگ ودو کے لیے ایک محفوظ دائرہ فراہم کر دیتی ہے تاکہ انسان اس دائرے کے اندر رہتے ہوئے‘ اپنی عقل کو بروئے کار لا کر اپنی مرضی اور پسند ناپسند کے مطابق زندگی گزارے۔ اس دائرے کے باہر ’’محرمات‘‘ ہوتے ہیں جن کے بارے میں اللہ کا حکم ہے کہ ان کے قریب بھی مت جانا: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ﴾ (البقرۃ: ۱۸۷)۔

﴿فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ﴾ ’’تو (اے موسیٰ علیہ السلام) اس کو تھام لو مضبوطی کے ساتھ اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ وہ اس کو پکڑیں اس کی بہترین صورت پر۔‘‘

ظاہر ہے کسی بھی حکم پر عمل درآمد کے لیے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ یہ عمل درآمد ادنیٰ درجے میں بھی ہو سکتا ہے‘ اوسط درجے میں بھی اور اعلیٰ درجے میں بھی۔ لہٰذا اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ آپؑ اپنی قوم کو ترغیب دیں کہ وہ احکامِ شریعت پر عمل کرتے ہوئے اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی طرف بڑھنے کی کوشش کریں۔ یہی نکتہ قرآن مجید میں ہم مسلمانوں کو بھی بتایا گیا: ﴿الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ﴾ (الزمر: ۱۸) یعنی وہ لوگ کلام اللہ کو سنتے ہیں پھر جو اس کی بہترین بات ہوتی ہے اس کو اختیار کرتے ہیں۔ اس مضمون کو یوں سمجھیں کہ بعض اوقات انسان کسی وجہ سے اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں ڈھیل اور رعایت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اپنے ایسے

رویے کے تحت وہ اپنے کسی دائرہ عمل کے اندر کوئی امتیازی پوزیشن حاصل کرنے کی خواہش رکھنے کے بجائے محض ادنیٰ درجے کی کامیابی پر ہی قناعت کرنا چاہتا ہے۔ لیکن دینی امور کے معاملے میں انسان کا ایسا طرزِ عمل درست نہیں۔ دینی امور میں عمل کا اچھے سے اچھا اور اعلیٰ سے اعلیٰ معیار قائم کرنے کی کوشش کرتے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم سورۃ المائدۃ میں بھی پڑھ آئے ہیں: ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾﴾ ”جب تک وہ تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھیں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، پھر مزید تقویٰ اختیار کریں اور ایمان لائیں، پھر اور تقویٰ میں بڑھیں اور درجۂ احسان پر فائز ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ محسنوں سے محبت کرتا ہے“۔ دُنیوی اُمور میں تو ہر شخص ع ”ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں!“ کے نظریے کا حامل نظر آتا ہی ہے، لیکن دین کے سلسلے میں بھی ہر مسلمان کی کوشش ہونی چاہیے کہ اس کا آج اس کے کل سے بہتر ہو۔ یعنی دینی امور میں انسان ترقی کے لیے حتی الامکان ہر گھڑی کوشاں رہے۔

﴿سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾﴾ ”عنقریب میں تمہیں گھر دکھاؤں گا (جس پر اس وقت قبضہ ہے) فاسقوں کا۔“

اس سے مراد فلسطین کا علاقہ ہے جس پر حملہ آور ہونے کا حکم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملنے والا تھا۔ بنی اسرائیل کا قافلہ مصر سے نکلنے کے بعد خلیج سویز کو عبور کر کے صحرائے سینا میں داخل ہوا تو خلیج سویز کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا، یہاں تک کہ جزیرہ نمائے سینا کے جنوبی کونے میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں کوہِ طور واقع ہے۔ یہاں پر اس قافلے کا طویل عرصے تک قیام رہا۔ یہیں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر طلب کیا گیا اور جب آپؑ تورات لے کر واپس آئے تو آپؑ کو فلسطین پر حملہ آور ہونے کا حکم ملا۔ چنانچہ یہاں سے یہ قافلہ خلیج عقبہ کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف عازمِ سفر ہوا۔ بنی اسرائیل سات آٹھ سو سال قبل حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت پر فلسطین چھوڑ کر مصر میں آ بسے تھے۔ اب فلسطین میں وہ مشرک اور فاسق قوم قابض تھی جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ بہت زور آور لوگ ہیں۔ چنانچہ جب ان کو حکم ملا کہ جا کر اس قوم سے جہاد کرو تو انہوں نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کر دی کہ ایسے طاقتور لوگوں سے جنگ کرنا ان کے بس کی بات نہیں: ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ﴾ (المائدۃ: ۲۲) اس واقعے کی تفصیل سورۃ المائدۃ میں گزر چکی ہے۔ یہاں اسی مہم کا ذکر ہو رہا ہے کہ میں عنقریب تم لوگوں کو اس سرزمین کی طرف لے جاؤں گا جو تمہارا اصل وطن ہے لیکن ابھی اس پر فاسقوں کا قبضہ ہے۔ ان نافرمان لوگوں کے ساتھ جنگ کر کے تم نے اپنے وطن کو آزاد کرانا ہے۔

آیت ۱۴۶ ﴿سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ﴾ ”میں پھیر دوں گا اپنی آیات سے ان لوگوں (کے رُخ) کو جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔“

یہاں ایک اصول بیان فرما دیا گیا کہ جن لوگوں کے اندر تکبر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ خود ان کا رخ اپنی آیات کی طرف سے پھیر دیتا ہے۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سمجھ ہی نہیں سکتے، ان پر غور کر ہی نہیں سکتے۔ اس لیے کہ تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ ایک حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ((اَلْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ)) (٤) یعنی

تکبر میری چادر ہے‘ اگر کوئی انسان تکبر کرتا ہے تو وہ گویا میری چادر میرے شانے سے گھسیٹ رہا ہے‘ لہٰذا ایسے ہر انسان کے خلاف میرا اعلانِ جنگ ہے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ کِبْرٍ))(۵) ’’وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہے‘‘۔ چنانچہ آیت زیر نظر کا مفہوم یہ ہے کہ جن لوگوں کے اندر تکبر ہے ہم خود انہیں اپنی آیات سے برگشتہ کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہم اس لائق ہی نہیں سمجھتے کہ وہ ہماری آیات کو دیکھیں اور سمجھیں۔ ایسے مغرور لوگوں کو ہم سیدھی راہ کی طرف توجہ مرکوز کرنے ہی نہیں دیتے۔

﴿وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِھَا ۚ﴾ ’’اور اگر وہ دیکھ بھی لیں ساری نشانیاں تب بھی وہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔‘‘

﴿وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ۚ﴾ ’’اور اگر وہ دیکھ بھی لیں ہدایت کا راستہ تب بھی اس راستے کو اختیار نہیں کریں گے۔‘‘

﴿وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ۚ﴾ ’’اور اگر وہ دیکھیں برائی کا راستہ تو اسے وہ (فوراً) اختیار کر لیں گے۔‘‘

﴿ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا عَنْھَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۴۶﴾﴾ ’’یہ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تغافل برتتے رہے۔‘‘

آیت ۱۴۷ ﴿وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَۃِ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ ۭ﴾ ’’اور جو لوگ بھی جھٹلائیں گے ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو‘ ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔‘‘

ایسے لوگ اپنے تئیں بڑی بڑی نیکیاں کما رہے ہوں گے‘ مگر اللہ کے ہاں ان کی اِن نیکیوں کا کوئی صلہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قریشِ مکہ خود کو ’’خادمینِ کعبہ‘‘ سمجھتے تھے‘ وہ کعبہ کی صفائی اور ستھرائی کا خصوصی اہتمام کرتے‘ حاجیوں کی خدمت کرتے‘ ان کے لیے دودھ اور پانی کی سبیلیں لگاتے‘ مگر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر ایمان لائے بغیر ان کے ان سارے اعمال کی اللہ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں تھی۔

﴿ھَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾﴾ ’’اور ان کو نہیں دیا جائے گا بدلے میں مگر وہی کچھ جو وہ کرتے رہے تھے۔‘‘

---

(٤) سنن ابی داوٗد‘ کتاب اللباس‘ باب ما جاء فی الکبر۔

(٥) صحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب تحریم الکبر وبیانہ۔ وسنن الترمذی‘ ابواب البر والصلۃ‘ باب ماجاء فی الکبر‘ واللفظ لہ۔

آیات ۱۴۸ تا ۱۵۳

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا
يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا
اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا
رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ
اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ
اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۫ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۫ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع ۸/۸
اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ
وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۫ اِنَّ
رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

آیت ۱۴۸ ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ﴾ ”اور بنالیا موسیٰؑ کی قوم نے آپؑ کے بعد اپنے زیورات سے بچھڑے کا سا ایک جسم جس سے گائے کی سی آواز آتی تھی۔“

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر چلے گئے تو آپؑ کی قوم کے ایک فرد نے یہ فتنہ اٹھایا۔ اس شخص کا نام سامری تھا۔ اس نے سونے کا ایک مجسمہ بنانے کا منصوبہ بنایا اور اس غرض سے اس نے سب لوگوں سے زیورات اکٹھے کر لیے۔ روایات کے مطابق یہ زیورات زیادہ تر مصر کے مقامی لوگوں (قبطیوں) کے تھے جو انہوں نے بنی اسرائیل کے لوگوں کے پاس امانتاً رکھوائے ہوئے تھے۔ فرعونیوں کے ہاتھوں اپنی تمام تر ذلت وخواری کے باوجود معاشرے میں بنی اسرائیل کی اخلاقی ساکھ ابھی تک کسی نہ کسی سطح پر اس وجہ سے قائم تھی کہ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے مقامی لوگ اپنی قیمتی چیزیں ان کے ہاں بطور امانت رکھ دیا کرتے تھے۔ جب یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلے تو اُس وقت بھی ان کی اکثریت کے پاس قبطیوں کے بہت سے زیورات امانتوں کے طور پر موجود تھے' جو وہ ان کے مالکوں کو واپس کرنے کی بجائے اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ سامری نے ایک منصوبے کے تحت سارے قافلے سے وہ زیورات اکٹھے کیے۔ باقاعدہ ایک بھٹی بنا کر ان زیورات کو گلایا اور ایک ماہر کاریگر کی طرح بچھڑے کی شکل اور جسامت کا ایک مجسمہ تیار کر دیا۔ اس نے اس مجسمے میں کچھ ایسے سوراخ رکھے جن میں سے ہوا گزرتی تو گائے کے ڈکارنے جیسی آواز سنائی دیتی۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد سامری نے اعلان کر دیا کہ یہ بچھڑا تم لوگوں کا خدا ہے اور موسیٰؑ کو دراصل مغالطہ ہو گیا ہے جو وہ خدا سے ملنے کوہِ طور پر چلے گئے ہیں۔

اس معاملے کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام محبت اور جذبہ اشتیاق میں وقتِ مقررہ سے پہلے ہی کوہِ طور پر چلے گئے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؑ کی جواب طلبی بھی ہوئی' جیسا کہ سورۂ طٰہٰ کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے: ﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾﴾ ''اے موسیٰ! تم اپنی قوم کو چھوڑ کر قبل از وقت کیوں آ گئے ہو؟'' اس پر آپؑ نے جواب دیا: ﴿وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾﴾ کہ پروردگار! میں تو تیری محبت اور تجھ سے گفتگو کرنے کے شوق میں اس لیے جلدی آیا تھا کہ تو اس سے خوش ہو گا۔ گویا آپؑ تو فرطِ اشتیاق میں شاباش کی توقع رکھتے تھے۔ لیکن وہاں ڈانٹ پڑ گئی: ﴿قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿۸۵﴾﴾ ''(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: تو (آپؑ کی اس عجلت کی وجہ سے) آپؑ کے بعد ہم نے آپؑ کی قوم کو فتنے میں ڈال دیا ہے اور سامری نے انہیں گمراہ کر دیا ہے''۔ گویا خیر اور بھلائی کے معاملے میں بھی جلد بازی نہیں کرنی چاہیے اور ہر کام قاعدے کلیے کے مطابق ہی کرنا چاہیے۔ اسی لیے مثل مشہور ہے: ''سہج پکے سو میٹھا ہو!''

﴿اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ﴾ ''کیا انہوں نے غور نہ کیا کہ نہ وہ ان سے کوئی بات کر سکتا ہے اور نہ انہیں راستہ بتا سکتا ہے!''

اگرچہ اس مجسمے سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی لیکن انہوں نے یہ نہ سوچا کہ وہ کوئی بامعنی بات کرنے کے قابل نہیں ہے اور نہ ہی کسی انداز میں وہ ان کی راہنمائی کر سکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود:

﴿اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾﴾ ''اسی کو وہ (معبود) بنا بیٹھے اور وہ تھے بہت ظالم!''

بنی اسرائیل نے اسی بچھڑے کو اپنا معبود مان کر اس کی پرستش شروع کر دی اور اس طرح شرک جیسے ظلم عظیم کے مرتکب ہوئے۔ یعنی وہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے تھے۔

آیت ۱۴۹ ﴿وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ﴾ ''اور جب ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے (ان کو پچھتاوا ہوا) اور انہیں احساس ہوا کہ وہ تو گمراہ ہو گئے ہیں''

﴿قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾﴾ ''تو انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے ربّ نے ہم پر رحم نہ فرمایا اور ہمیں بخش نہ دیا تو ہم ہو جائیں گے بہت خسارہ پانے والوں میں سے۔''

اس معاملے میں وہ لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ قوم کا ایک بڑا حصہ وہ تھا جو اس گناہ میں بالکل شریک نہیں ہوا۔ دوسرے گروہ میں وہ لوگ تھے جو کچھ دیر کے لیے اس گناہ میں شریک ہوئے' لیکن فوراً انہیں احساس ہو گیا کہ اُن سے غلطی ہو گئی ہے۔ تیسرا گروہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک اس شرک پر اڑا رہا۔ یہاں درمیانی گروہ کے لوگوں کا ذکر ہے کہ غلطی کے بعد وہ نادم ہوئے اور انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ گمراہی کا ارتکاب کر بیٹھے ہیں۔

آیت ۱۵۰ ﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ﴾ ''اور جب موسیٰؑ لوٹے اپنی قوم کی طرف سخت غضبناک ہو کر افسوس میں''

غَضْبَانَ' رَحْمٰن کی طرح فعلان کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے۔ یعنی آپؑ اپنی قوم کی اس حرکت پر

نہایت غضبناک تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزاج بھی جلالی تھا اور قوم کے جرم اور گمراہی کی نوعیت بھی بہت شدید تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو کوہِ طور پر ہی بتا دیا تھا کہ آپؑ کی قوم فتنہ میں پڑ چکی ہے۔ لہٰذا آپؑ کا غم و غصہ اور رنج و افسوس بالکل بجا تھا۔

﴿قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ﴾ ''آپؑ نے فرمایا: بہت بُری ہے میری نیابت جو تم نے کی ہے میرے بعد۔''

یہ خطاب حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی ہو سکتا ہے اور اپنی پوری قوم سے بھی۔

﴿اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ﴾ ''کیا تم نے اپنے رب کے معاملے میں جلدی کی؟''

یعنی اگر سامری نے فتنہ کھڑا کر ہی دیا تھا تو تم لوگ بغیر سوچے سمجھے اس قدر جلدی اس کے کہنے میں آ گئے؟ کم از کم تم میرے واپس آنے کا ہی انتظار کر لیتے!

﴿وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ﴾ ''اور آپؑ نے وہ تختیاں (ایک طرف) ڈال دیں''

آپؑ کوہِ طور سے جو تورات کی تختیاں لے کر آئے تھے وہ ابھی تک آپؑ کے ہاتھ میں ہی تھیں، تو آپؑ نے ان تختیوں کو ایک طرف رکھ دیا۔

﴿وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ﴾ ''اور (غصے میں) اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصے میں حضرت ہارون علیہ السلام کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا کہ میں تمہیں اپنا خلیفہ بنا کر گیا تھا، میرے پیچھے تم نے یہ کیا کیا؟ تم نے قوم کے لوگوں کو اس بچھڑے کی پوجا کرنے سے روکا کیوں نہیں؟

﴿قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ﴾ ''(ہارون علیہ السلام نے) کہا: اے میرے ماں جائے! حقیقت میں قوم نے مجھے دبا لیا تھا اور وہ میرے قتل پر آمادہ ہو گئے تھے''

میں نے تو ان لوگوں کو ایسا کرنے سے منع کیا تھا، لیکن انہوں نے مجھے بالکل بے بس کر دیا تھا۔ اس معاملے میں ان لوگوں نے اس حد تک جسارت کی تھی کہ وہ میری جان کے درپے ہو گئے تھے۔

﴿فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ﴾ ''تو (دیکھیں اب) آپؑ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں''

''شماتتِ اعداء'' کا محاورہ ہمارے ہاں اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی کسی کی توہین اور بے عزتی پر اس کے دشمنوں کا خوش ہونا اور ہنسنا۔ حضرت ہارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اب اس طرح میرے بال کھینچ کر آپ دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیں۔

﴿وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ١٥٠﴾ ''اور مجھے ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ کیجیے۔''

آپ مجھے ان ظالموں کے ساتھ شمار نہ کیجیے۔ میں اس معاملے میں ہرگز ان کے ساتھ نہیں ہوں۔ میں تو انہیں اس حرکت سے منع کرتا رہا تھا۔

آیت ۱۵۱ ﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾﴾

''(تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کرتے ہوئے) کہا: اے میرے پروردگار! تُو بخش دے مجھے بھی اور میرے بھائی کو بھی اور ہمیں داخل فرما اپنی رحمت میں' اور تُو تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔''

اس دُعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا:

آیت ۱۵۲ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۗ﴾

''یقیناً جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنالیا' عنقریب ان کو پہنچے گا غضب اُن کے رب کی طرف سے اور ذِلت دنیا کی زندگی میں۔''

''غضب'' سے یہاں آخرت کا غضب بھی مراد ہے اور قتلِ مرتد کی وہ سزا بھی جس کا ذکر ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۵۴ میں پڑھ آئے ہیں۔

﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾﴾ ''اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو۔''

آیت ۱۵۳ ﴿وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا ۡ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾﴾ ''البتہ جن لوگوں نے (کچھ دیر کے لیے) بُرے کام کیے پھر توبہ کر لی اس کے بعد اور ایمان لے آئے' تو یقیناً اس کے بعد آپؐ کا رب بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

وہ لوگ جن سے اس غلطی کا ارتکاب تو ہوا مگر انہوں نے اس سے توبہ کر کے اپنے ایمان کی تجدید کر لی' ایسے تمام لوگوں کا معاملہ اُس اللہ کے سپرد ہے جو بخشنے والا اور انسانوں پر رحم کرنے والا ہے۔ البتہ جو لوگ اُس جرم پر اَڑے رہے ان پر آخرت سے پہلے دنیا کی زندگی میں بھی اللہ کا غضب مسلّط ہوا۔ اس کی تفصیل سورۃ البقرۃ کی آیت ۵۴ کے تحت گزر چکی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر قبیلہ کے مؤمنین مخلصین کو حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے قبیلہ کے ان مجرمین کو قتل کر دیں جنہوں نے گوسالہ پرستی کا ارتکاب کیا۔ ان میں سے صرف وہ لوگ قتل سے بچے جنہوں نے توبہ کر لی تھی۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے سورۃ المائدۃ میں آیاتِ محاربہ (آیات ۳۳ اور ۳۴) میں ہم نے پڑھا کہ اگر ڈاکو' راہزن وغیرہ ملک میں فساد مچا رہے ہوں' لیکن متعلقہ حکام کے قابو میں آنے سے پہلے وہ توبہ کر لیں تو ایسی صورت میں ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ ہو سکتا ہے بلکہ انہیں معاف بھی کیا جا سکتا ہے' لیکن اگر انہیں اسی بغاوت کی کیفیت میں گرفتار کر لیا جائے تو پھر ان کی سزا بہت سخت ہے۔

آیات ۱۵۴ تا ۱۵۷

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ﴿﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّا

اَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ قَالَ رَبِّ لَوۡ شِئۡتَ اَهۡلَكۡتَهُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ وَاِيَّایَ ؕ اَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ
السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنۡ هِىَ اِلَّا فِتۡنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنۡ تَشَآءُ وَتَهۡدِىۡ مَنۡ تَشَآءُ ؕ اَنۡتَ
وَلِيُّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الۡغٰفِرِيۡنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكۡتُبۡ لَنَا فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى
الۡاٰخِرَةِ اِنَّا هُدۡنَاۤ اِلَيۡكَ ؕ قَالَ عَذَابِىۡۤ اُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ اَشَآءُ ۚ وَرَحۡمَتِىۡ وَسِعَتۡ كُلَّ
شَىۡءٍ ؕ فَسَاَكۡتُبُهَا لِلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِاٰيٰتِنَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾ۚ
اَلَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِىَّ الۡاُمِّىَّ الَّذِىۡ يَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ
وَالۡاِنۡجِيۡلِ ۫ يَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهٰٮهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ
عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا
بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗ ۙ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ؒ ع ۱۹/۶/۹

آیت ۱۵۴ ﴿وَلَمَّا سَكَتَ عَنۡ مُّوۡسَى الۡغَضَبُ اَخَذَ الۡاَلۡوَاحَ ۚ وَفِىۡ نُسۡخَتِهَا هُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ هُمۡ لِرَبِّهِمۡ يَرۡهَبُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾﴾ ''اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ کچھ ٹھنڈا پڑا تو انہوں نے وہ تختیاں اٹھا لیں' اور اس کی تحریر میں تھی رحمت اور ہدایت ان لوگوں کے لیے جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں۔''

آیت ۱۵۵ ﴿وَاخۡتَارَ مُوۡسٰى قَوۡمَهٗ سَبۡعِيۡنَ رَجُلًا لِّمِيۡقَاتِنَا ۚ﴾ ''اور انتخاب کیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر افراد کا ہمارے وقت مقررہ کے لیے۔''

بنی اسرائیل کے وہ لوگ جو آخری وقت تک اس مشرکانہ فعل پر قائم رہے انہیں قتل کر دیا گیا۔ اب اس تطہیر (purge) کے بعد اجتماعی توبہ کا مرحلہ تھا' جس کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم کے مطابق اپنی قوم کے ستر (۷۰) سرکردہ افراد کو ساتھ لے کر کوہِ طور پر حاضری کے لیے روانہ ہو گئے۔

﴿فَلَمَّاۤ اَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ﴾ ''پھر جب انہیں آ پکڑا زلزلے نے''

کوہِ طور پر یا اس کے مضافات میں ان لوگوں کے لیے جسمانی کپکپی یا زمینی زلزلے جیسی خوفناک کیفیت پیدا کر دی گئی۔

﴿قَالَ رَبِّ لَوۡ شِئۡتَ اَهۡلَكۡتَهُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ وَاِيَّایَ ؕ﴾ ''(موسیٰ علیہ السلام نے) نے عرض کیا: اے پروردگار! اگر تُو چاہتا تو ہلاک کر دیتا پہلے ہی ان سب کو بھی اور مجھے بھی۔''

﴿اَتُهۡلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ﴾ ''تو کیا تُو ہمیں ہلاک کر دے گا ہم میں سے کچھ بے وقوف لوگوں کی حرکت کی وجہ سے؟''

قوم کے کچھ جاہل لوگوں نے جو حرکت کی تھی انہیں اس کی سزا بھی مل چکی ہے۔ ہم نے انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے کفارہ بھی ادا کر دیا ہے۔ تو کیا ان کی وجہ سے تُو پوری قوم کو ہلاک کر دے گا؟

﴿اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ؕ﴾ ”مگر یہ تیری طرف سے ایک آزمائش ہے‘ تُو گمراہ کرتا ہے اس کے ذریعے سے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔“

﴿اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ﴿۱۵۵﴾﴾ ”تو ہمارا پُشت پناہ ہے‘ پس ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما‘ اور یقیناً تمام بخشنے والوں میں تُو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔“

آیت ۱۵۶ ﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ﴾ ”اور تُو ہمارے لیے اس دُنیا (کی زندگی) میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی“

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے یہی الفاظ سورۃ البقرۃ میں مسلمانوں کو سکھائے گئے ہیں: ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴿۲۰۱﴾﴾ ”اے ہمارے رب! تُو ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لے۔“

﴿اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ ؕ﴾ ”ہم تیری جناب میں رجوع کرتے ہیں۔“

یعنی ہم سے جو خطا ہو گئی ہے اس کا اعتراف کرتے ہوئے ہم معافی چاہتے ہیں۔

﴿قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ﴾ ”(اللہ نے) فرمایا کہ میں عذاب میں مبتلا کروں گا جس کو چاہوں گا‘ اور میری رحمت ہر شے پر چھائی ہوئی ہے۔“

یعنی میری ایک رحمت تو وہ ہے جو ہر شے کے شاملِ حال ہے‘ ہر شے پر محیط ہے۔ ہر شے کا وجود اور بقا میری رحمت ہی سے ممکن ہے۔ یہ پوری کائنات اور اس کا تسلسل میری رحمت ہی کا مرہونِ منت ہے۔ میری اس رحمتِ عامہ سے میری تمام مخلوقات حصہ پا رہی ہیں‘ لیکن جہاں تک میری رحمتِ خاصہ کا تعلق ہے جس کے لیے تم لوگ ابھی سوال کر رہے ہو:

﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ﴿۱۵۶﴾﴾ ”تو اسے میں لکھ دوں گا ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ کی روش اختیار کریں گے‘ زکوٰۃ دیتے رہیں گے اور جو لوگ ہماری آیات پر پختہ ایمان رکھیں گے۔“

آیت ۱۵۷ ﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾ ”جو اتباع کریں گے رسول نبیِ اُمّی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا“

یعنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں گے جن کو آخری رسول بنا کر بھیجا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیوی اعتبار سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور نہ ہی آپؐ دُنیوی معیار کے مطابق پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُمّی تھے اور جن لوگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا وہ بھی اُمّی تھے‘ کیونکہ اُن لوگوں کے پاس اس سے پہلے کوئی کتاب تھی نہ کوئی شریعت۔

﴿الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ؗ﴾ ”جسے پائیں گے وہ لکھا ہوا اپنے پاس تورات اور انجیل میں“

یعنی آخری نبی ﷺ کے بارے میں پیشین گوئیاں' آپ ﷺ کے حالات' اور آپ ﷺ کے بارے میں واضح علامات اُن کو تورات اور انجیل دونوں میں ملیں گی۔

﴿یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ﴾ ''وہ انہیں نیکی کا حکم دیں گے' تمام برائیوں سے روکیں گے اور اُن کے لیے تمام پاک چیزیں حلال کر دیں گے''

بنی اسرائیل پر کچھ چیزیں اُن کی شرارتوں کی وجہ سے بھی حرام کر دی گئی تھیں' جیسا کہ سورۃ النساء (آیت ۱۶۰) میں ہم پڑھ آئے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ نبی اُمی ﷺ اُن پر سے ایسی تمام بندشیں اٹھا دیں گے اور تمام پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال کر دیں گے۔

﴿وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ﴾ ''اور حرام کر دیں گے اُن پر ناپاک چیزوں کو' اور اُن سے اتار دیں گے اُن کے بوجھ اور طوق جو اُن (کی گردنوں) پر پڑے ہوں گے۔''

خودساختہ معاشرتی پابندیاں اور رسومات بھی ایک طرح سے متعلقہ لوگوں کے لیے بوجھ اور طوق ہیں جو معاشرے کے اندر کسی خاص طبقہ کے مفادات یا نمود و نمائش کی خواہش کی وجہ سے رواج پاتی ہیں' بعد میں غریب لوگوں کو انہیں نبھانا پڑتا ہے اور پھر ایک وقت آتا ہے جب ان کی وجہ سے ایک عام آدمی کی زندگی انتہائی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ معاشرے کی بلند ترین سطح پر بھی بڑی بڑی قباحتیں اور لعنتیں جنم لیتی ہیں جن کے بوجھ تلے عوام الناس بُری طرح پِس جاتے ہیں۔ مثلاً بادشاہت کا جبر' جاگیرداری کا استحصالی نظام' سیاسی و معاشی غلامی' رنگ و نسل کی بنیاد پر انسانیت میں تفریق وغیرہ۔ تو اس آیت میں بشارت دی جا رہی ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ آئیں گے اور انسانیت کو غلط رسومات' خودساختہ عقائد اور نظام ہائے باطلہ کے بوجھوں سے نجات دلا کر عدل اور قسط کا نظام قائم کریں گے۔

اس کے بعد حضور ﷺ کے ساتھ تعلق کی شرائط مذکور ہیں جن میں سے ہر شرط پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس موضوع کو تفصیلی طور پر سمجھنے کے لیے میرے کتابچے بعنوان: ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

﴿فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ﴾ ''تو جو لوگ آپ (ﷺ) پر ایمان لائیں گے''

یہ پہلی اور بنیادی شرط ہے۔ آپ ﷺ پر ایمان لانے کے دو بنیادی تقاضے ہیں۔ پہلا تقاضا ہے آپ ﷺ کی اطاعت اور دوسرا تقاضا ہے آپ ﷺ کی محبت۔ ان دونوں تقاضوں کے بارے میں دو احادیث ملاحظہ کیجیے۔ پہلی حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ))(۶) ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن

(۶) الاربعون النوویة' ح:۴۱۔ قال النووی: حدیث حسن صحیح رویناہ فی کتاب الحجة باسناد صحیح۔ ومشکاة المصابیح' کتاب الایمان' باب الاعتصام بالکتاب والسُّنة' الفصل الثانی۔

نہیں ہے جب تک کہ اُس کی خواہشِ نفس تابع نہ ہو جائے اس چیز کے جو میں (ﷺ) لے کر آیا ہوں''۔ یعنی جو احکام اور شریعت حضور ﷺ لے کر تشریف لائے ہیں' اگر کوئی شخص ایمان رکھتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اسے اس سب کچھ کو تسلیم کر کے اس پر عمل کرنا ہوگا۔ دوسری حدیث متفق علیہ ہے اور اس کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ))(۷) ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے محبوب تر نہ ہو جاؤں اس کے باپ' بیٹے اور تمام انسانوں سے''۔ چنانچہ یہ دونوں تقاضے پورے ہوں گے تو آپ ﷺ پر ایمان کا دعویٰ حقیقت بنے گا۔ یعنی غایت درجہ میں آپ ﷺ کا اتباع اور غایت درجے میں آپ ﷺ کی محبت۔

﴿وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ﴾ ''اور آپ (ﷺ) کی تعظیم کریں گے اور آپ (ﷺ) کی مدد کریں گے''

جب مذکورہ بالا دو تقاضے (حضور ﷺ کی محبت اور اطاعت) پورے ہوں گے تو ان کے لازمی نتیجے کے طور پر دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم پیدا ہوگی' اور آپ ﷺ کی عظمت دلوں پر راج کرے گی۔ پھر جب اور جہاں آپ ﷺ کا نام مبارک سنائی دے گا بے ساختہ زبان پر درود وسلام آ جائے گا۔ آپ ﷺ کا فرمان سامنے آنے پر منطق و دلائل کا سہارا چھوڑ کر سر تسلیم خم کر دیا جائے گا۔

حضور ﷺ کے ادب و احترام کے سلسلے میں ایک مسلمان کو یہ اصول ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیے کہ کسی معاملے میں حضور ﷺ کا فرمان سن لینے کے بعد اس معاملے میں رائے زنی کرنا ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ مثلاً اگر کہیں کسی مسئلے پر بحث ہو رہی ہو' دونوں طرف دلائل کو دلائل کاٹ رہے ہوں اور ایسے میں اگر کوئی کہہ دے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس ضمن میں یوں فرمایا ہے تو حدیث کے سنتے ہی فوراً بحث ختم اور زبانیں بند ہو جانی چاہئیں۔ بعد میں تحقیق کی جا سکتی ہے کہ آپ ﷺ سے منسوب کر کے جو فرمان سنایا گیا ہے درحقیقت وہ حدیث ہے بھی یا نہیں اور اگر حدیث ہے تو روایت و درایت کے اعتبار سے اس کا کیا مقام ہے۔ حدیث صحیح ہے یا ضعیف......! حدیث سن کر وقتی طور پر فوراً چپ ہو جانا اور سرِ تسلیم خم کر دینا آپ ﷺ کے ادب کے تقاضوں میں سے ایک اہم اور بنیادی تقاضا ہے۔

جہاں تک حضور ﷺ کی مدد کرنے کے حکم (وَنَصَرُوْهُ) کا تعلق ہے اس ضمن میں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو کس کام میں مدد درکار ہے؟ کیا آپ ﷺ کو اپنے کسی ذاتی کام کے لیے مدد چاہیے؟ آپ ﷺ نے اپنی کوئی ذاتی سلطنت اور حکومت تو قائم نہیں کی' جس کے قیام و استحکام کے لیے آپ ﷺ کو مدد کی ضرورت ہوتی۔ آپ ﷺ کی کوئی ذاتی جاگیر یا جائیداد بھی نہیں تھی' جس کو سنبھالنے کے لیے آپ ﷺ کو کسی کی مدد درکار ہوتی۔ دراصل آپ ﷺ کو اپنے اس مشن کی تکمیل کے لیے مدد چاہیے تھی جس کے لیے آپ ﷺ مبعوث ہوئے تھے اور وہ تھا غلبۂ حق اور اقامتِ دین کا مشن: ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی

---

(۷) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب حب الرسول من الایمان۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب وجوب محبة رسول اللہ ﷺ اکثر من الاهل والولد والوالد والناس اجمعین......

الدِّیۡنِ کُلِّہٖ﴾ (الصّف:۹)۔ دینِ حق کے غلبے کے لیے کی جانے والی جاں گسل جدوجہد میں آپ ﷺ کو مددگاروں کی ضرورت تھی اور اس کے لیے آپ ﷺ کی طرف سے ''مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ؟'' کی صلائے عام تھی' کہ مجھے اللہ کا دین غالب کرنا ہے' یہ میرا فرضِ منصبی ہے' کون ہے جو اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے اور میرا مددگار بنے؟ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی محنت' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قربانیوں اور اللہ کی نصرت سے جزیرہ نمائے عرب میں دین کو غالب کر کے اپنے اس مشن کی تکمیل کر دی۔ آپ ﷺ کے بعد کچھ عرصہ دین غالب رہا' پھر مغلوب ہو گیا اور آج تک مغلوب ہے۔ آج دنیا میں کہیں بھی دین غالب نہیں ہے۔ لہٰذا اب دین کو ساری دنیا میں غالب کرنا حضور ﷺ کی اُمت کی ذمہ داری ہے۔ اس ذمہ داری کے حوالے سے آپ ﷺ کا مشن آج بھی زندہ ہے' گویا نَصَرُوۡہُ کا میدان اب بھی کھلا ہے۔ آج بھی حضور ﷺ کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰہِ﴾ (الصّف:۱۴) کے قرآنی حکم میں حضور ﷺ کے اسی مشن کی مدد کی طرف اشارہ ہے اور یہ حکم آج بھی ہمیں پکار رہا ہے۔

﴿وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ ۙ﴾ ''اور پیروی کریں گے اُس نور کی جو آپ (ﷺ) کے ساتھ نازل کیا جائے گا''

اس جملے میں گویا اس کٹھن مشن کی تکمیل کا راستہ بتایا گیا ہے۔ یعنی دین کے غلبے کی تکمیل قرآن کے ذریعے سے ہوگی۔ اس حوالے سے تذکیر بالقرآن' تبشیر بالقرآن' تبلیغ بالقرآن' انذار بالقرآن' تعلیم بالقرآن وغیرہ اصطلاحات معروف ہیں۔ جیسے محمد عربی ﷺ نے قرآن کے ذریعے سے لوگوں کا تزکیہ کیا: ﴿یَتۡلُوۡا عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیۡہِمۡ وَیُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ ٭﴾ (الجمعہ:۲) اسی طرح آج بھی ضرورت ہے کہ قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو ترغیب دی جائے' قرآن کی تلاوت سے ان کے دلوں کی صفائی کی جائے' قرآن کا پیغام سنا کر انہیں جہالت کے اندھیروں سے ہدایت کے اُجالے کی طرف لایا جائے' قرآن کے نور سے تاریک دلوں کے اندر ایمان کی شمعیں روشن کی جائیں۔ پھر جو لوگ قرآن کے پیغام پر لبیک کہیں انہیں منظّم کیا جائے' ان میں منزل کی تڑپ پیدا کر کے اس افرادی قوت کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کے قالب میں ڈھالا جائے اور پھر باطل سے ٹکر لے کر اسے پاش پاش کر دیا جائے۔ یہ ہے آپ ﷺ کی مدد کرنے کا صحیح طریقہ' اور یہ ہے اس نور (قرآن) کی پیروی کرنے کا معروف راستہ۔ اور جو لوگ اس راستے پر چلیں گے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾﴾ ''وہی لوگ ہوں گے فلاح پانے والے۔''

آیات ۱۵۸ تا ۱۶۲

قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعَا ۣ الَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ
لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ۪ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الَّذِیۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ
وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰۤی اُمَّۃٌ یَّہۡدُوۡنَ بِالۡحَقِّ

وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ
اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ
عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ
كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ
لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا
نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ
الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع

اب اگلی آیت کا مطالعہ کرنے سے پہلے دو باتیں اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ ایک یہ کہ گزشتہ آیات کے مضمون کا اس آیت کے ساتھ گہرا ربط ہے۔ اس ربط کو یوں سمجھنا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے بعد انباء الرسل کے اس سلسلے کو نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت تک لانے میں بہت تفصیل درکار تھی۔ اس تفصیل کو چھوڑ کر اب براہِ راست آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ آپؐ لوگوں کو بتا دیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمام بنی نوعِ انسان کی طرف۔ چنانچہ پچھلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر اور تورات و انجیل میں نبی آخر الزماں ﷺ کے بارے میں بشارتوں کے حوالے سے اس آیت کا سیاق و سباق گویا یوں ہوگا کہ اے محمد ﷺ! اب آپ علی الاعلان کہہ دیجیے کہ میں ہی وہ رسول ہوں جس کا ذکر تھا تورات اور انجیل میں' مجھ پر ہی ایمان لانے کی تاکید ہوئی تھی موسیٰؑ کے پیروکاروں کو' میری ہی دعوت پر لبیک کہنے والوں کے لیے وعدہ ہے اللہ کی خصوصی رحمت کا' اور اب میری ہی نصرت اور اطاعت کا حق ادا کرنے والوں کو ضمانت ملے گی ابدی و اُخروی فلاح کی!

دوسری اہم بات یہاں یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ اس سورۃ میں ہم نے اب تک جتنے رسولوں کا تذکرہ پڑھا ہے' ان کا خطاب ''یٰقَوْمِ'' (اے میری قوم کے لوگو!) کے الفاظ سے شروع ہوتا تھا' مگر محمد عربی ﷺ کی یہ امتیازی شان ہے کہ آپؐ کسی مخصوص قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے بلکہ آپؐ کی رسالت آفاقی اور عالمی سطح کی رسالت ہے اور آپؐ پوری بنی نوعِ انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱ میں ''عبادتِ رب'' کا حکم جس آفاقی انداز میں دیا گیا ہے اس میں بھی اسی حقیقت کی جھلک نظر آتی ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾﴾ ''اے لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس ربّ (مالک) کی جس نے تم کو پیدا کیا اور تم سے پہلے جتنے لوگ گزرے ہیں (انہیں بھی پیدا کیا) تاکہ تم بچ سکو''۔ اس پس منظر کو سمجھ لینے کے بعد اب ہم اس آیت کا مطالعہ کرتے ہیں۔

آیت ۱۵۸ ﴿قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَا﴾ ''(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف''

یہ بات مختلف الفاظ اور مختلف انداز میں قرآن حکیم کے پانچ مقامات پر دہرائی گئی ہے کہ محمد عربی ﷺ کی

بعثت پوری نوعِ انسانی کے لیے ہے۔ان میں سے سورۃ سبا کی آیت ۲۸ سب سے نمایاں ہے: ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا﴾ ”ہم نے نہیں بھیجا ہے (اے محمد ﷺ) آپ کو مگر پوری نوعِ انسانی کے لیے بشیر اور نذیر بنا کر۔“

﴿الَّذِىۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ۖ﴾ ”(اُس اللہ کا) جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے‘ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں‘ وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت وارد کرتا ہے۔“

﴿فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهِ النَّبِىِّ الۡاُمِّىِّ الَّذِىۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾﴾ ”تو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر جو نبی اُمّی ہے‘ جو ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور اُس کے سب کلاموں پر‘ اور اُس کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔“

یہ گویا اعلانِ عام ہے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کہ میری بعثت اُس وعدے کے مطابق ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے بعد زیر مطالعہ آیات کا مضمون دراصل اس خطاب کی تمہید ہے جو ہجرت کے بعد یہودِ مدینہ سے ہونے والا تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ یہ سورت مکی دور کے اواخر میں نازل ہوئی تھی اور اس کے نزول کے فوراً بعد ہجرت کا حکم آنے کو تھا‘ جس کے بعد دعوت کے سلسلے میں حضور ﷺ کا مدینہ کے یہودی قبائل سے براہِ راست سابقہ پیش آنے والا تھا۔ مکی قرآن میں ابھی تک یہود سے براہِ راست خطاب نہیں ہوا تھا‘ ابھی تک یا تو اہل مکہ مخاطب تھے یا حضور ﷺ‘ یا پھر آپ ﷺ کی وساطت سے اہل ایمان۔ لیکن اب اندازِ بیان میں جو تبدیلی آ رہی ہے اس کا اصل محل ہجرت کے بعد کا ماحول تھا۔

آیت ۱۵۹ ﴿وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰٓى اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَـقِّ وَبِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾﴾ ”اور موسیٰؑ کی قوم میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی تھی جو حق کی ہدایت دیتے تھے اور حق ہی کے ساتھ عدل وانصاف بھی کرتے تھے۔“

اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی اکثریت نافرمانوں پر مشتمل تھی‘ مگر آپؑ کے پیروکاروں میں حق پرست اور انصاف پسند افراد بھی موجود تھے‘ جو لوگوں کو حق بات کی تلقین کرتے تھے اور ان کے فیصلے بھی عدل وانصاف پر مبنی ہوتے تھے۔

آیت ۱۶۰ ﴿وَقَطَّعۡنٰهُمُ اثۡنَتَىۡ عَشۡرَةَ اَسۡبَاطًا اُمَمًا‌ ؕ﴾ ”اور ہم نے ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا بارہ قبیلوں کی جماعتوں میں۔“

ان کی نسل حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں سے چلی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لحاظ سے ان میں ایک مضبوط قبائلی نظام کو قائم رکھا۔ ہر بیٹے کی اولاد سے ایک قبیلہ وجود میں آیا اور یہ الگ الگ بارہ جماعتیں بن گئیں۔

﴿وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰٓى اِذِ اسۡتَسۡقٰٮهُ قَوۡمُهٗۤ اَنِ اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ‌ ۚ﴾ ”اور ہم نے وحی کی موسیٰؑ کی طرف‘ جب پانی طلب کیا آپؑ سے آپؑ کی قوم نے‘ کہ اپنی لاٹھی سے چٹان پر ضرب لگایئے۔“

﴿فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ﴾ ''پس اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے' تو ہر قبیلے نے جان لیا اپنے اپنے گھاٹ کو۔''

مَشْرَب اسمِ ظرف ہے' یعنی پانی پینے کی جگہ۔ مطلب یہ کہ ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ معیّن کر لیا تا کہ پانی کی تقسیم میں کسی قسم کا کوئی تنازعہ جنم نہ لے۔

﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ﴾ ''اور ہم نے ان کے اوپر بادل کا سائبان بنائے رکھا' اور اتارا ہم نے ان پر من اور سلویٰ۔''

﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ﴾ ''(اور ان سے کہا کہ) کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں رزق میں دی ہیں۔''

﴿وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝١٦٠﴾ ''اور انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا' بلکہ وہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔''

ظاہر ہے سب انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں' وہ اللہ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ ایک حدیثِ قدسی کا مفہوم اس طرح سے ہے:

> ''اے میرے بندو! اگر تمہارے اوّلین بھی اور آخرین بھی' انسان بھی اور جن بھی' سب کے سب اتنے متقی ہو جائیں جتنا کہ تم میں کوئی بڑے سے بڑا متقی ہو سکتا ہے' تب بھی میری سلطنت اور میرے کارخانۂ قدرت میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا —— اور اگر تمہارے اوّلین و آخرین اور انس و جن سب کے سب ایسے ہو جائیں جیسے کہ تم میں کوئی زیادہ سے زیادہ سرکش و نافرمان ہو سکتا ہے' تب بھی میری سلطنت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔''(۸)

آیت ۱۶۱ ﴿وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ﴾ ''اور یاد کرو جب ان سے کہا گیا تھا کہ آباد ہو جاؤ اس بستی میں اور اس میں سے کھاؤ (پیو) جہاں سے بھی چاہو''

اس شہر کا نام ''اریحا'' تھا' جو آج بھی جریکو (Jericho) کے نام سے موجود ہے۔ یہ فلسطین کا پہلا شہر تھا جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون کی سرکردگی میں باقاعدہ جنگ کر کے فتح کیا تھا۔

﴿وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ ''اور استغفار کرتے رہو' اور شہر کے دروازے میں سر جھکا کر داخل ہونا''

انہیں حکم دیا گیا تھا کہ جب شہر میں داخل ہوں تو 'حِطَّةٌ' کا وِرد کرتے ہوئے داخل ہوں۔ اس لفظ کے معنی استغفار کرنے کے ہیں۔ یعنی انہیں اللہ تعالیٰ سے اپنی لغزشوں اور کوتاہیوں کی معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل

---

(۸) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب تحریم الظلم۔ راوی: ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ۔

ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس ضمن میں ان کے لیے دوسرا حکم یہ تھا کہ جب تم فاتح کی حیثیت سے شہر کے دروازے سے داخل ہو تو اُس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اختیار کرتے ہوئے سجدۂ شکر ادا کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس وقت تکبر سے تمہاری گردنیں اکڑی ہوئی ہوں۔

﴿نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ١٦١﴾ ''ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے' اور ہم محسنین کو اور بھی زیادہ عطا کریں گے۔''

اس طرح سے ہم نہ صرف یہ کہ تمہاری خطائیں' لغزشیں اور فروگزاشتیں معاف کر دیں گے' بلکہ تم میں سے مخلص اور نیک لوگوں کو مزید نوازیں گے' ان کے درجات بلند کریں گے اور ان کو اونچے اونچے مراتب عطا کریں گے۔

آیت ۱۶۲ ﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ﴾ ''تو بدل دی اُن لوگوں نے جو اُن میں سے ظالم تھے اس بات کے بجائے جو اُن سے کہی گئی تھی ایک (دوسری) بات''

یعنی ان کو حِطَّةٌ' حِطَّةٌ کا ورد کرتے ہوئے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا' جبکہ انہوں نے اس کے بجائے حِنْطَةٌ' حِنْطَةٌ کہنا شروع کر دیا' جس کا مطلب تھا کہ ہمیں گیہوں چاہیے' ہمیں گیہوں چاہیے!

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ١٦٢﴾ ''تو ہم نے بھیج دیا اُن پر ایک عذاب آسمان سے بسبب اس ظلم کے جو وہ اپنے اوپر کرتے تھے۔''

جن لوگوں نے وہ لفظ بدلنے کی حرکت کی تھی ان میں طاعون کی بیماری پھوٹ پڑی' جس کی وجہ سے وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

آیات ۱۶۳ تا ۱۷۱

وَسْـَٔـلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ
حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَفْسُقُوْنَ ١٦٣ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَۨا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا
شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ١٦٤ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا
الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَـِٔيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ١٦٥
فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ١٦٦ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ
عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ١٦٧ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۡ
وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ١٦٨ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا
الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ

مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ
وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ
يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ
فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۲۱/۹/۱۱

آیت ۱۶۳ ﴿وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ ''اور ان سے ذرا پوچھیے اُس بستی کے بارے میں جو ساحلِ سمندر پر تھی۔''

اب اصحاب سبت کے واقعہ کا ذکر ہونے جا رہا ہے۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ بستی اس مقام پر واقع تھی جہاں آج کل ''ایلات'' کی بندرگاہ ہے۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں مصر نے اسی بندرگاہ کا گھیراؤ کیا تھا' جس کے خلاف اسرائیل نے شدید ردِّ عمل کا اظہار کرتے ہوئے مصر' شام اور اردن پر حملہ کر کے مصر سے جزیرہ نمائے سینا' شام سے جولان کی پہاڑیاں اور اردن سے پورا مغربی کنارہ' جو فلسطین کا زرخیز ترین علاقہ ہے' ہتھیا لیا تھا۔ بہرحال مچھیروں کی وہ بستی ایلات کی اس بندرگاہ کے علاقے میں آباد تھی جہاں یہ واقعہ پیش آیا۔

﴿اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ﴾ ''جب کہ وہ سبت کے قانون میں حد سے تجاوز کرنے لگے''

﴿اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا﴾ ''جب کہ آتی تھیں اُن کی مچھلیاں اُن کے پاس ہفتے کے دن چھلانگیں لگاتی ہوئی''

شُرَّع کے معنی ہیں سیدھے اٹھائے ہوئے نیزے۔ یہاں یہ لفظ مچھلیوں کے لیے آیا ہے تو اس سے مراد ایسی مچھلیاں ہیں جو منہ اٹھائے ہوئے تیزی سے کسی سمت بڑھ رہی ہوں۔ اگر کسی جگہ مچھلیوں کی بہتات ہو تو وہ بے خوف ہو کر بہت زیادہ تعداد میں پانی کی سطح پر آ جاتی ہیں اور چھلانگیں لگاتی ہیں۔ ایسے منظر کی عکاسی کے لیے یہاں شُرَّعًا کا لفظ آیا ہے۔ یعنی مچھلیوں کی اس بے خوف اچھل کود کا منظر ایسے ہوتا تھا جیسے کہ نیزے چل رہے ہوں۔ دراصل تمام حیوانات کو اللہ تعالیٰ نے چھٹی حس سے نواز رکھا ہے۔ چنانچہ اس علاقے کی مچھلیوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ایک خاص وقفے کے بعد ایک دن ایسا آتا ہے جس دن انہیں کوئی ہاتھ نہیں لگاتا۔ اس لیے اس دن وہ بے خوف ہو کر ہجوم کی صورت میں ساحل پر اٹھکیلیاں کرتی تھیں' جبکہ وہ لوگ جن کا پیشہ ہی مچھلیاں پکڑنا تھا وہ ان مچھلیوں کو بے بسی سے دیکھتے تھے' ان کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے' کیونکہ یہود کی شریعت کے مطابق ہفتے کے دن ان کے لیے کاروبارِ دنیوی کی ممانعت تھی۔

﴿وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ﴾ ''اور جس دن سبت نہیں ہوتا تھا وہ ان کے قریب نہیں آتی تھیں''

ہفتے کے باقی چھ دن مچھلیاں ساحل سے دور گہرے پانی میں رہتی تھیں' جہاں سے وہ انہیں پکڑ نہیں سکتے تھے' کیونکہ اُس زمانے میں ابھی ایسے جہاز اور آلات وغیرہ ایجاد نہیں ہوئے تھے کہ وہ لوگ گہرے پانی میں جا کر مچھلی

کا شکار کر سکتے۔

﴿كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٣﴾﴾ ''اس طرح ہم انہیں آزماتے تھے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔''

آئے دن کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو اس آزمائش میں ڈالا گیا کہ شریعت کے حکم پر قائم رہتے ہوئے وہ لوگ فاقے برداشت کرتے ہیں یا پھر نافرمانی کرتے ہوئے شریعت کے ساتھ تمسخر کی کوئی صورت نکال لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور ان میں سے کچھ لوگوں نے اس قانون میں چور دروازہ نکال لیا۔ وہ ہفتے کے روز ساحل پر جا کر گڑھے کھودتے اور نالیوں کے ذریعے سے انہیں سمندر سے ملا دیتے۔ اس طرح جب وہ سمندر کا پانی ان گڑھوں میں لے کر آتے تو پانی کے ساتھ مچھلیاں بھی گڑھوں میں آجاتیں۔ بعد میں وہ ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیتے اور اگلے روز اتوار کو جا کر قید کی ہوئی ان مچھلیوں کو آسانی سے پکڑ لیتے۔ یعنی عملی طور پر وہ ہفتے کے روز ہی مچھلیوں کو قابو کر لیتے لیکن موقف یہ اختیار کرتے کہ ہم ہفتے کے روز مچھلیوں کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ اس طرح انہوں نے شریعت کے اس حکم کو مذاق بنا لیا اور اس حکم کی اصل روح کو مسخ کر دیا۔ حکم کی اصل روح تو یہ تھی کہ چھ دن دنیا کے کام کرو اور ساتواں دن اللہ کی عبادت کے لیے وقف رکھو' جبکہ انہوں نے یہ دن بھی گڑھے کھودنے' پانی کھولنے اور بند کرنے میں صرف کرنا شروع کر دیا۔

اس آبادی کے لوگ اس معاملے میں تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ ایک گروہ تو براہِ راست اس گھناؤنے کاروبار میں ملوث تھا۔ جب کہ دوسرے گروہ میں وہ لوگ شامل تھے جو اس گناہ میں ملوث تو نہیں تھے مگر گناہ کرنے والوں کو منع بھی نہیں کرتے تھے' بلکہ اس معاملے میں یہ لوگ خاموش اور غیر جانبدار رہے۔ تیسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو گناہ سے بچے بھی رہے اور پہلے گروہ کے لوگوں کو ان حرکتوں سے منع کر کے باقاعدہ نہی عن المنکر کا فریضہ بھی ادا کرتے رہے۔ اب اگلی آیت میں دوسرے اور تیسرے گروہ کے افراد کے درمیان مکالمہ نقل ہوا ہے۔ غیر جانبدار رہنے والے لوگ نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والے لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ اللہ کے نافرمان لوگ تو تباہی سے دوچار ہونے والے ہیں' انہیں سمجھانے اور نصیحتیں کرنے کا کیا فائدہ؟

آیت ۱۶۴ ﴿وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ﴾

''اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کہ کیوں نصیحت کر رہے ہو ان لوگوں کو جنہیں یا تو اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا پھر انہیں عذاب دینے والا ہے بہت سخت عذاب!''

دوسرے گروہ کے لوگ تیسرے گروہ کے لوگوں سے کہتے کہ تم خواہ مخواہ اپنے آپ کو ان مجرموں کے لیے ہلکان کر رہے ہو۔ اب یہ لوگ ماننے والے نہیں۔ اللہ کے عذاب کے ذریعے تباہی ان کا مقدر بن چکی ہے۔

﴿قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ﴾ ''انہوں نے کہا کہ تمہارے رب کے ہاں معذرت پیش کرنے کے لیے''

تیسرے گروہ کے لوگ جواب دیتے کہ اس طرح ہم اللہ کے سامنے عذر پیش کر سکیں گے کہ اے پروردگار! ہم آخری وقت تک نافرمان لوگوں کو ان کی غلط حرکتوں سے باز رہنے کی ہدایت کرتے ہوئے' نہی عن المنکر کا

فرض ادا کرتے رہے۔ ہم نہ صرف خود اس گناہ سے بچے رہے بلکہ ان ظالموں کو خبردار بھی کرتے رہے کہ وہ اللہ کے قانون کے سلسلے میں حد سے تجاوز نہ کریں۔

﴿وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۱۶۴﴾ ''اور شاید کہ وہ تقویٰ اختیار کر ہی لیں۔''

یعنی اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ ہمارے سمجھانے بجھانے سے ان میں سے کسی کے دل میں کبھی خدا خوفی کا جذبہ پیدا ہو ہی جائے۔ ایسی وعظ و نصیحت کی قدر و قیمت کا اندازہ حضور ﷺ کے اس فرمان سے لگایا جاسکتا ہے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

((لَاَنْ يَهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ اَنْ يَكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ))(۹)

''(اے علیؓ) اگر اللہ تمہارے ذریعے سے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ دولت تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بڑھ کر ہے۔''

آیت ۱۶۵ ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ ''پھر جب انہوں نے نظر انداز کر دیا اُس نصیحت کو جو انہیں کی جارہی تھی، تو ہم نے بچا لیا ان کو جو بُرائی سے روکتے تھے''

﴿وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَىِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۱۶۵﴾ ''اور پکڑ لیا ہم نے اُن کو جو ظلم کے مرتکب ہوئے تھے بہت ہی بُرے عذاب میں، ان کی نافرمانی کے سبب۔''

آیت ۱۶۶ ﴿فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝۱۶۶﴾ ''تو جب وہ بہت بڑھ گئے اس میں جس سے ان کو روکا گیا تھا، تو ہم نے ان سے کہہ دیا کہ جاؤ ذلیل بندر بن جاؤ!''

آخر کار ان پر عذاب اس صورت میں آیا کہ ان کی انسانی شکلیں مسخ کر کے انہیں بندر بنا دیا گیا اور پھر انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ یہ اس واقعہ کی تفصیل ہے جس کا اجمالی ذکر سورۃ البقرۃ اور سورۃ المائدۃ میں بھی آچکا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ عذاب اُن گروہوں میں سے صرف اُس گروہ پر آیا تھا جو گناہ میں براہِ راست ملوث تھا۔ اپنے موقف کے حق میں اُن کی دلیل یہ ہے کہ نہی عن المنکر کرنے والے لوگوں کے بارے میں یہاں واضح طور پر بتا دیا گیا: ﴿اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ کہ ہم نے اُن کو بچا لیا جو بدی سے روک رہے تھے، اور جو گناہگار تھے ان کے بارے میں بھی صراحت سے بتا دیا گیا: ﴿وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَىِٕيْسٍ﴾ کہ ہم نے پکڑ لیا اُن لوگوں کو جو گناہ میں ملوث تھے ایک بہت ہی بُرے عذاب میں۔ جب کہ تیسرے گروہ کے بارے میں یہاں سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ اس طرح ان لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگر کوئی شخص براہِ راست کسی گناہ کا ارتکاب کرنے سے بچا رہتا ہے تو فریضہ نہی عن المنکر میں کوتاہی ہونے کی صورت میں بھی وہ دنیا میں اس گناہ کی پاداش میں آنے والے عذاب سے بچ جائے گا۔ یہ نظریہ دراصل بہت بڑی غلط فہمی

(۹) صحیح البخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب فضل من اسلم علی یدیه رجل، وکتاب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب ...... وکتاب المغازی، باب غزوة خیبر۔ وصحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علی بن ابی طالب۔

پر مبنی ہے اور اس کے پیچھے وہ انسانی نفسیات کارفرما ہے جس کے تحت انسان ذمہ داری سے فرار چاہتا ہے اور پھر اس کے لیے دلیلیں ڈھونڈتا اور بہانے تراشتا ہے۔ اسی طرح کی بات کا تذکرہ سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۰۵ کی تشریح کے ضمن میں بھی ہو چکا ہے۔ سورۃ المائدۃ کی اس آیت کے حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خصوصی خطبہ ارشاد فرمانا پڑا تھا کہ لوگو! تم ﴿عَلَيۡكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ ۚ لَا يَضُرُّكُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَيۡتُمۡ ؕ﴾ کا بالکل غلط مفہوم سمجھ رہے ہو۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ دعوت و تبلیغ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تمہاری ذمہ داری نہیں ہے' بلکہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تم اس سلسلے میں اپنی پوری کوشش کرو' اپنا فرض ادا کرو' لیکن اس کے باوجود بھی اگر لوگ کفر یا گناہ پر اڑے رہیں تو پھر ان کا وبال تم پر نہیں ہوگا۔

اس حوالے سے یہاں اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ نہی عن المنکر نص قرآنی کے مطابق فرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر کسی ماحول میں اللہ تعالیٰ کے کسی واضح حکم کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہو رہی ہو تو وہاں گناہ کا ارتکاب کرنے والوں کو نہ روکنا اور نہی عن المنکر کا فرض ادا نہ کرنا' بذاتِ خود ایک بہت بڑا جرم ہے۔ لہٰذا آیت زیر مطالعہ کے الفاظ ''اَلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا'' کے زمرے میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اگرچہ براہِ راست تو گناہ میں ملوث نہیں تھے' لیکن مجرموں کو گناہ کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش تھے۔ اس طرح یہ لوگ اللہ کی نافرمانی سے لوگوں کو نہ روکنے کے جرم کے مرتکب ہو رہے تھے۔ اس ضمن میں نصِ قطعی کے طور پر ایک حدیثِ قدسی بھی موجود ہے اور ایک بہت واضح قرآنی حکم بھی۔ پہلے حدیث ملاحظہ فرمائیں' یہ حدیث مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اپنے مرتب کردہ خطباتِ جمعہ میں شامل کی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَوۡحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى جِبۡرِيۡلَ عَلَيۡهِ السَّلَامُ اَنِ اقۡلِبۡ مَدِيۡنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهۡلِهَا۔ قَالَ: يَا رَبِّ اِنَّ فِيۡهِمۡ عَبۡدَكَ فُلَانًا لَمۡ يَعۡصِكَ طَرۡفَةَ عَيۡنٍ)) قَالَ: ((فَقَالَ: اِقۡلِبۡهَا عَلَيۡهِ وَعَلَيۡهِمۡ، فَاِنَّ وَجۡهَهٗ لَمۡ يَتَمَعَّرۡ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ))(۱۰)

''اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو وحی کی کہ فلاں فلاں شہر کو اس کے باسیوں پر اُلٹ دو۔ جبرائیلؑ نے عرض کیا کہ پروردگار' اس میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے کبھی پلک جھپکنے کی دیر بھی تیری معصیت میں نہیں گزاری''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(اس پر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُلٹو اس بستی کو پہلے اس پر اور پھر دوسروں پر' اس لیے کہ اس کے چہرے کا رنگ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی میری غیرت کی وجہ سے متغیر نہیں ہوا۔''

یعنی اس کے سامنے میرے احکام پامال ہوتے رہے' شریعت کی دھجیاں بکھرتی رہیں اور یہ اپنی ذاتی پرہیزگاری کو سنبھال کر ذکر اذکار' نوافل اور مراقبوں میں مصروف رہا۔ یہ دوسروں سے بڑھ کر مجرم ہے!

اب اس سلسلے میں نص قرآنی کے طور پر سورۃ الانفال کی آیت ۲۵ کا یہ واضح حکم بھی ملاحظہ کر لیجیے: ﴿وَاتَّقُوۡا فِتۡنَةً لَّا تُصِيۡبَنَّ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡكُمۡ خَآصَّةً ۚ﴾ ''اور ڈرو اس فتنہ (عذاب) سے جو خصوصیت کے ساتھ انہی لوگوں پر واقع نہیں ہوگا جو تم میں سے گنہگار ہیں''۔ یعنی جب کسی قوم میں بحیثیتِ مجموعی منکرات پھیل جائیں اور اس وجہ سے ان کے لیے اس دنیا میں کسی اجتماعی سزا کا فیصلہ ہو جائے تو پھر ایسی سزا کی لپیٹ میں صرف گنہگار لوگ

(۱۰) رواه البيهقي في شعب الايمان۔ مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب الامر بالمعروف، الفصل الثالث۔

ہی نہیں آئیں گے۔ یہ خبر یقیناً بہت تشویش ناک ہے۔ مگر آیت زیر مطالعہ کے الفاظ ﴿اَنۡجَیۡنَا الَّذِیۡنَ یَنۡهَوۡنَ عَنِ السُّوۡٓءِ﴾ میں یہ امید بھی دلائی گئی ہے کہ جو لوگ اپنی استطاعت کے مطابق' آخری وقت تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں بچا لے گا۔

آیت ۱۶۷ ﴿وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبۡعَثَنَّ عَلَیۡهِمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ مَنۡ یَّسُوۡمُهُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ ؕ﴾ ''اور (یاد کرو) جب آپؐ کے ربّ نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ لازماً مسلّط کرتا رہے گا ان پر قیامت کے دن تک ایسے لوگوں کو جو انہیں بدترین عذاب میں مبتلا کرتے رہیں گے۔''

﴿اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیۡعُ الۡعِقَابِ ۚۖ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۶۷﴾﴾ ''یقیناً آپؐ کا رب سزا دینے میں بہت جلدی کرتا ہے' اور یقیناً وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی۔''

اللہ تعالیٰ کی ایک شان تو یہ ہے کہ وہ عَزِیۡزٌ ذُوانۡتِقَام اور سَرِیۡعُ الۡعِقَاب ہے اور اُس کی دوسری شان یہ ہے کہ وہ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡم ہے۔ اب اس کا دار و مدار انسانوں کے طرزِ عمل پر ہے کہ وہ اپنے آپ کو اُس کی کس شان کا مستحق بناتے ہیں۔ اس آیت میں یہود کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے جس قانون اور فیصلے کا ذکر ہو رہا ہے وہ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ کی صورت میں ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔

آیت ۱۶۸ ﴿وَقَطَّعۡنٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اُمَمًا ۚ﴾ ''اور ہم نے انہیں زمین کے اندر منتشر کر دیا فرقوں کی صورت میں۔''

بنی اسرائیل کا یہ دورِ انتشار (Diaspora) ۷۰ عیسوی میں اُس وقت شروع ہوا جب رومن جنرل ٹائٹس نے یروشلم پر حملہ کر کے ان کے معبد ثانی (2nd Temple) کو شہید کر دیا (یہ معبد حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانے میں دوبارہ تعمیر ہوا تھا)۔ اس دوران ٹائٹس کے حکم سے یروشلم میں ایک لاکھ تینتیس ہزار یہودیوں کو ایک دن میں قتل کیا گیا اور بچ جانے والوں کو فلسطین سے نکال باہر کیا گیا۔ یہاں سے ملک بدر ہونے کے بعد یہ لوگ مصر' ہندوستان' روس اور یورپ کے مختلف علاقوں میں جا بسے۔ پھر جب امریکہ دریافت ہوا تو بہت سے یہودی خاندان وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ اس آیت میں ان کے اسی ''انتشار'' کی طرف اشارہ ہے کہ پوری دنیا میں انہیں منتشر کر دیا گیا اور اس طرح ان کی اجتماعیت ختم ہو کر رہ گئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ جہاں کہیں بھی گئے وہاں ان سے شدید نفرت کی جاتی رہی' جس کے باعث ان پر یورپ میں بہت ظلم ہوئے۔ عیسائیوں کی ان سے نفرت اور شدید دشمنی کا ذکر قرآن میں بھی ہے: ﴿فَاَغۡرَیۡنَا بَیۡنَهُمُ الۡعَدَاوَۃَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ؕ﴾ (المائدۃ:۱۴) ''پس ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت تک کے لیے ڈال دیا''۔ یہ دشمنی یہودیوں کے اُن گستاخانہ عقائد کی وجہ سے تھی جو وہ حضرت مسیح اور حضرت مریم علیہما السلام کے بارے میں رکھتے تھے۔

اس کے بعد جنگ عظیم دوم میں ہٹلر کے ہاتھوں تو یہودیوں پر ظلم کی انتہا ہو گئی۔ اس کے حکم پر پورے مشرقی یورپ سے یہودیوں کو اکٹھا کر کے concentration camps میں جمع کیا گیا اور اِن کے اجتماعی قتل کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی' جس کے تحت لاکھوں لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے جدید آٹومیٹک پلانٹ نصب

کیے گئے ۔ چنانچہ مردوں' عورتوں اور بچوں کو اجتماعی طور پر ایک بڑے ہال میں جمع کیا جاتا' وہاں ان کے کپڑے اتروائے جاتے اور بال مونڈ دیے جاتے (بعد میں ان بالوں سے قالین تیار کیے گئے جو نازی عہدیدار بڑے فخر سے اپنے دفتروں میں بچھاتے تھے)' اور پھر وہاں سے انہیں بڑے بڑے گیس چیمبرز میں داخل کر دیا جاتا۔ مشینوں کے ذریعے سے لاشوں کا چورا کیا جاتا اور ایک خاص قسم کے کیمیکلز کی مدد سے انسانی گوشت کو سیاہ رنگ کے سیال مادے میں تبدیل کر کے کھیتوں میں بطورِ کھاد استعمال کرنے کے لیے سپلائی کیا جاتا۔ یہ سب کچھ بیسویں صدی میں آج کے اس مہذب دور میں ہوا۔ اس طریقے سے ہٹلر کے ہاتھوں ساٹھ لاکھ یہودی قتل ہوئے۔ یہودیوں کے اس قتل عام کو ''Holocaust'' کا نام دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ساٹھ لاکھ کی تعداد مبالغے پر مبنی ہے' اصل تعداد چالیس لاکھ تھی۔ تو اندازہ کریں چالیس لاکھ کی تعداد میں ایک نسل کے انسانوں کا قتل عام اس قوم کے لیے کتنا دردناک عذاب ہے! ان کی تاریخ کے اب تک کے یہ حالات و واقعات گزشتہ آیت کے الفاظ ﴿مَنۡ یَّسُوۡمُہُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ ؕ﴾ کی گویا عملی تفسیر ہیں۔ اس سلسلے میں قیامت تک مزید کیا کچھ ہونے والا ہے اس کی خبر ابھی پردۂ غیب میں ہے۔

بہرحال یہودیوں کا آخری وقت بہت جلد آنے والا ہے' مگر جیسے چراغ کا شعلہ بجھنے سے پہلے بھڑکتا ہے' بالکل اسی انداز سے آج کل ہمیں ان کی حکومت اور طاقت نظر آ رہی ہے۔ اور شاید یہ سب کچھ اس لیے بھی ہو رہا ہے کہ عربوں (جو حضور اکرم ﷺ کے مخاطب اول اور وارثِ اوّل ہونے کے باوجود دین سے پیٹھ پھیرنے کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں) کو ایک ''مغضوب علیھم'' قوم کے ہاتھوں ہزیمت سے دوچار کر کے سزا دینا اور ''to add insult to injury'' کے مصداق اس ذلیل قوم کے ہاتھوں ذلیل کرنا مقصود ہے۔ اندریں حالات ایسا نظر آتا ہے کہ وہ دن اب زیادہ دور نہیں جب مسجدِ اقصیٰ شہید کر دی جائے گی اور اس کے نتیجے میں مشرقِ وسطیٰ میں جو طوفان اٹھے گا وہ یہودیوں کا سب کچھ بہا کر لے جائے گا' لیکن ان کے اس سلسلۂ عذاب کی آخری شکل حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کے بعد سامنے آئے گی۔ جیسے پہلے تمام رسولوں کے منکرین ان کی موجودگی میں ختم کر دیے گئے تھے (چھ رسولوں اور ان کی قوموں کے واقعات تکرار کے ساتھ قرآن میں آئے ہیں) اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکرین کو بھی ان کی موجودگی میں ختم کیا جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف اللہ کے رسول تھے: ﴿وَرَسُوۡلًا اِلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ....﴾ (آلِ عمران:۴۹)۔ یہودی نہ صرف آپؑ کے منکر ہوئے بلکہ (بزعم خویش) انہوں نے آپؑ کو قتل بھی کر دیا۔ لہٰذا بحیثیت قوم ان کا اجتماعی استیصال بھی حضرت مسیح علیہ السلام ہی کے ہاتھوں ہوگا۔

﴿مِنۡہُمُ الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنۡہُمۡ دُوۡنَ ذٰلِکَ ۫﴾ ''ان میں سے کچھ لوگ صالح ہیں اور کچھ وہ بھی ہیں جو دوسری طرح کے ہیں۔''

﴿وَبَلَوۡنٰہُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۶۸﴾﴾ ''ہم انہیں بھلائی اور برائی سے آزماتے رہے ہیں کہ شاید یہ لوگ لوٹ آئیں۔''

آیت ۱۶۹ ﴿فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى﴾ ''لیکن ان کے بعد ایسے (ناخلف) جانشین کتاب (تورات) کے وارث ہو گئے جو اس حقیر دنیا کے ساز و سامان ہی کو حاصل کرتے ہیں''

وہ ایسے لوگ ہیں جو حلال اور حرام سے بے نیاز ہو کر دنیاوی مفادات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو آخرت کے بارے میں کسی قسم کا خوف اور ڈر نہیں ہے۔

﴿وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ﴾ ''اور کہتے یہ ہیں کہ ہمیں تو بخش ہی دیا جائے گا۔''

ان کا کہنا ہے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں، پیغمبروں کی اولاد ہیں، اللہ کے چہیتے ہیں، ہماری بخشش تو یقینی ہے۔ ہمارے لیے سب معاف کر دیا جائے گا۔

﴿وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ﴾ ''اگر ایسا ہی اور سامان بھی ان کو دے دیا جائے تو (وہ بھی) لے لیں گے۔''

﴿اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ﴾ ''کیا ان سے عہد نہیں لیا گیا تھا کتاب (تورات) کی نسبت، کہ نہیں منسوب کریں گے اللہ سے کوئی بات مگر حق، اور انہوں نے پڑھ بھی لیا جو کچھ اس میں تھا۔''

﴿وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٦٩﴾ ''اور یقیناً آخرت کا گھر تو بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟''

آیت ۱۷۰ ﴿وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝١٧٠﴾ ''اور جن لوگوں نے کتاب کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھا اور نماز قائم کی، تو یقیناً ایسے مصلحین کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے۔''

بنی اسرائیل میں نیک لوگ آخری وقت تک ضرور موجود رہے ہوں گے۔ ان کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ ان کا اجر ہم کسی صورت میں ضائع نہیں کریں گے۔

آیت ۱۷۱ ﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ﴾ ''اور یاد کرو جبکہ ہم نے پہاڑ کو ان کے اوپر ایسے اٹھا دیا تھا جیسے سائبان ہو، اور انہیں لگتا تھا کہ اب یہ ان پر گرنے ہی والا ہے۔''

﴿خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝١٧١﴾ ''(ہم نے اُس وقت ان سے کہا تھا کہ) تھام لو اس کو مضبوطی سے جو ہم نے تمہیں دیا ہے اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھو تا کہ تم (غلط روی سے) بچتے رہو۔''

اب آخری تین رکوعوں میں فلسفۂ دین کے اعتبار سے بہت اہم مضامین آ رہے ہیں۔

آیات ۱۷۲ تا ۱۷۴

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ
اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِيْنَ ١٧٢
اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ
الْمُبْطِلُوْنَ ١٧٣ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ١٧٤

آیت ۱۷۲ ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ ''اور یاد کرو جب نکالا آپؐ کے رب نے تمام بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی نسل کو''

یہ واقعہ عالمِ ارواح میں وقوع پذیر ہوا تھا جبکہ انسانی جسم ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اہلِ عرب جو اُس وقت قرآن کے مخاطب تھے‘ اُن کی اُس وقت کی ذہنی استعداد کے مطابق یہ بہت ثقیل مضمون تھا۔ ایک صورت تو یہ تھی کہ انہیں پہلے تفصیل سے بتایا جاتا کہ انسانوں کی پہلی تخلیق عالمِ ارواح میں ہوئی تھی اور دنیا میں طبعی اجسام کے ساتھ یہ دوسری تخلیق ہے‘ اور پھر بتایا جاتا کہ یہ میثاق عالمِ ارواح میں لیا گیا تھا۔ لیکن اس کے بجائے اس مضمون کو آسان پیرائے میں بیان کرنے کے لیے عام فہم الفاظ عام فہم انداز میں استعمال کیے گئے کہ جب ہم نے نسلِ آدم کی تمام ذریت کو ان کی پیٹھوں سے نکال لیا۔ یعنی قیامت تک اس دنیا میں جتنے بھی انسان آنے والے تھے‘ ان سب کی ارواح وہاں موجود تھیں۔

﴿وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ﴾ ''اور اُن کو گواہ بنایا خود اُن کے اوپر‘ (اور سوال کیا:) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟''

﴿قَالُوْا بَلٰي ۚ شَهِدْنَا ۚ﴾ ''انہوں نے کہا: کیوں نہیں! ہم اس پر گواہ ہیں۔''

یہ اقرار تمام انسانوں کی ارواح نے پوری طرح ہوش و حواس اور خود شعوری (self conciousness) کی حالت میں کیا تھا۔ اس نکتے کی وضاحت اس سے پہلے بھی ہو چکی ہے کہ انسان کی خود شعوری (self conciousness) ہی اسے حیوانات سے ممتاز کرتی ہے۔ حیوانات میں شعور (conscious) تو ہوتا ہے لیکن خود شعوری نہیں ہوتی۔ انسان کی اس خود شعوری کا تعلق اس کی روح سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے بطورِ خاص انسان میں پھونکی ہے۔ چنانچہ اس عہد کے وقت تمام انسانوں کی ارواح موجود تھیں اور انہیں اپنی ذات کا پورا شعور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب‘ تمہارا مالک‘ تمہارا آقا نہیں ہوں؟ تمام ارواح نے یہی جواب دیا کہ بے شک تو ہی ہمارا رب ہے‘ ہم اقرار کرتے ہیں‘ ہم اس پر گواہ ہیں۔ یہ اقرار دراصل تمام انسانوں پر اللہ کی طرف سے حجت ہے۔ جیسے کہ اس سے پہلے سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۹ میں آ چکا ہے: ''اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس آ چکا ہے ہمارا رسول جو تمہارے لیے (دین کو) واضح کر رہا ہے‘ رسولوں کے ایک وقفے

کے بعد' مبادا تم یہ کہو کہ ہمارے پاس تو آیا ہی نہیں تھا کوئی بشارت دینے والا اور نہ کوئی خبردار کرنے والا''۔ تو یہ آیت گویا اتمامِ حجت ہے اہلِ کتاب پر۔

اسی طرح سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۶ میں فرمایا: ''مبادا تم یہ کہو کہ کتابیں تو دی گئی تھیں ہم سے پہلے دو گروہوں کو اور ہم تو ان کتابوں کو (غیر زبان ہونے کی وجہ سے) پڑھ بھی نہیں سکتے تھے''۔ یہ اتمامِ حجت کیا گیا بنی اسماعیل پر کہ اب تمہارے لیے ہم نے اپنا ایک رسول (ﷺ) تم ہی میں سے بھیج دیا ہے اور وہ تمہارے لیے ایک کتاب لے کر آیا ہے جو تمہاری اپنی ہی زبان میں ہے۔ لہٰذا اب تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ نے اپنی کتابیں تو ہم سے پہلے والی اُمتوں پر نازل کی تھیں' اور یہ کہ اگر ہم پر بھی کوئی ایسی کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے کہیں بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے۔ آیت زیر نظر میں جس گواہی کا ذکر ہے وہ پوری نوعِ انسانی کے لیے حجت ہے۔ گویا ہر روحِ انسانی اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر کے دنیا میں آئی ہے اور یوں انسانوں کے اُخروی مواخذے کی اصل بنیاد یہی گواہی فراہم کرتی ہے۔ اس کے بعد نبوت' وحی اور الہامی کتب کے ذریعے جو اتمامِ حجت کیا گیا' وہ تاکید مزید' تکرار اور لوگوں کے امتحان کو مزید آسان کرنے کے لیے تھا۔ لیکن اگر کوئی ہدایت بذریعہ نبوت' وحی وغیرہ نہ بھی آتی تو بھی روزِ محشر کے عظیم محاسبہ (accountability) کے لیے عالمِ ارواح میں لیا جانے والا مذکورہ عہد ہی کافی تھا' جس کا احساس اور شعور ہر انسان کی فطرت میں سمو دیا گیا ہے۔

﴿اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴾ ''مبادا تم یہ کہو قیامت کے دن کہ ہم تو اس سے غافل تھے''۔

آیت ۱۷۳ ﴿اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ﴾ ''یا تم یہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے آباء و اَجداد نے کیا تھا' اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں سے تھے''۔

﴿اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ ''تو (پروردگار!) کیا تُو ہمیں ہلاک کرے گا ان باطل پسند لوگوں کے فعل کے بدلے میں؟''

یہ اتمامِ حجت اس لیے تھا کہ قیامت کے دن تم لوگ کہیں یہ عذر لے کر نہ بیٹھ جاؤ کہ اے اللہ! ہمارے بڑے جو راستہ' جو طور طریقے چھوڑ گئے تھے' ہم تو ان پر چلتے رہے' لہٰذا ہمارا کوئی قصور نہیں' اصل مجرم تو وہ ہیں جو ہمیں اس دلدل میں پھنسا کر چلے گئے۔ یہ باطل طور طریقے انہوں نے ہی ایجاد کیے تھے' ہم تو صرف ان کے مقلد تھے۔

آیت ۱۷۴ ﴿وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ ''اور ہم اسی طرح اپنی آیات کو تفصیل سے بیان کر دیتے ہیں تاکہ وہ رجوع کریں''۔

آئندہ آیات میں ایک شخصیت کا واقعہ تمثیلی انداز میں بیان ہوا ہے' مگر یہ محض تشبیہ نہیں ہے بلکہ حقیقی واقعہ ہے۔ یہ قصہ دراصل ہمارے لیے درسِ عبرت ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بہت بدنصیب ہے وہ فرد یا قوم جس کو

اللہ تعالیٰ اپنے بیش بہا انعام و اکرام اور قُربِ خاص سے نوازے، مگر وہ اس کی نافرمانی کا ارتکاب کر کے خود کو ان تمام فضیلتوں سے محروم کر لے اور اللہ کی بندگی سے نکل کر شیطان کا چیلا بن جائے۔

آیات ۱۷۵ تا ۱۷۸

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۝ سَاۗءَ مَثَلَاۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ۝ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝

آیت ۱۷۵ ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا﴾ ”اور سنایئے انھیں خبر اُس شخص کی جس کو ہم نے اپنی آیات عطا کی تھیں“

یہاں پر اس واقعے کے لیے لفظ ”نبأ“ استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی ”خبر“ کے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کوئی تمثیل نہیں بلکہ حقیقی واقعہ ہے۔ دوسرے جو یہ فرمایا گیا کہ اس شخص کو ہم نے اپنی آیات عطا کی تھیں، اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ شخص صاحبِ کرامت بزرگ تھا۔ اس واقعے کی تفصیل ہمیں تورات میں بھی ملتی ہے جس کے مطابق یہ شخص بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اس کا نام بلعم بن باعوراء تھا اور یہ ایک بہت بڑا عابد، زاہد اور عالم تھا۔

﴿فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ﴾ ”تو وہ ان سے نکل بھاگا تو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا“

یہاں پر یہ نکتہ خصوصی طور پر لائق توجہ ہے کہ انسان خود غلطی کرتا ہے، شیطان اسے کسی برائی پر مجبور نہیں کر سکتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۝۴۲﴾ (الحجر) شیطان کو کسی بندے پر کوئی اختیار حاصل نہیں، لیکن جب بندہ اللہ کی نافرمانی کی طرف لپکتا ہے اور برائی کر بیٹھتا ہے تو وہ شیطان کا آسان شکار بن جاتا ہے۔ شیطان ایسے شخص کے پیچھے لگ جاتا ہے اور اگر وہ توبہ کر کے رجوع نہ کرے تو اسے تدریجاً دُور سے دُور لے جاتا ہے، یہاں تک کہ اسے برائی کی آخری منزل تک پہنچا کر دم لیتا ہے، جیسا کہ بالآخر اس شخص کے ساتھ ہوا۔

﴿فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۝۱۷۵﴾ ”تو وہ ہو گیا گمراہوں میں سے۔“

آیت ۱۷۶ ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ﴾ ”اور اگر ہم چاہتے تو ان (آیات) کے ذریعے سے اُسے اور بلند کرتے مگر وہ تو زمین کی طرف ہی دھنستا چلا گیا“

یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات اور جو بھی علم اس کو عطا ہوا تھا اس کے ذریعے سے اس کو بڑا بلند مقام مل سکتا تھا مگر

وہ تو زمین ہی کی طرف دھنستا چلا گیا۔ یہاں پر زمین کی طرف دھنسنے کے استعارے کو بھی اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ انسان دراصل حیوانی جسم اور ملکوتی روح سے مرکب ہے۔ جسم کے اجزائے ترکیبی کا تعلق زمین سے ہے' جیسا کہ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۵۵ میں فرمایا گیا: ﴿مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ﴾ یعنی ہم نے تمہیں اس زمین سے پیدا کیا۔ اس کے برعکس انسانی روح کا تعلق عالمِ بالا سے ہے اور وہ اللہ سے ﴿اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ﴾ (الاعراف:۱۷۲) والا عہد کر کے آئی ہے۔ چنانچہ اس بنیادی تضاد کی وجہ سے جسم اور روح میں متواتر کشمکش رہتی ہے۔ ''كُلُّ شَيۡءٍ يَرۡجِعُ اِلٰى اَصۡلِهٖ'' (ہر چیز اپنے منبع کی طرف لوٹتی ہے) کے مصداق رُوح اُوپر اٹھنا چاہتی ہے تا کہ اللہ سے قرب حاصل کر سکے' جبکہ جسم کی ساری کشش زمین کی طرف ہوتی ہے۔ چونکہ جسم کی تقویت کا سارا سامان' غذا وغیرہ زمین ہی کی مرہونِ منت ہے' اس لیے اسے زمینی اور دُنیوی لذتوں میں ہی سکون ملتا ہے اور وہ انہی لذتوں میں مگن ع ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' کی لوری سے خود کو بہلاتا رہتا ہے۔ اب اگر کسی شخص نے جسمانی ضرورتوں اور لذتوں کے حصول کے لیے مستقل طور پر زمین کے ساتھ ہی چمٹ کر رہنا شروع کر دیا تو اس نے گویا اپنی روح کی غذا کا راستہ بند کر دیا۔ ایسے شخص کی روح اپنی غذا کے حصول کے لیے احتجاج کرتی ہے' تڑپتی ہے' سسکتی ہے اور بالآخر مر جاتی ہے۔ اگر کسی انسان کے جیتے جی اُس کی روح کے ساتھ یہ حادثہ ہو جائے' یعنی اس کی روح کی موت واقع ہو جائے تو وہ انسان چلتا پھرتا حیوان بن جاتا ہے' جو جسمانی طور پر زندہ رہنے کے لیے اپنے جسمانی تقاضے حیوانی انداز میں پورے کرتا رہتا ہے اور ایک حیوان کی طرح زمینی غذائیں' سفلی آرزوئیں اور مادی امنگیں ہی اس کی زندگی کا مقصد و محور قرار پاتی ہیں۔ نتیجتاً اسے فیضانِ سماوی اور توفیقِ الٰہی سے مستقل طور پر محروم کر دیا جاتا ہے۔ (اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنۡ ذٰلِكَ!!)

﴿وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾ ''اور اُس نے پیروی کی اپنی خواہشات کی۔''

﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الۡكَلۡبِ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَيۡهِ يَلۡهَثۡ اَوۡ تَتۡرُكۡهُ يَلۡهَثۡ﴾ ''تو اُس کی مثال کُتے کی سی ہے' اگر تم اُس کے اوپر بوجھ رکھو تب بھی ہانپے گا اور اگر چھوڑ بھی دو تب بھی ہانپتا رہے گا۔''

یعنی اُس شخص نے اللہ کی نعمتوں کی قدر کرنے کے بجائے خود کو کتے سے مشابہ کر لیا' جو ہر وقت زبان نکالے ہانپتا رہتا ہے اور حرص و طمع کے غلبے کی وجہ سے ہر وقت زمین کو سونگھتے رہنا اس کی فطرت میں شامل ہے۔

﴿ذٰلِكَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا﴾ ''یہی مثال ہے اُس قوم کی (بھی) جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔''

اوپر تفصیل کے ساتھ یہود کی جو سرگزشت بیان ہوئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ قوم شروع سے ہی ''بلعم بن باعوراء'' بنی رہی ہے۔ آج اس کردار کی سب سے بڑی مثال پاکستانی قوم ہے۔ پاکستان کا بن جانا اور اس کا قائم رہنا ایک معجزہ تھا۔ انگریزوں اور ہندوؤں کو یقین تھا کہ پاکستان کی بقا بحیثیت ایک آزاد اور خود مختار ملک کے ممکن نہیں ہے' اس لیے یہ جلد ہی ختم ہو جائے گا۔ لیکن یہ ملک نہ صرف قائم رہا بلکہ ۱۹۶۵ء کی جنگ جیسی بڑی بڑی آزمائشوں سے بھی سرخرو ہو کر نکلا۔ ہم نے اس ملک کو اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا اور یہ دعویٰ

کیا تھا کہ اسے اسلامی نظام کی تجربہ گاہ بنائیں گے' تا کہ پوری دنیا اسلامی نظام کے عملی نمونے اور اس کی برکات کا مشاہدہ کر سکے۔ قائد اعظم نے بھی فرمایا تھا کہ ہم پاکستان اس لیے چاہتے ہیں کہ ہم عہدِ حاضر میں اسلام کے اصولِ حریت واخوت ومساوات کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرسکیں' لیکن عملی طور پر آج نظریہ پاکستان کے ساتھ ہمارا طرزِ عمل ''فَانسَلَخَ مِنهَا'' کی عبرتناک تصویر بن چکا ہے۔ ہم اپنے تمام وعدوں سے پیچھا چھڑا کر نکل بھاگے اور شیطان کے پیروکار بن گئے۔ اس کے نتیجے میں ہمارا جو حال ہوا اور جو کچھ ہمارے ساتھ مسلسل ہو رہا ہے اس کا نقشہ ذہن میں رکھیں اور اس پس منظر میں اب اس آیت کو دوبارہ پڑھیں۔

﴿فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ﴾ ''سو (اے نبی ﷺ!) آپ یہ واقعات سنا دیجیے شاید کہ یہ تفکر کریں۔''

آیت ۱۷۷ ﴿سَآءَ مَثَلَا ۨ الۡقَوۡمُ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَاَنۡفُسَهُمۡ كَانُوۡا يَظۡلِمُوۡنَ﴾ ''کیا ہی بری مثال ہے اُس قوم کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا' اور وہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔''

آیت ۱۷۸ ﴿مَنۡ يَّهۡدِ اللّٰهُ فَهُوَ الۡمُهۡتَدِىۡ‌ ۚ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ﴾ ''جسے اللہ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے' اور جنہیں وہ گمراہ کر دے تو وہی لوگ تباہ ہونے والے ہیں۔''

''عہدِ الست'' کے حوالے سے قبل ازیں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ انسان کا ایک وجود روحانی ہے اور دوسرا مادی یعنی حیوانی۔ چنانچہ اگر کسی انسان کی پوری توجہ اور ساری دلچسپیاں حیوانی وجود کی ضروریات پوری کرنے تک محدود رہیں گی تو ایسا انسان بلعم بن باعوراء کی مثال بن جائے گا۔ ایسا انفرادی سطح پر بھی ہوسکتا ہے اور قومی و اجتماعی سطح پر بھی۔ اس ضمن میں اب اگلی آیت میں حکمتِ قرآنی کا یہ اہم نکتہ بیان ہو رہا ہے کہ انسانوں کی اکثریت ایسے افراد پر مشتمل ہے جو صرف اپنے حیوانی جسم کی پرورش میں مصروف ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ بظاہر تو انسان ہی نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں حیوانوں کی سطح پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔

آیات ۱۷۹ تا ۱۸۳

وَلَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ‌ ۖ لَهُمۡ قُلُوۡبٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ بِهَا وَلَهُمۡ
اَعۡيُنٌ لَّا يُبۡصِرُوۡنَ بِهَا وَلَهُمۡ اٰذَانٌ لَّا يَسۡمَعُوۡنَ بِهَا ؕ اُولٰۤـئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ
اَضَلُّ‌ ؕ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ ۞ وَلِلّٰهِ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰى فَادۡعُوۡهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيۡنَ
يُلۡحِدُوۡنَ فِىۡۤ اَسۡمَآئِهٖ‌ ؕ سَيُجۡزَوۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۞ وَمِمَّنۡ خَلَقۡنَاۤ اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ
ع بِالۡحَـقِّ وَبِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ ۞ وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۞
وَاُمۡلِىۡ لَهُمۡ‌ ؕ اِنَّ كَيۡدِىۡ مَتِيۡنٌ ۞

آیت ۱۷۹ ﴿وَلَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ‌ ۖ﴾ ''اور ہم نے جہنم کے لیے پیدا کیے ہیں

بہت سے جن اور انسان۔''

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ﴾

''ان کے دل تو ہیں لیکن وہ ان سے غور نہیں کرتے' ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ اُن سے دیکھتے نہیں' اور ان کے کان ہیں لیکن وہ ان سے سنتے نہیں۔''

﴿اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۱۷۹﴾ ''یہ چوپایوں کی مانند ہیں' بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو غافل ہیں۔''

یعنی جب انسان ہدایت سے منہ موڑ لیتا ہے اور ہٹ دھرمی پر اتر آتا ہے تو نتیجتاً اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔ اس کے بعد ان کے دل تفقہ سے یکسر خالی ہو جاتے ہیں' اُن کی آنکھیں انسانی آنکھیں نہیں رہتیں اور نہ اُن کے کان انسانی کان رہتے ہیں۔ ایسی کیفیت میں وہ لوگ حیوانوں کی طرح دیکھتے ہیں اور حیوانوں کی طرح سنتے ہیں۔ جیسے سامنے سے آتی ہوئی گاڑی کو کتا بھی دیکھ لیتا ہے اور اس سے اپنے بچاؤ کی ترکیب کر لیتا ہے۔ جبکہ انسانی دیکھنا تو یہ ہے کہ انسان کسی چیز کو دیکھے' اس کی حقیقت کو سمجھے اور اپنے مشاہدے سے درست نتائج اخذ کرے۔ اسی فلسفے کو علامہ اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے ؎

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!

اس حوالے سے علامہ اقبال مزید فرماتے ہیں ع ''دیدن دگر آموز' شنیدن دگر آموز!'' کہ دوسری طرح کا دیکھنا سیکھو' اور دوسری طرح کا سننا سیکھو! یعنی وہ دیکھنا سیکھو جو دل کی آنکھ سے دیکھا جاتا ہے اور وہ سننا سیکھو جو دل سے سنا جاتا ہے۔ لیکن جب انسان ہدایت کی طرف سے اپنی آنکھیں اور اپنے کان بند کر لیتا ہے تو اس کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جس کا نقشہ اس آیت میں دکھایا گیا ہے۔ یعنی ایسے لوگوں کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی جاتی ہے' ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے جاتے ہیں۔ اور یوں وہ چوپایوں سے بھی بدتر مخلوق بن جاتے ہیں۔

ایسے لوگوں کو چوپایوں سے بدتر اس لیے کہا گیا ہے کہ چوپایوں کو تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی کم تر سطح پر کیا ہے' جبکہ انسان کا تخلیقی مقام بہت اعلیٰ ہے' لیکن جب انسان اس اعلیٰ مقام سے گرتا ہے تو پھر وہ نہ صرف شرفِ انسانیت کو کھو دیتا ہے بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ یہی مضمون سورۃ التین میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۵﴾ یعنی انسان کو پیدا کیا گیا بہترین اندازے پر' بلند ترین سطح پر' یہاں تک کہ اپنے تخلیقی معیار کے مطابق وہ مسجودِ ملائک ٹھہرا' لیکن جب وہ اس مقام سے نیچے گرا تو کم ترین سطح کی مخلوق سے بھی کم ترین ہو گیا۔ پھر اس کی زندگی محض حیوانی زندگی بن کر رہ گئی' حیوانوں کی طرح کھایا پیا' دنیا کی لذتیں حاصل کیں اور مر گیا۔ نہ زندگی کے مقصد کا ادراک' نہ اپنے خالق و مالک کی پہچان' نہ اللہ کے سامنے حاضری کا ڈر اور نہ آخرت میں احتساب کی فکر۔ یہ وہ انسانی زندگی ہے جو انسان کے لیے باعثِ شرم ہے۔ بقولِ سعدی شیرازی ؎

زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی!

آیت ۱۸۰ ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ص﴾ ''اور تمام اچھے نام اللہ ہی کے ہیں' تو پکارو اُسے اُن (اچھے ناموں) سے۔''

اللہ تعالیٰ کی صفات کے اعتبار سے اُس کے بے شمار نام ہیں۔ ان میں سے کچھ اسمائے حسنیٰ قرآن میں آئے ہیں اور کچھ احادیث میں۔ ایک حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام گنوائے ہیں۔ ان ناموں میں ''اللہ'' سب سے بڑا اور اہم ترین نام ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں' ان ناموں کے حوالے سے اُس کو پکارا کرو' ان ناموں کے ذریعے سے دعا کیا کرو۔ جیسے یَاسَتَّارُ' یَا غَفَّارُ' یَا کَرِیْمُ' یَا عَلِیْمُ۔ ضمنی طور پر یہاں یہ نکتہ بھی نوٹ کر لیں کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''صفت'' کہیں استعمال نہیں ہوا' البتہ حدیث میں یہ لفظ آیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے حوالے سے ''اَسْمَاء'' (نام) کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے۔

﴿وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ط﴾ ''اور چھوڑ دو اُن لوگوں کو جو اُس کے ناموں میں کجی نکالتے ہیں۔''

'لحد' کے معنی ٹیڑھ کے ہیں۔ 'لحد' بمعنی قبر بھی اسی سے مشتق ہے۔ قبر کے لیے ایک سیدھا گڑھا کھود کر اس کے اندر ایک بغلی گڑھا کھودا جاتا ہے۔ دوسرے گڑھے کو سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے ''لحد'' کہتے ہیں۔ اسمائے الٰہی کے سلسلے میں ''الحاد'' کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اسمائے حسنیٰ کا غلط استعمال کیا جائے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے ہر نام کی ایک خاص تاثیر ہے' اس لحاظ سے مراقبوں وغیرہ کے ذریعے سے اسمائے حسنیٰ کی تاثیر سے کسی کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بعض نام جوڑوں کی شکل میں ہیں' کسی صفت کے اگر دو رُخ ہیں تو اس صفت سے نام بھی دو ہوں گے' جیسے اَلْمُعِزُّ اور اَلْمُذِلُّ' اَلرَّافِعُ اور اَلْخَافِضُ' اَلْحَیُّ اور اَلْمُمِیْتُ وغیرہ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے جو اسماء جوڑوں کی شکل میں ہیں ان میں سے اگر ایک ہی نام بار بار پکارا جائے اور دوسرے کو چھوڑ دیا جائے تو یہ بھی الحاد ہوگا۔ مثلاً اَلْمُعِزُّ اور اَلْمُذِلُّ دو نام ایک جوڑے میں ہیں' یعنی وہی عزت دینے والا اور وہی ذلت دینے والا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یَا مُذِلُّ' یَا مُذِلُّ' یَا مُذِلُّ کا ورد شروع کر دے تو یہ اس نام کے حوالے سے الحاد ہوگا۔ کیونکہ ''اے ذلیل کرنے والے! اے ذلیل کرنے والے!'' مناسب ورد نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے تمام نام جب پکارے جائیں تو ہمیشہ جوڑوں ہی کی صورت میں پکارے جائیں۔

﴿سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾﴾ ''عنقریب وہ بدلہ پائیں گے اپنے اعمال کا۔''

آیت ۱۸۱ ﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾﴾ ''اور جو انسان ہم نے پیدا کیے ہیں ان میں کچھ لوگ وہ ہیں جو حق کی ہدایت کرتے ہیں اور حق کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔''

یقیناً ہر دور میں کچھ لوگ حق کے علمبردار رہے ہیں اور دنیا میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ضمانت دی ہے:

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ اُمَّتِیْ ظَاهِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ))(۱۱)

''میری اُمت میں ایک گروہ ضرور حق پر قائم رہے گا۔''

آیت ۱۸۲ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾﴾ ''رہے وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہے' تو ہم رفتہ رفتہ انہیں ایسے پکڑیں گے کہ ان کو پتا بھی نہیں چلے گا۔''

بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ ایک شخص کفر کے راستے پر بڑھتا جاتا ہے تو ساتھ ہی اس کی دنیاوی کامیابیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں' جس کی وجہ سے وہ سمجھتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے' ٹھیک کر رہا ہے اور یہ کہ اس کی دُنیوی کامیابیاں اس کی اسی روش کا نتیجہ ہیں۔ لہٰذا وہ کفر اور معصیت کے راستے میں مزید آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کیفیت کو ''استدراج'' کہا جاتا ہے جو کسی انسان کے لیے بہت بڑا فتنہ ہے۔ یعنی کوئی انسان اگر پوری دیدہ دلیری اور ڈھٹائی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات سے اعراض اور اس کے احکام سے سرکشی کرتا ہے تو اللہ اس کو ڈھیل دیتا ہے اور اس کی رسّی دراز کر دیتا ہے' جس کی وجہ سے وہ گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے۔

آیت ۱۸۳ ﴿وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾﴾ ''اور میں ان کو ڈھیل دوں گا' یقیناً میری چال بہت مضبوط ہے۔''

ایسے مجرموں کو ڈھیل دینے کی مثال کانٹے کے ذریعے مچھلی کے شکار کی سی ہے۔ جب کانٹا مچھلی کے حلق میں پھنس جاتا ہے تو اس کے بعد وہ کہیں نہیں جا سکتی۔ چنانچہ ایسی صورت میں شکاری ڈور ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے اور پھر جب مناسب سمجھتا ہے ڈور کھینچ کر مچھلی کو قابو کر لیتا ہے۔

آیات ۱۸۴ تا ۱۸۸

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ
مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ
اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ
وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا
عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ
اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ
لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۲۳ ۱۲

(۱۱) صحیح مسلم' کتاب الامارۃ' باب قولہ لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق......

آیت ۱۸۴ ﴿اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ﴾ ”کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی (محمد ﷺ) کو کوئی جنون نہیں ہے۔“

یعنی رسول اللہ ﷺ پر کسی طرح کے جنون کے اثرات یا کسی جن کا سایہ وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ یہ ایک متجسسانہ سوال (searching question) کا انداز ہے کہ عقل کے اندھو! ذرا غور تو کرو ہمارے یہ رسول ﷺ تمہاری نگاہوں کے سامنے پلے بڑھے ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت، شخصیت، طہارت، نظافت اور آپؐ کا کردار، کیا یہ سب کچھ آپ لوگوں کے سامنے نہیں ہے؟ کیا اس کے باوجود بھی تم لوگ یہ دعویٰ کرتے ہو کہ آپؐ پر جنون کے اثرات ہیں؟ کیا مجنوں لوگوں کا کردار ایسا ہوتا ہے؟ کیا تم نے کبھی اپنے اس دعوے کے بودے پن پر غور نہیں کیا؟

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝١٨٤﴾ ”وہ نہیں ہیں مگر واضح طور پر خبردار کر دینے والے۔“

آیت ۱۸۵ ﴿اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ﴾ ”اور کیا ان لوگوں نے غور و فکر نہیں کیا آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور اللہ نے جو چیزیں بنائی ہیں (ان میں)“

﴿وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ﴾ ”اور یہ (نہیں سوچا) کہ ہوسکتا ہے ان کا مقررہ وقت قریب پہنچ گیا ہو!“

اس سے پہلے اسی سورت میں ہم اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ آئے ہیں: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ﴾ (آیت ۳۴) ”اور ہر قوم کے لیے ایک وقت معیّن ہے“۔ اس وقتِ معیّن کا علم صرف اللہ کو ہے۔ تو عین ممکن ہے ان کے لیے جو وقت معیّن کیا گیا ہے وہ قریب آ لگا ہو اور انہیں اس کی خبر ہی نہ ہو۔

﴿فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝١٨٥﴾ ”اور اب اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟“

آیت ۱۸۶ ﴿مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ﴾ ”جس کو اللہ گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔“

جس کی گمراہی پر اللہ کی طرف سے مہر تصدیق ثبت ہو جائے، پھر اس کے بعد اسے کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔

﴿وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝١٨٦﴾ ”اور وہ چھوڑ دے گا ان کو اُن کی سرکشی میں، اندھے ہو کر آگے بڑھتے ہوئے۔“

آیت ۱۸۷ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) یہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ آپ کہیے کہ اس کا علم تو میرے ربّ ہی کے پاس ہے۔“

یہ لوگ آپ (ﷺ) سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ یہ کب لنگر انداز ہوگی؟ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اس کے بارے میں سوائے میرے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ کسی کے پاس اس بارے میں کوئی علم

نہیں ہے۔ ''مُرْسٰی'' جہاز کے لنگر انداز ہونے کو کہا جاتا ہے۔ جیسے: سورۂ ہود آیت ۴۱ میں آیا ہے: ﴿بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا﴾ کہ اس کشتی کا چلنا اور لنگر انداز ہونا اللہ کے نام یعنی اُس کے اذن سے ہے۔

﴿لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ۘ﴾ ''وہی ظاہر کرے گا اسے اس کے وقت پر۔''

﴿ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ﴾ ''وہ آسمانوں اور زمین کے اندر بڑا بھاری بوجھ ہے۔''

آسمان وزمین اس سے بوجھل ہیں۔ جیسے ایک مادہ اپنا حمل لیے پھرتی ہے' اسی طرح یہ کائنات بھی قیامت کو یعنی اپنی فنا کو لیے لیے پھرتی ہے۔ ہر شے جو تخلیق کی گئی ہے اس کی ایک ''اجل مسمّٰی'' اس کے اندر موجود ہے۔ گویا ہر مخلوق کی موت اس کے وجود کے اندر سمودی گئی ہے۔ چنانچہ ہر انسان اپنی موت کو اپنے ساتھ لیے پھر رہا ہے اور اسی طرح سے پوری کائنات بھی اپنی فنا کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔

﴿لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ﴾ ''وہ نہیں آئے گی تم پر مگر اچانک۔''

﴿يَسْــَٔـلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ سے تو یہ اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ اس کی کھوج میں لگے ہوئے ہیں۔''

آپ (ﷺ) سے تو یہ سوال وہ ایسے پوچھتے ہیں جیسے سمجھتے ہوں کہ آپ ہر وقت قیامت کی تاریخ ہی کی تحقیق وجستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ آپ کا اس سے کوئی سروکار نہیں' یہ تو ہمارا معاملہ ہے۔

﴿قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۱۸۷﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے' لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔''

آیت ۱۸۸ ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ﴾ ''کہہ دیجیے کہ مجھے کوئی اختیار نہیں ہے اپنی جان کے بارے میں بھی کسی نفع کا اور نہ کسی نقصان کا' سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔''

آپ (ﷺ) انہیں بتائیں کہ میرے پاس علم غیب نہیں ہے۔ جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیت ۵۰ میں فرمایا گیا کہ اے نبی ﷺ کہہ دیجیے کہ میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ اللہ کے خزانے میرے قبضۂ قدرت میں ہیں' نہ میں علمِ غیب جانتا ہوں اور نہ مَیں یہ کہتا ہوں کہ مَیں فرشتہ ہوں۔

﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ﴾ ''اور اگر مجھے علمِ غیب حاصل ہوتا تو میں بہت سا خیر جمع کر لیتا' اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ آتی۔''

﴿اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۱۸۸﴾ ''نہیں ہوں مَیں مگر بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا' اُن لوگوں کے لیے جو ایمان والے ہوں۔''

آیات ۱۸۹ تا ۲۰۲

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا

تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا
صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ
فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ ۚ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ
عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ
اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ
اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ
قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ
وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ
اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ
وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا
يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا
مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ ۚ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي
الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

آیت ۱۸۹ ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ﴾ ''وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک جان سے اور اُسی سے بنایا اُس کا جوڑا' تا کہ وہ اُس کے پاس سکون حاصل کرے۔''

اس نکتے کی وضاحت سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۸۷ ﴿وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠﴾ کے مطالعے کے دوران کی جا چکی ہے۔ شوہر اور بیوی کے تعلقات میں جہاں اولاد کا معاملہ ہے وہاں باہمی تسکین اور سکون کا پہلو بھی ہے۔

﴿فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ﴾ ''تو جب وہ (شوہر) ڈھانپ لیتا ہے اس (اپنی بیوی) کو تو اسے حمل ہو جاتا ہے ہلکا سا حمل' تو وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی رہتی ہے۔''

ابتدا میں حمل اتنا خفیف ہوتا ہے کہ پتا بھی نہیں چلتا کہ کوئی حمل ٹھہر گیا ہے۔

﴿فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾﴾ ''پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو وہ دونوں اپنے رب کو پکارتے ہیں' کہ اگر تو ہمیں صحیح سالم بچہ عطا کر دے گا تو ہم تیرے شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔''

آیت ۱۹۰ ﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ﴾ ''پھر جب اللہ نے انہیں عطا کر دیا صحیح سالم بچہ' تو ٹھہرا لیے انہوں نے اُس کے شریک اس میں جو اللہ نے ان کو عطا کیا تھا۔''

کہ ہم فلاں بزرگ کے مزار پر گئے تھے' ان کی نگاہِ کرم ہوئی ہے' یا فلاں دیوی کی کرپا سے ہمیں اولاد مل گئی ہے۔

﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱۹۰﴾ ''اللہ بہت بلند و بالا ہے ان کے اس شرک سے۔''

آیت ۱۹۱ ﴿اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝۱۹۱﴾ ''کیا وہ ان کو شریک کر رہے ہیں (اللہ کے ساتھ) جو کوئی شے تخلیق کرتے ہی نہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں۔''

فرشتے' جنّات' انبیاءؑ اور اولیاء اللہ سب کے سب اللہ کی مخلوق ہیں۔

آیت ۱۹۲ ﴿وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝۱۹۲﴾ ''اور نہ وہ اُن کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ اپنی مدد پر قادر ہیں۔''

وہ تو سب کے سب خود اللہ کے بندے ہیں۔ اب زیر مطالعہ آیات میں بات تدریجاً بتوں کی طرف لائی جا رہی ہے۔ نظریاتی طور پر تو بتوں کے پجاری فلسفی بت پرستی کا جواز یہ بتاتے ہیں کہ وہ ان پتھر کے بتوں کی پوجا نہیں کرتے بلکہ ان مورتیوں کو وہ علامت مانتے ہیں۔ اور یہ کہ اصل دیوتا اور دیویاں چونکہ ان کے سامنے موجود نہیں ہیں اس لیے ان کے بارے میں توجہ کے ارتکاز کے لیے وہ بتوں کو علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ اس فلسفہ کا خلاصہ ہے جو انڈیا کے ڈاکٹر رادھا کرشنن وغیرہ بیان کرتے رہے ہیں' مگر ان کے عوام تو ان بتوں ہی کو معبود مانتے ہیں' بتوں ہی کی پوجا کرتے ہیں' انہی کے آگے جھکتے ہیں' انہی کو نذرانے دیتے ہیں اور انہی سے اپنی حاجات مانگتے ہیں۔

آیت ۱۹۳ ﴿وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ﴾ ''اور اگر تم انہیں پکارو راہنمائی کے لیے (کہ تمہیں راستہ دکھا دیں) تو وہ تمہاری طرف توجہ ہی نہیں کر سکیں گے۔''

﴿سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝۱۹۳﴾ ''برابر ہے تمہارے لیے کہ تم انہیں پکارو یا خاموش رہو۔''

آیت ۱۹۴ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ ''یقیناً جنہیں تم پکارتے ہو اللہ کے ماسوا وہ بھی تمہاری طرح کے بندے ہیں''

وہ فرشتے ہوں یا جنات' دیوی دیوتا ہوں یا اولیاء اللہ' سب تمہاری طرح اللہ ہی کے بندے ہیں۔

﴿فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۹۴﴾ ''ان کو پکار دیکھو' پھر وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو۔''

اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ وہ لائق پرستش ہیں اور کچھ اختیار بھی رکھتے ہیں تو تمہاری پکار یا دعا پر

ان کی طرف سے کچھ نہ کچھ جواب تو ضرور ملنا چاہیے۔ سورۂ یونس میں تو ان لوگوں کے خودساختہ معبودوں کا یہ مکالمہ بھی نقل کیا گیا ہے: ﴿اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۲۹﴾ یعنی قیامت کے دن وہ ان سے صاف کہہ دیں گے کہ ہم تمہارے مشرکانہ عقائد سے غافل تھے‘ ہم نہیں جانتے تھے کہ تم لوگ ہمیں پکارتے رہے ہو‘ ہماری دہائیاں دیتے رہے ہو‘ اور ”یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئًا لِلّٰہ“ جیسے مشرکانہ کلمات کے ورد کرتے رہے ہو —— اب اگلی آیت میں خاص طور پر بتوں کا ذکر ہے۔

آیت ۱۹۵ ﴿اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ﴾ ”کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے یہ چلتے ہوں؟“

تم نے ان کے پاؤں اگر بنا بھی دیے ہیں تو کیا وہ ان کی مدد سے ایک قدم چلنے کی سکت بھی رکھتے ہیں؟

﴿اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ﴾ ”یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے یہ پکڑتے ہوں؟“

﴿اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ﴾ ”یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے یہ دیکھتے ہوں؟“

﴿اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ﴾ ”یا ان کے کان ہیں جن سے یہ سنتے ہوں؟“

﴿قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۱۹۵﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ پکار لو اپنے سب شریکوں کو‘ پھر میرے خلاف چالیں چلو (جو چل سکتے ہو) اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔“

قولِ فیصل کے طور پر رسول اللہ ﷺ سے ڈنکے کی چوٹ یہ اعلان کرایا جا رہا ہے کہ میں تم سے کوئی درخواست نہیں کرتا کہ میرے ساتھ نرمی کرو یا مجھے مہلت دو۔ تم اپنے تمام معبودوں کو بلا لو اور میرے خلاف جو بھی اقدام کر سکتے ہو کر گزرو۔ اسی طرح کا دوٹوک اعلان حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی کرایا گیا تھا: ﴿اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۷۸﴾ (الانعام)۔

آیت ۱۹۶ ﴿اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۡ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۱۹۶﴾ ”یقیناً میرا مددگار تو وہ اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی‘ اور صالح بندوں کا وہی پشت پناہ ہے۔“

آیت ۱۹۷ ﴿وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۱۹۷﴾ ”اور جنہیں تم پکار رہے ہو اُس (اللہ) کو چھوڑ کر وہ تمہاری مدد کی استطاعت ہی نہیں رکھتے‘ اور نہ وہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں۔“

آیت ۱۹۸ ﴿وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ﴾ ”اور اگر تم انہیں راہنمائی کے لیے پکارو تو وہ سن نہ سکیں گے۔“

﴿وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۱۹۸﴾ ”اور تمہیں ایسا نظر آتا ہے کہ وہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں جب کہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے۔“

آیت ۱۹۹ ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ درگزر کو تھام لیجیے اور بھلی بات کا حکم

دیتے رہیے"

مکی سورتوں کے آخر میں اکثر حضورﷺ سے اسی انداز میں خطاب ہوتا ہے کہ آپؐ ان لوگوں سے بہت زیادہ بحث مباحثہ میں نہ پڑیں' ان کے رویے سے درگزر کریں اور اپنی دعوت جاری رکھیں۔

﴿وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِیۡنَ ۱۹۹﴾ "اور جاہلوں سے اعراض کریں۔"

یہ جاہل لوگ آپؐ سے الجھنا چاہیں تو آپؐ ان سے کنارہ کشی کر لیں۔ جیسا کہ سورۃ الفرقان میں فرمایا: ﴿وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الۡجٰهِلُوۡنَ قَالُوۡا سَلٰمًا ۶۳﴾ "اور جب جاہل لوگ ان (رحمٰن کے بندوں) سے الجھنا چاہتے ہیں تو وہ ان کو سلام کہتے (ہوئے گزر جاتے) ہیں"۔ سورۃ القصص کی اس آیت میں بھی اہلِ ایمان کا یہی طریقہ بیان کیا گیا ہے: ﴿سَلٰمٌ عَلَیۡكُمۡ ۫ لَا نَبۡتَغِی الۡجٰهِلِیۡنَ ۵۵﴾ "تمہیں سلام ہو' ہم جاہلوں کے منہ نہیں لگنا چاہتے"۔

آیت زیر نظر میں ایک داعی کے لیے تین بڑی اہم باتیں بتائی گئی ہیں: عفوو درگزر سے کام لینا' نیکی اور بھلائی کی بات کا حکم دیتے رہنا' اور جاہل یعنی جذباتی اور مشتعل مزاج لوگوں سے اعراض کرنا۔

آیت ۲۰۰ ﴿وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ۲۰۰﴾ "اور اگر کبھی آپ کو کوئی چوک لگ ہی جائے شیطان کی طرف سے تو اللہ کی پناہ طلب کریں' یقیناً وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

نزع اور نزغ ملتے جلتے حروف والے دو مادے ہیں' ان میں صرف "ع" اور "غ" کا فرق ہے۔ نزع کھینچنے کے معنی دیتا ہے جبکہ نزغ کے معنی ہیں کچوکا لگانا' اکسانا' وسوسہ اندازی کرنا۔ یعنی اگر بربنائے طبع بشری کبھی جذبات میں اشتعال اور غصہ آ ہی جائے تو فوراً بھانپ لیں کہ یہ شیطان کی جانب سے ایک چوک ہے' چنانچہ ایسی صورت میں فوراً اللہ سے پناہ مانگیں۔ جیسا کہ غزوۂ اُحد میں حضورﷺ کو غصہ آ گیا تھا اور آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل گئے تھے: ((كَیۡفَ یُفۡلِحُ قَوۡمٌ خَضَبُوۡا وَجۡهَ نَبِیِّهِمۡ بِالدَّمِ وَهُوَ یَدۡعُوۡهُمۡ اِلَی اللّٰهِ))(۱۲) "یہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے رنگ دیا جبکہ وہ انہیں اللہ کی طرف بلا رہا تھا!"

یہ آیت آگے چل کر سورۂ حٰم السجدۃ میں ایک لفظ (هُوَ) کے اضافے کے ساتھ دوبارہ آئے گی: ﴿اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۳۶﴾ کہ یقیناً وہی ہے سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا۔

آیت ۲۰۱ ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَكَّرُوۡا﴾ "جن لوگوں کے اندر تقویٰ ہے ان کو جب کوئی برا خیال چھو جاتا ہے شیطان کے اثر سے تو وہ چوکنے ہو جاتے ہیں"

یعنی متقی لوگ ہر گھڑی اپنے فکر و عمل کا احتساب کرتے رہتے ہیں اور اگر کبھی عارضی طور پر غفلت یا شیطانی وسوسوں سے کوئی منفی اثرات دل و دماغ میں ظاہر ہوں تو وہ فوراً سنبھل کر اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جیسے

---

(۱۲) سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الصبر علی البلاء۔ ومسند احمد: ۱۲۷۲۵۔ یہ حدیث صحیح مسلم اور سنن الترمذی میں بھی قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔

خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ وَاِنِّىْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِى الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ))(۱۳) ''میرے دل پر بھی کبھی کبھی حجاب سا آ جاتا ہے اور میں روزانہ سو سو مرتبہ اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں''۔ واضح رہے کہ یہاں صرف بات کی وضاحت کے لیے اس حدیث کا ذکر کیا گیا ہے' ورنہ جس حجاب کا ذکر حضور ﷺ نے فرمایا ہے ہم نہ تو اس کی نوعیت کا اندازہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی مشابہت ہماری کسی بھی قسم کی قلبی کیفیات کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ ہم نہ تو حضور ﷺ کے تعلق مع اللہ کی کیفیت کا تصور کر سکتے ہیں اور نہ ہی مذکورہ حجاب کی نوعیت کا۔ ظاہر ہے یہ حجاب بھی اُس حضوری کے درجے میں ہوگا جو ہماری لاکھوں حضوریوں سے بڑھ کر ہے۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ تعلق مع اللہ کی شدت (intensity) میں کبھی ذرا سی بھی کمی آ گئی تو حضور ﷺ نے اسے حجاب سے تعبیر فرمایا۔

﴿فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝۲۰۱﴾ ''اور دفعتاً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔''

جب وہ چوکنے ہو جاتے ہیں تو ان کی وقتی غفلت دور ہو جاتی ہے' عارضی منفی اثرات کا بوجھ ختم ہو جاتا ہے اور حقائق پھر سے واضح نظر آنے لگتے ہیں۔

آیت ۲۰۲ ﴿وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِى الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ۝۲۰۲﴾ ''اور جو اُن (شیطانوں) کے بھائی ہیں انہیں وہ گھسیٹ کر لے جاتے ہیں دور تک گمراہی میں' پھر وہ کچھ کمی نہیں کرتے۔''

ظاہر ہے جو شخص شیطان کا دوست بنے گا اُس پر شیطان اپنا حکم تو چلائے گا۔ چنانچہ شیاطین اپنے بھائی بندوں کو اپنے ساتھ گھسیٹتے ہوئے دور تک لے جاتے ہیں اور انہیں گمراہی کی آخری حد تک پہنچا کر رہتے ہیں۔ جیسے بلعم بن باعوراء کو شیطان نے اپنا شکار بنایا اور اسے گمراہی کی آخری حد تک پہنچا کر دم لیا۔ لیکن جو اللہ کے مخلص اور متقی بندے ہیں ان پر شیطان کا اختیار نہیں چلتا۔ ان کی کیفیت اس سے پچھلی آیت میں یوں بیان ہوئی ہے کہ جونہی منفی اثرات کا کوئی سایہ ان کو اپنی طرف بڑھتا ہوا محسوس ہوتا ہے وہ یکدم چونک کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

آیات ۲۰۳ تا ۲۰۶

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۲۰۳ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۲۰۴ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝۲۰۵ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝۲۰۶ ع

اس آخری رکوع میں ان دونوں سورتوں کے مضامین کے عمود کا خلاصہ بیان کیا جا رہا ہے۔ جس زمانے

(۱۳) صحیح مسلم' کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار' باب استحباب الاستغفار والاستکثار منه۔ و سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاة' باب فی الاستغفار۔

میں یہ دوسورتیں نازل ہوئیں اُس وقت کفارِ مکہ کی طرف سے یہ مطالبہ تکرار کے ساتھ کیا جا رہا تھا کہ کوئی نشانی لاؤ' کوئی معجزہ دکھاؤ۔ یعنی جس طرح کے حسی معجزات حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو ملے تھے' اسی نوعیت کے معجزات اہلِ مکہ حضور ﷺ کے ہاتھوں بھی دیکھنا چاہتے تھے اور اس کے لیے وہ بار بار مطالبہ کر رہے تھے۔ ان دونوں سورتوں میں ان لوگوں کے اس مطالبے اور اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر متعدد مقامات پر آیا ہے۔ اب اس سلسلے میں آخری بات ہو رہی ہے۔

آیت ۲۰۳ ﴿وَاِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡلَا اجۡتَبَيۡتَهَا﴾ ''(اے نبی ﷺ!) جب آپ ان کے پاس کوئی معجزہ نہیں لاتے تو یہ کہتے ہیں کہ آپ کیوں نہ اسے چُن کر لے آئے؟''

کفارِ مکہ کا کہنا تھا کہ جب آپ (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' تو آپ کے لیے معجزہ دکھانا کون سا مشکل کام ہے؟ آپ ہمارے اطمینان کے لیے کوئی معجزہ چھانٹ کر لے آئیں! اس سلسلے میں تفسیر کبیر میں امام رازیؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا ایک پھوپھی زاد بھائی تھا' جو اگرچہ ایمان تو نہیں لایا تھا مگر اکثر آپ ﷺ کے ساتھ رہتا اور آپ ﷺ سے تعاون بھی کرتا تھا۔ اس کے اس طرح کے رویے سے امید تھی کہ ایک دن وہ ایمان بھی لے آئے گا۔ ایک دفعہ کسی محفل میں سردارانِ قریش نے معجزات کے بارے میں آپ ﷺ سے بہت بحث و تکرار کی کہ آپ نبی ہیں تو ابھی معجزہ دکھائیں' یہ نہیں تو وہ دکھا دیں' ایسے نہیں تو ویسے کر کے دکھا دیں! (اس کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۱۰ میں آئی ہے) مگر آپ ﷺ نے ان کی ہر بات پر یہی فرمایا کہ معجزہ دکھانا میرے اختیار میں نہیں ہے' یہ تو اللہ کا فیصلہ ہے' جب اللہ تعالیٰ چاہے گا دکھا دے گا۔ اس پر انہوں نے گویا اپنے زعم میں میدان مار لیا اور آپ ﷺ پر آخری حجت قائم کر دی۔ چنانچہ جب حضور ﷺ وہاں سے اٹھے تو ان کی اس محفل میں شور مچ گیا۔ ان لوگوں نے کیا کیا اور کس کس انداز میں باتیں نہیں کی ہوں گی اور اس کے عوام پر کیا اثرات ہوئے ہوں گے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے اُس پھوپھی زاد بھائی نے کہا کہ آج تو گویا آپؐ کی قوم نے آپؐ پر حجت قائم کر دی ہے' اب میں آپؐ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مشرکینِ مکہ کے مذکورہ مطالبے پر اصرار کی وجہ سے حضور ﷺ کو کس قدر مشکل حالات اور پریشانی کا سامنا تھا۔ اس صورتِ حال کی سنگینی کی نشاندہی سورۃ الانعام کی آیت ۳۵ کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے: ﴿وَاِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَيۡكَ اِعۡرَاضُهُمۡ فَاِنِ اسۡتَطَعۡتَ اَنۡ تَبۡتَغِيَ نَفَقًا فِي الۡاَرۡضِ اَوۡ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاۡتِيَهُمۡ بِاٰيَةٍ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ پر بہت شاق گزر رہا ہے ان کا اعراض تو اگر آپ میں طاقت ہے تو زمین میں کوئی سرنگ بنا لیجیے یا آسمان پر سیڑھی لگا لیجیے اور ان کے لیے کہیں سے کوئی نشانی لے آئیے!'' (ہم تو انہیں اس نوعیت کا کوئی معجزہ نہیں دکھانا چاہتے!) یہ پس منظر ہے ان حالات کا جس میں فرمایا جا رہا ہے کہ معجزات کے مطالبات میں آپ ﷺ ان کو بتائیں کہ معجزہ دکھانے یا نہ دکھانے کا فیصلہ اللہ نے کرنا ہے' مجھے اس کا اختیار نہیں ہے۔

﴿قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰۤى اِلَيَّ مِنۡ رَّبِّيۡ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تو صرف پیروی کر رہا ہوں اُس کی

جو میری طرف وحی کی جا رہی ہے میرے ربّ کی طرف سے۔''

﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ ''یہ تمہارے ربّ کی طرف سے بصیرت افروز باتیں ہیں' اور یہ ہدایت اور رحمت ہے اُن لوگوں کے حق میں جو ایمان لے آئیں۔''

یعنی میں آپ لوگوں کے سامنے جو پیش کر رہا ہوں' یہ وہی کچھ ہے جو اللہ نے مجھ پر وحی کیا ہے اور میں خود بھی اسی کی پیروی کر رہا ہوں۔ اس سے بڑھ کر میں نے کبھی کوئی دعویٰ کیا ہی نہیں۔

آیت ۲۰۴ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ ''اور جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اسے پوری توجہ کے ساتھ سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

سَمِعَ ' یَسْمَعُ کے معنی ہیں سننا' جبکہ اِسْتِمَاع کے معنی ہیں پوری توجہ کے ساتھ کان لگا کر سننا۔ جو حضرات جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کے قائل ہیں وہ اسی آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں' کیونکہ اس آیت کی رو سے تلاوتِ قرآن کو پوری طرح ارتکازِ توجہ کے ساتھ سننا فرض ہے اور ساتھ ہی خاموش رہنے کا حکم بھی ہے۔ جبکہ نماز کے دوران خود تلاوت کرنے کی صورت میں سننے کی طرف توجہ نہیں رہے گی اور خاموش رہنے کے حکم پر بھی عمل نہیں ہوگا۔

آیت ۲۰۵ ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً﴾ ''اور اپنے رب کو یاد کرتے رہا کرو اپنے جی ہی جی میں' عاجزی اور خوف کے ساتھ''

اس عاجزی کی انتہا اور عبدیتِ کاملہ کا مظہر تو وہ دعائے ماثور ہے جو میرے کتابچے ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' کے آخر میں درج ہے۔ ان دو آیات کے مضمون (قرآن کی عظمت اور دعا میں عاجزی) کے خصوصی حوالے سے اس دعا کے مندرجہ ذیل الفاظ کو پڑھئے اور ان کے مفہوم کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں اتارنے کی کوشش کیجیے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ ''اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں!''

وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ ''تیرے ایک ناچیز غلام اور ادنیٰ کنیز کا بیٹا ہوں!''

وَفِيْ قَبْضَتِكَ ' نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ ''اور مجھ پر تیرا ہی کامل اختیار ہے' میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ ہے۔''

مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ ' عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُكَ ''نافذ ہے میرے بارے میں تیرا ہر حکم' اور عدل ہے میرے بارے میں تیرا ہر فیصلہ۔''

اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ' سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ ''میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں تیرے ہر اُس اسم کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی ذاتِ مقدس کو موسوم فرمایا''

اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ ''یا اپنی کسی کتاب میں نازل فرمایا''

اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ ''یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو تلقین فرمایا''

اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِيْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ ''یا اسے اپنے مخصوص خزانہ غیب ہی میں محفوظ رکھا''

اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ ، وَنُوْرَ صَدْرِيْ، وَجِلَاءَ حُزْنِيْ، وَ ذَهَابَ هَمِّيْ وَ غَمِّيْ (۱۴) ''کہ تو بنا دے قرآن مجید کو میرے دل کی بہار اور میرے سینے کا نور اور میرے رنج وحزن کی جلا اور میرے تفکرات اور غموں کے ازالے کا سبب!''

آمِيْن يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ! ''ایسا ہی ہو اے تمام جہانوں کے پروردگار!''

﴿وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ''اور بلند آواز سے نہیں (پست آواز سے)''

اس حوالے سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی دُعا مانگے تو اس طرح مانگے کہ وہ اپنی آواز کو خود سن سکے تا کہ اس کی سماعت بھی اس سے استفادہ کرے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو قراءت ایسے کرے کہ خود سن سکے اگرچہ سری نماز ہی کیوں نہ ہو۔

﴿بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ﴾ ''(اور اس طرح آپ اپنے رب کا ذکر کرتے رہیں) صبح کے وقت بھی اور شام کے اوقات میں بھی''

جیسے سورۃ الانعام کی پہلی آیت کی تشریح کے ضمن میں ذکر آیا تھا کہ لفظ نُور قرآن میں ہمیشہ واحد جبکہ ظُلُمات ہمیشہ جمع آتا ہے' اسی طرح لفظ غُدُوّ (صبح) بھی ہمیشہ واحد اور آصال (شام) ہمیشہ جمع آتا ہے۔ یہ اَصِیل کی جمع ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ صبح کی نماز تو ایک ہی ہے' یعنی فجر' جبکہ سورج ذرا مغرب کی طرف ڈھلنا شروع ہوتا ہے تو رات تک پے در پے نمازیں پڑھی جاتی رہتی ہیں' یعنی ظہر' عصر' مغرب اور عشاء۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۷۸ کے الفاظ ﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ﴾ بھی اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

﴿وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴿۲۰۵﴾﴾ ''اور غافلوں میں سے نہ ہو جایئے۔''

آیت ۲۰۶ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ ''بے شک وہ جو آپ کے ربّ کے پاس ہیں''

یعنی ملأ اعلیٰ میں ملائکہ مقربین کی محفل' جس کا نقشہ امیر خسروؒ نے اپنے اس خوبصورت شعر میں اس طرح بیان کیا ہے:

خدا خود میر محفل بود اندر لامکاں خسرو ـــــ محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائے کہ من بودم!

یعنی لامکاں کی وہ محفل جس کا میر محفل خود اللہ تعالیٰ ہے اور جہاں شرکائے محفل ملائکہ مقربین ہیں اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ (روحِ محمدیؐ) کو اس محفل میں گویا چراغ اور شمع کی حیثیت حاصل ہے۔ امیر خسرو کہتے ہیں کہ کل رات مجھے بھی اس محفل میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔

﴿لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ﴿۲۰۶﴾﴾ ''وہ اُس کی عبادت سے استکبار نہیں کرتے' اور اُس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں' اور اُس کے لیے سجدے کرتے رہتے ہیں۔''

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ، ونفعنى واياكم بالآيات والذكر الحكيم○○

---

(۱۴) رواه احمد ورزين ـ مشكاة المصابيح' كتاب الدعوات' باب الدعوات فى الاوقات' الفصل الثالث ـ عن عبدالله بن مسعود ﷺ۔

بیان القرآن

سُورَۃُ الْاَنْفَال

(۸)

سُورۃُ الاَنْفَال

تمہیدی کلمات

سورۃ الانفال مدنی سورت ہے اور اس کا سورۃ التوبہ (مدنی) کے ساتھ جوڑے کا تعلق ہے۔ زیر مطالعہ گروپ کی چاروں سورتوں میں پائے جانے والے معنوی ربط کو یوں سمجھنا چاہیے کہ پہلی دو مکی سورتوں (الانعام اور الاعراف) میں مشرکینِ عرب پر رسول اللہ ﷺ کی مسلسل دعوت کے ذریعے اتمامِ حجت کا بیان ہے اور بعد کی دو مدنی سورتوں (الانفال اور التوبہ) میں اس اتمامِ حجت کے جواب میں ان لوگوں پر عذاب کا تذکرہ ہے۔ موضوع کی اس مناسبت کی بنا پر یہ چاروں سورتیں دو دو کے دو جوڑوں کے ساتھ ایک گروپ بناتی ہیں۔

سورۃ الانفال غزوۂ بدر کے متصلاً بعد اور سورۂ آلِ عمران کے اکثر حصوں کے نزول سے پہلے نازل ہوئی۔ چنانچہ اس سورت کے مطالعے سے پہلے غزوۂ بدر کے پس منظر اور واقعات کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہے، بلکہ اس پس منظر کے مطالعہ سے بھی پہلے نبی اکرم ﷺ کی دعوتی و انقلابی تحریک کے منہج و مراحل کے حوالے سے غزوۂ بدر کی خصوصی اہمیت اور حیثیت کا تعین بھی ضروری ہے۔ چنانچہ جب ہم غزوۂ بدر کو قرآن کے فلسفۂ تذکیر بایام اللہ اور سورۃ الانفال کے خصوصی تناظر میں دیکھتے ہیں تو اس غزوہ کے مندرجہ ذیل دو پہلو بہت نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں:

(۱) مشرکینِ مکہ پر عذاب کا پہلا کوڑا: اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق رسولوں کا انکار کرنے والی اقوام پر اجتماعی طور پر عذابِ استیصال نازل ہوتا رہا ہے۔ اسی قانونِ قدرت کا اطلاق ہجرت کے بعد مشرکین مکہ پر بھی ہونے والا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے بارہ تیرہ برس تک مختلف انداز میں دعوت دے کر اپنی قوم پر اتمامِ حجت کر دیا تھا۔ اس کے بعد آپؐ کے لیے ہجرت کا حکم گویا ایک واضح اشارہ تھا کہ مشرکینِ مکہ اپنے مسلسل انکار کے باعث اب عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں، لیکن حکمتِ الٰہی کے پیش نظر قریش کا معاملہ اپنی نوعیت میں اس لحاظ سے منفرد رہا کہ ان پر عذاب یکبارگی ٹوٹ پڑنے کے بجائے بالاقساط نازل ہوا۔ لہٰذا اس عذاب کی قسط اوّل اُن پر بدر کے میدان میں نازل ہوئی۔ انہیں حرمِ مکہ سے نکال کر میدانِ بدر میں بالکل اسی طرح سے لایا گیا جیسے آلِ فرعون کو اُن کے محلات سے نکالا گیا تھا اور سمندر میں غرق کرنے کے لیے لایا گیا تھا۔

میدانِ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے، ستر افراد قیدی بنے اور متعدد زخمی ہوئے۔ یہ انجام ان جنگجوؤں کا ہوا جو فنِ حرب کی مہارت اور بہادری میں پورے عرب میں مشہور تھے، اپنے دور کے جدید ترین اسلحہ سے لیس اور تعداد میں اپنے حریف لشکر سے تین گنا تھے۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی بے سروسامانی کا عالم

یہ تھا کہ تین سو تیرہ میں سے صرف آٹھ افراد کے پاس تلواریں تھیں۔ان نہتے تین سو تیرہ مجاہدین کے ہاتھوں ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل مسلح لشکر کی یہ ذلت اور ہزیمت دراصل قریش مکہ کے لیے عذابِ الٰہی کی پہلی قسط تھی' جس کا ذکر سورۃ الانفال میں مرکزی مضمون کے طور پر ہوا ہے۔ (اس عذاب کا آخری مرحلہ سن ۹ ہجری میں آیا' جس کا ذکر سورۃ التوبہ میں آیا ہے۔)

(۲) غلبۂ دین کی جدوجہد کا حتمی اور ناگزیر مرحلہ (اقدام): غزوۂ بدر رسول اللہ ﷺ کی غلبۂ دین کی جدوجہد کے پانچویں اور آخری مرحلے یعنی حق و باطل کے درمیان ''باقاعدہ تصادم'' کا نقطۂ آغاز تھا۔اس مرحلے کو کامیابی سے سر کرنے کے بعد یہ تحریک بالآخر تاریخ انسانی کے عظیم ترین اور جامع ترین انقلاب پر منتج ہوئی۔ اس تحریک کے ابتدائی چار مراحل یعنی دعوت' تنظیم' تربیت اور صبر محض تو مکہ مکرمہ میں طے ہو گئے تھے۔اس سلسلے کے چوتھے مرحلے (صبرِ محض) کا تذکرہ سورۃ النساء کی آیت ۷۷ میں ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ کے الفاظ میں کیا گیا ہے کہ اپنے ہاتھ باندھ کر رکھو' یعنی تمہارے ٹکڑے بھی کر دیے جائیں تو بھی تمہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے' حتیٰ کہ مدافعانہ کارروائی کی بھی اجازت نہیں ہے۔

مذکورہ چار مراحل کو کامیابی سے طے کر لینے کے بعد نبی اکرم ﷺ کے پاس جاں نثاروں کی ایک مختصر مگر انتہائی مضبوط جماعت تیار ہو گئی تھی' جو سرد و گرم چشیدہ تھے' ہر طرح کی سختیاں جھیل چکے تھے' ہر قسم کی قربانیاں دے چکے تھے اور ان کے اخلاص مع اللہ میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی۔اس تربیت یافتہ' منظم اور مضبوط جماعت کی تیاری کے بعد اب باطل کو للکارنے کا وقت قریب آ چکا تھا۔لٰہذا مدینہ کی طرف ایک کھڑکی کھول کر دارالہجرت کا انتظام کر دیا گیا' تاکہ یہ ساری قوت ایک جگہ مجتمع ہو کر آخری مرحلے (اقدام) کے لیے تیاری کر سکے اور یہی وجہ تھی کہ یہ ہجرت تمام اہل ایمان پر فرض کر دی گئی تھی۔اس پس منظر میں اگر دیکھا جائے تو یہ ہجرت فرار (flight) نہیں تھی' جیسا کہ مغربی مؤرخین ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں' بلکہ ایک باقاعدہ سوچی سمجھی' طے شدہ حکمت عملی کا حصہ تھی' جس کے تحت اس تحریک کے ہیڈکوارٹرز کو متبادل base فراہم کرنے کے لیے مکہ سے مدینہ منتقل کیا گیا' تاکہ وہاں سے فیصلہ کن انداز میں اقدام کیا جا سکے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اس موضوع پر میری کتاب ''منہج انقلابِ نبوی ﷺ''۔)

یہاں پر ایک بہت اہم نکتہ وضاحت طلب ہے اور وہ یہ کہ اٹھارہویں صدی میں مغربی علوم و تہذیب کی شدید یلغار کے سامنے مسلمان ہر میدان میں پسپا ہوتے چلے گئے' اس ماحول میں جب مغرب کی طرف سے مسلمانوں پر یہ الزام لگایا گیا کہ ؏ ''بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے!'' یعنی یہ کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو اس کے جواب میں ہمارے کچھ بزرگوں کی طرف سے پورے خلوص کے ساتھ معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا گیا۔شاید یہ اس وقت کے حالات کی وجہ سے مجبوری بھی تھی۔یہ وہ زمانہ تھا جب برصغیر میں محکومی و غلامی کی حالت میں مسلمان خصوصی طور پر انگریزوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے۔ان حالات میں کچھ مسلمان رہنما ایک طرف اپنی قوم کے تحفظ کے بارے میں فکرمند تھے تو دوسری طرف وہ اسلام اور سیرت النبی ﷺ کا دفاع بھی کرنا چاہتے تھے۔چنانچہ اس الزام کے جواب میں یہ موقف اختیار کیا گیا کہ نبی اکرم ﷺ نے خود سے

کوئی ایسا جارحانہ اقدام نہیں کیا' بلکہ تمام جنگیں آپ ﷺ پر مسلط کی گئی تھیں اور آپ ﷺ نے تمام جنگیں اپنے دفاع میں لڑیں۔

ہندوستان میں ان خطوط پر سب سے زیادہ کام علامہ شبلی نعمانی ؒ نے کیا ہے۔ وہ سر سیّد احمد خان کے زیر اثر تھے اور یہ سب لوگ مل کر جدید مغربی افکار و خیالات' تہذیب و تمدن اور اقدار و نظریات کے طوفان کا خلوصِ نیت سے مقابلہ کر رہے تھے' جو بہر حال کوئی آسان کام نہیں تھا۔ لہٰذا اس سلسلے میں انہیں معذرت خواہانہ (apologetic) انداز اختیار کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ شبلیؒ نے ''سیرت النبی ﷺ'' تحریر کرتے ہوئے غزوۂ بدر سے پہلے کی آٹھ مہمات (جن میں چار غزوات اور چار سرایہ تھیں) کو تقریباً نظر انداز کر دیا ہے' تاکہ یہ ثابت نہ ہو کہ پہل کا اقدام (initiative) حضور اکرم ﷺ کی طرف سے ہوا تھا۔

مذکورہ مصلحت آمیز حکمت عملی ایک خاص دور کا تقاضا تھی' لیکن اب حالات مختلف ہیں۔ آج اسلام کا یہ فلسفہ پوری وضاحت کے ساتھ دنیا کے سامنے لانے کی ضرورت ہے کہ اسلام ایک مکمل دین ہے جو انسانی معاشرے میں عملی تنفیذ کے لیے اپنا غلبہ چاہتا ہے اور یہ کہ حضور ﷺ کی بعثت کا بنیادی مقصد ہی یہ تھا کہ دین اسلام کو دنیا میں عملی طور پر غالب کر دیا جائے۔ دین کو غالب کرنے کی انقلابی جدوجہد کی آج بھی ضرورت ہے۔ یہ جدوجہد جب بھی اور جہاں بھی شروع کی جائے گی اس کے لیے منظم انداز میں تیاری کی ضرورت ہوگی۔ تیاری کا یہ کٹھن سفر سیرتِ مطہرہ کی روشنی میں بتدریج مذکورہ چار مراحل (دعوت' تنظیم' تربیت اور صبر محض) میں اسی طرح طے کرنا ہوگا جس طرح خود نبی اکرم ﷺ نے طے فرمایا تھا۔ اگر یہ پہلے چار مراحل کامیابی سے طے کر لیے جائیں گے تو اس کے بعد اس جدّوجُہد کو آخری اور فیصلہ کن مرحلے میں داخل کرنا ہوگا۔ یعنی باطل کو للکار کر اس سے ٹکر لینا ہوگی۔ اس سب کچھ کی منطقی وجہ یہ ہے کہ حق اور باطل دو ایسی متضاد اور متحارب قوتیں ہیں جو متوازی انداز میں نہیں چل سکتیں۔ دونوں میں بقائے باہمی (co-existence) کے اصول پر کسی قسم کی کوئی مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے ایک قوت غالب ہوگی تو دوسری کو لازمی طور پر مغلوب ہونا پڑے گا۔ لہٰذا اگر حق اور اہلِ حق طاقتور ہیں تو وہ کسی قیمت پر باطل سے سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے حالات کی نزاکت کے تحت منکرینِ زکوٰۃ کے ساتھ رعایت کرنے کے مشورے کے جواب میں فرمایا تھا: اَیُبَدَّلُ الدِّیْنُ وَاَنَا حَیٌّ (کیا دین میں ترمیم کی جائے گی جبکہ میں ابھی زندہ ہوں!)۔ لہٰذا سورۃ الانفال کا مطالعہ کرتے ہوئے اس فلسفے کو پوری وضاحت کے ساتھ سمجھنا اور ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہے۔

غزوۂ بدر کا پس منظر: مدینہ تشریف لانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے شہر کے داخلی استحکام پر ترجیحی طور پر توجہ مرکوز فرمائی۔ اس سلسلے میں پہلے چھ ماہ میں آپ ﷺ نے تین انتہائی اہم امور سرانجام دیے۔ اوّلاً آپ ﷺ نے مسجد نبوی کی تعمیر مکمل کروائی' جس کی صورت میں آپ ﷺ کو ایک ایسا مرکز میسر آ گیا جو بیک وقت ایک گورنمنٹ سیکرٹیریٹ بھی تھا اور پارلیمنٹ ہاؤس بھی' جو دار العلوم اور خانقاہ بھی تھا اور ایک عبادت گاہ بھی۔ ثانیاً آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں مواخات کا رشتہ قائم کرادیا' جس سے نہ صرف مہاجرین کے معاشی و معاشرتی مسائل حل ہو گئے' بلکہ مدینہ میں ان دونوں فریقوں کے اتحاد سے ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا جس کے افراد باہمی

محبت اور اخلاص کے گہرے رشتہ میں منسلک تھے۔ اس سلسلے کا تیسرا اور اہم ترین کارنامہ میثاقِ مدینہ تھا۔ یعنی یہودی قبائل کے ساتھ مدینہ کے مشترکہ دفاع کا معاہدہ‘ جس کے تحت حملے کی صورت میں مدینہ کے یہودی قبائل مسلمانوں کے ساتھ مل کر شہر کا دفاع کرنے کے پابند ہو گئے۔

داخلی محاذ پر ان معاملات سے فارغ ہونے کے بعد ہجرت کے ساتویں ماہ سے نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کے اطراف و جوانب میں چھاپہ مار دستے بھیجنے شروع کر دیے۔ قریشِ مکّہ کی معیشت کا دارو مدار تجارت پر تھا اور مکہ سے یمن اور شام کی طرف اُن کے تجارتی قافلے سارا سال رواں دواں رہتے تھے۔ یہ دونوں تجارتی شاہراہیں قریش مکہ کی معیشت کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ آپ ﷺ نے اِن دونوں شاہراہوں پر اپنے فوجی دستوں کی نقل و حرکت سے قریش کو یہ باور کرا دیا کہ ان کی یہ معاشی شہ رگ اب ہماری زد میں ہے اور ہم جب چاہیں اسے منقطع کر سکتے ہیں۔ اپنی معیشت کے بارے میں ایسے خدشات کا تصور قریش کے لیے بہت ہی بھیانک تھا۔ غزوۂ بدر (۲ ہجری) سے پہلے‘ ڈیڑھ سال کے دوران میں ایسی آٹھ مہمات کا بھیجا جانا تاریخ سے ثابت ہے۔ ان میں سے چار مہمات میں رسول اللہ ﷺ کی بنفسِ نفیس شرکت بھی ثابت ہے۔ آپ ﷺ جن جن علاقوں میں تشریف لے گئے وہاں پر آباد قبائل کے ساتھ آپ ﷺ نے دوستی کے معاہدے کر لیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ کے اطراف و جوانب میں آباد اکثر قبائل جو پہلے قریش کے دوست تھے اب مسلمانوں کے حلیف بن گئے‘ جبکہ کچھ قبائل نے غیر جانبدار رہنے کے معاہدے کر لیے‘ اور یوں آپ ﷺ کی کامیاب حکمت عملی سے مدینہ کے مضافاتی علاقوں سے قریش کا دائرۂ اثر سکڑنے لگا۔ قریش کے لیے مکہ کی معاشی ناکہ بندی کا خدشہ ہی کچھ کم پریشان کن نہیں تھا کہ اب انہیں اس علاقے سے اپنے سیاسی اثر و رسوخ کی بساط بھی لپٹتی ہوئی دکھائی دینے لگی‘ چنانچہ ”تنگ آمد بجنگ آمد“ کے مصداق وہ مدینہ پر ایک فیصلہ کن حملہ کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے منصوبہ بندی کرنے لگے۔ اسی دوران میں دو ایسے واقعات ہوئے جن کی وجہ سے حالات تیزی سے خراب ہو کر غزوۂ بدر پر منتج ہوئے۔

پہلا واقعہ یوں ہوا کہ حضور ﷺ نے ایک چھوٹا سا دستہ نخلہ کے مقام پر بھیجا تھا جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ اس دستے میں شامل لوگوں کو یہ مشن سونپا گیا تھا کہ وہ اس علاقے میں موجود رہیں اور قریش کی نقل و حرکت کے بارے میں مطلع کرتے رہیں۔ اتفاق سے اس دستے کی مڈبھیڑ قریش کے ایک تجارتی قافلے سے ہو گئی۔ مقابلے میں ایک مشرک شخص عبداللہ بن حضرمی مارا گیا جبکہ ایک دوسرے مشرک کو قید کر لیا گیا۔ مالِ غنیمت اور قیدی کے ساتھ یہ لوگ جب مدینہ پہنچے تو نبی اکرم ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا‘ کیونکہ ایسا کرنے کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا‘ لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ یہ گویا مسلمانوں کی طرف سے قریش کے خلاف پہلا باقاعدہ مسلح اقدام تھا جس میں ان کا ایک شخص بھی قتل ہوا۔ لہٰذا اس واقعہ سے ماحول کی کشیدگی میں مزید اضافہ ہو گیا۔

دوسرا واقعہ ابوسفیان کے قافلے سے متعلق ہوا۔ یہ ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ تھا جو مکہ سے شام کی طرف جا رہا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کا تعاقب کیا‘ مگر وہ لوگ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ جب یہ قافلہ پچاس ہزار دینار کی مالیت کے ساز و سامان کے ساتھ شام سے واپس آ رہا تھا تو ممکنہ خطرے کے پیشِ نظر ابوسفیان نے قافلے کی حفاظت کے لیے دوہری حکمت عملی اختیار کی۔ انہوں نے ایک طرف تو ایک تیز رفتار سوار کو اپنے تحفظ کی خاطر

مدد حاصل کرنے کے لیے مکہ روانہ کر دیا اور دوسری طرف معمول کا راستہ جو بدر کے قریب سے ہو کر گزرتا تھا' اس کو چھوڑ کر قافلے کو مدینہ سے دور ساحل سمندر کے راستے پر ڈال دیا۔ راستہ بدلنے سے قافلہ تو ممکنہ خطرے سے بچ گیا مگر مدد حاصل کرنے کے لیے روانہ ہونے والے ایلچی کو واپس بلانا ممکن نہ تھا۔ بہرحال اتفاق سے مکہ میں یہ دونوں اشتعال انگیز خبریں یکے بعد دیگرے پہنچیں۔ ایک طرف نخلہ سے جان بچا کر بھاگنے والے افراد روتے پیٹتے عبداللہ بن حضرمی کے قتل کی خبر لے کر پہنچ گئے اور دوسری طرف ابوسفیان کا ایلچی بھی دہائی دیتے ہوئے آ پہنچا کہ بھاگو! دوڑو! کچھ کر سکتے ہو تو کرو' تمہارا قافلہ مسلمانوں کے ہاتھوں لٹنے والا ہے۔ ان خبروں سے مکہ میں تو گویا آگ بھڑک اٹھی۔ چنانچہ فوری طور پر ایک ہزار کا لشکر تیار کیا گیا جس کے لیے ایک سو گھوڑوں پر مشتمل رسالہ اور نو سو اونٹ مہیا کیے گئے' وافر مقدار میں سامانِ رسد اور اسلحہ وغیرہ بھی فراہم کیا گیا۔

مشاورت کے بارے میں غلط فہمی کی وضاحت: غزوۂ بدر سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جس مشاورت کا ذکر قرآن حکیم اور تاریخ میں ملتا ہے اس کے بارے میں اکثر لوگ مغالطے کا شکار ہوئے ہیں۔ اس غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے دو مواقع اور دو مقامات پر الگ الگ مشاورت کا انعقاد فرمایا تھا مگر اسے اکثر و بیشتر لوگوں نے ایک ہی مشاورت سمجھا ہے۔

پہلی مجلس مشاورت مدینہ میں ہوئی اور اس کا مقصد یہ فیصلہ کرنا تھا کہ ابوسفیان کے قافلے کو شام سے واپسی پر روکنا چاہیے یا نہیں؟ اور جب مشورہ کے بعد اس سلسلے میں اقدام کرنا طے پایا تو حضور ﷺ کچھ صحابہؓ کو لے کر اس مقصد کے لیے مدینہ سے روانہ ہو گئے۔ چونکہ اُس وقت تک جنگ کے بارے میں کوئی گمان تک نہیں تھا اس لیے اس مہم کے لیے کوئی خاص تیاری نہیں کی گئی تھی۔ جس کے ہاتھ میں جو آیا وہ لے کر چل پڑا۔ چنانچہ دو گھوڑوں' آٹھ تلواروں اور کچھ چھوٹے موٹے ہتھیاروں کے ساتھ چند صحابہؓ کی معیت میں جب آپ ﷺ مقامِ صفراء پر پہنچ گئے تو آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ ابوجہل ایک ہزار کا لشکر لے کر مکہ سے چل پڑا ہے۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی آ گئی کہ جنوب (مکہ) کی طرف سے ایک بڑا لشکر آ رہا ہے جو کیل کانٹے سے لیس ہے جبکہ شمال کی جانب سے قافلہ آ رہا ہے' اور میرا یہ وعدہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک پر آپ (ﷺ) کو ضرور فتح حاصل ہو گی۔ لہٰذا اہل ایمان کو اس بارے میں خوشخبری بھی دیں اور ان سے مشورہ بھی کریں۔ چنانچہ اس وحی کے بعد مقامِ صفراء پر آپ ﷺ نے یہ فیصلہ کرنے کے لیے دوسری مشاورت کا انعقاد فرمایا کہ پہلے لشکر کے مقابلے کے لیے جایا جائے یا قافلے کو روکنے کے لیے اقدام کیا جائے؟ چنانچہ جن محققین اور مفسرین سے اس پس منظر کی تحقیق میں کوتاہی ہوئی ہے' انہوں نے مشاورت کے دو واقعات کو ایک ہی واقعہ سمجھا ہے' نتیجتاً انہیں اس سورت کی متعلقہ آیات کو سمجھنے اور ان کا ترجمہ و تشریح کرنے میں بہت خلجان رہا ہے۔

سورت کے اسلوب کا ایک خاص انداز: یہ سورت دس رکوعات پر مشتمل ایک مکمل خطبہ ہے' لیکن اس میں سے مال غنیمت کی تقسیم کے مسئلے کو درمیان سے نکال کر آغاز میں لایا گیا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیلات سورت کے اندر اپنی جگہ پر ہی بیان ہوئی ہیں' لیکن اس موضوع کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر سورت کا آغاز غیر معمولی انداز میں اس کے ذکر سے کیا گیا ہے۔ یہاں مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ اس لیے زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آیا کہ غزوۂ

بدر جزیرہ نمائے عرب میں اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ تھا۔ اس سے پہلے عرب میں کہیں بھی کسی باقاعدہ فوج اور اس کے ڈسپلن کی کوئی مثال موجود نہیں تھی۔ چنانچہ عسکری نظم و ضبط اور جنگی معاملات کے بارے میں کوئی ضابطہ اور قانون بھی پہلے سے موجود نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس غزوہ میں فتح کے بعد میدانِ جنگ سے جو چیز جس کے ہاتھ لگ گئی اُس نے سمجھا کہ بس اب یہ اُس کی ہے۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے بہت سنجیدہ نوعیت کے مسائل پیدا ہو گئے۔ بعض لوگوں نے تو بھاگ دوڑ کر کے بہت زیادہ مال جمع کر لیا' جبکہ مختلف وجوہات کی بنا پر کچھ لوگوں کے ہاتھ کچھ بھی نہ لگا۔ کچھ لوگ اپنی بزرگانہ حیثیت اور وضع داری کی بنا پر بھاگ دوڑ کر مال اکٹھا نہیں کر سکتے تھے۔ کچھ لوگ اہم مقامات پر پہرہ دے رہے تھے' جبکہ بعض صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مامور تھے۔ مالِ غنیمت میں سے ایسے تمام لوگوں کے ہاتھ کچھ بھی نہ آیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس ضمن میں اختلافات بھی پیدا ہوئے۔ چنانچہ سورت کی پہلی آیت میں ہی جتلا دیا گیا کہ اللہ کے ہاں اس معاملے کا خاص نوٹس لیا گیا ہے اور پھر بات بھی اس طرح سے کی گئی کہ مسئلے کی جڑ ہی کاٹ کر رکھ دی گئی۔ بالکل دوٹوک انداز میں بتا دیا گیا کہ مالِ غنیمت صرف اور صرف اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا ہے' کسی اور کا اس پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں۔ سورۃ الانفال کا یہ اسلوب اگر اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیا جائے تو اس سے ہمیں سورۃ التوبہ کے مضامین کی ترتیب کو سمجھنے میں بھی مدد ملے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۝

آیات ۱ تا ۸

یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ
بَیۡنِکُمۡ ۪ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۝۱ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُکِرَ
اللّٰہُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ وَ اِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُہٗ زَادَتۡہُمۡ اِیۡمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّہِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ۝۲ۚۖ
الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۝۳ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَہُمۡ
دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَ مَغۡفِرَۃٌ وَّ رِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ۝۴ۚ کَمَاۤ اَخۡرَجَکَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَیۡتِکَ بِالۡحَقِّ ۪
وَ اِنَّ فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لَکٰرِہُوۡنَ ۝۵ۙ یُجَادِلُوۡنَکَ فِی الۡحَقِّ بَعۡدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوۡنَ
اِلَی الۡمَوۡتِ وَ ہُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ ۝۶ؕ وَ اِذۡ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحۡدَی الطَّآئِفَتَیۡنِ اَنَّہَا لَکُمۡ وَ تَوَدُّوۡنَ
اَنَّ غَیۡرَ ذَاتِ الشَّوۡکَۃِ تَکُوۡنُ لَکُمۡ وَ یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّحِقَّ الۡحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَ یَقۡطَعَ دَابِرَ
الۡکٰفِرِیۡنَ ۝۷ۙ لِیُحِقَّ الۡحَقَّ وَ یُبۡطِلَ الۡبَاطِلَ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۝۸ۚ

آیت ۱ ﴿یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ ؕ قُلِ الۡاَنۡفَالُ لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے اموالِ غنیمت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں' آپ کہیے کہ اموالِ غنیمت کُل کے کُل اللہ اور رسولؐ

کے ہیں۔''

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ‌ ۖ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ①﴾ ''پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' اور اپنے آپس کے معاملات درست کرو' اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اگر تم مؤمن ہو۔''

یہاں مالِ غنیمت کے لیے لفظ ''اَنفال'' استعمال کیا گیا ہے۔ اَنفال جمع ہے نَفل کی اور نفل کے معنی ہیں اضافی شے۔ مثلاً نمازِ نفل' جسے ادا کر لیں تو باعث ثواب ہے اور اگر ادا نہ کریں تو مواخذہ نہیں۔ اسی طرح جنگ میں اصل مطلوب شے تو فتح ہے جب کہ مالِ غنیمت ایک اضافی انعام ہے۔

جیسا کہ تمہیدی گفتگو میں بتایا جا چکا ہے' غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ بہت سنجیدہ صورت اختیار کر گیا تھا۔ چنانچہ آیت زیر نظر میں ایک مختصر' قطعی اور دوٹوک حکم کے ذریعے سے اس مسئلہ کی جڑ کاٹ دی گئی ہے اور بہت واضح انداز میں بتا دیا گیا ہے کہ ''انفال'' کُل کے کُل اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی ملکیت ہیں۔ اس لیے کہ یہ فتح تمہیں اللہ کی خصوصی مدد اور اللہ کے رسولؐ کے ذریعے سے نصیب ہوئی ہے۔ لہٰذا انفال کے حق دار بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی ہیں۔ اس قانون کے تحت یہ تمام غنیمتیں اسلامی ریاست کی ملکیت قرار پائیں اور تمام مجاہدین کو حکم دے دیا گیا کہ انفرادی طور جو چیز جس کسی کے پاس ہے وہ اسے لا کر بیت المال میں جمع کرا دے۔ اس طریقے سے سب لوگوں کو zero level پر کھڑا کر دیا گیا اور یوں یہ مسئلہ احسن طور پر حل ہو گیا۔ اس کے بعد جس کو جو دیا گیا اُس نے وہ بخوشی قبول کر لیا۔

اگلی آیات اس لحاظ سے بہت اہم ہیں کہ ان میں بندۂ مومن کی شخصیت کے کچھ خدوخال بیان ہوئے ہیں۔ مگر ان خدوخال کے بارے میں جاننے سے پہلے یہ نکتہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ ''مؤمن'' اور ''مسلمان'' دو مترادف الفاظ یا اصطلاحات نہیں ہیں۔ قرآن ان دونوں میں واضح فرق کرتا ہے۔ یہ فرق سورۃ الحجرات کی آیت ۱۴ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا‌ ؕ قُلْ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰـكِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَلَمَّا يَدۡخُلِ الۡاِيۡمَانُ فِىۡ قُلُوۡبِكُمۡ‌ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) یہ بدو لوگ کہہ رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں' ان سے کہہ دیجیے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو' بلکہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں جبکہ ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے''۔ اسلام اور ایمان کا یہ فرق اچھی طرح سمجھنے کے لیے ''ارکانِ اسلام'' کی تفصیل ذہن میں تازہ کر لیجیے جو قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا کا مرحلۂ اولیٰ طے کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((بُنِیَ الۡاِسۡلَامُ عَلٰی خَمۡسٍ : شَهَادَةِ اَنۡ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلَاةِ وَاِيۡتَاءِ الزَّكَاةِ وَحَجِّ الۡبَيۡتِ وَصَوۡمِ رَمَضَانَ)) (۱)

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب بنی الاسلام علی خمس۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان ارکان الاسلام ودعائمہ العظام۔ واللفظ للمسلم۔

”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اُس کے بندے اور رسول ہیں‘ نماز قائم کرنا‘ زکوٰۃ ادا کرنا‘ بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔“

اس حدیث میں پانچ ارکانِ اسلام کا ذکر ہوا ہے‘ جن سے ہر مسلمان واقف ہے۔ مگر جب ایمان کی بات ہو گی تو ان پانچ ارکان کے ساتھ دو مزید ارکان کا اضافہ کرنا ہو گا۔ اور یہ دو ارکان ہیں ”دل کا یقین“ اور ”جہاد فی سبیل اللہ“۔ ان میں سے پہلے رکن کا تعلق نظریے سے ہے‘ جبکہ دوسرے کا تعلق عمل سے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو سورۃ الحجرات کی اگلی آیت میں بندۂ مؤمن کی شخصیت کا یہ نقشہ: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ط اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾﴾ ”مؤمن تو بس وہ ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور اُس کے رسول پر‘ پھر ان کے دلوں میں شک باقی نہ رہے اور وہ جہاد کریں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ صرف وہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں“۔ یعنی کلمہ شہادت پڑھنے کے بعد انسان قانونی طور پر مسلمان ہو جاتا ہے اور تمام ارکانِ اسلام اس کے لیے لازمی قرار پاتے ہیں۔ مگر حقیقی مؤمن وہ تب بنے گا جب اُس کے دل کو گہرے یقین ﴿ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا﴾ والا ایمان نصیب ہو گا اور عملی طور پر وہ جہاد میں بھی حصہ لے گا۔

بندۂ مؤمن کی اسی تعریف (definition) کی روشنی میں اہلِ ایمان کی کیفیت یہاں سورۃ الانفال میں دو حصوں میں الگ الگ بیان ہوئی ہے۔ وہ اس طرح کہ حقیقی ایمان والے حصے کی کیفیت کو آیت ۲ اور ۳ میں بیان کیا گیا ہے‘ جبکہ اس کے دوسرے (جہاد والے) حصے کی کیفیات کا ذکر سورت کی آخری آیت سے پہلے والی آیت میں آیا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک پرکار (compass) کو کھول کر اُس کی ایک نوک کو سورت کے آغاز پر (پہلی آیت چھوڑ کر) جبکہ دوسری نوک کو سورت کے آخر پر (آخری آیت چھوڑ کر) رکھ دیا گیا ہو۔ اس وضاحت کے بعد اب ملاحظہ ہو بندۂ مؤمن کی تعریف (definition) کا پہلا حصہ:

آیت ۲ ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ﴿۲﴾﴾ ”حقیقی مؤمن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب انہیں اُس کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے‘ اور وہ اپنے رب ہی پر توکّل کرتے ہیں۔“

آیت ۳ ﴿الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾﴾ ”جو نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“

اس سے انفاق فی سبیل اللہ مراد ہے۔ یعنی وہ لوگ اللہ کے دین کے لیے خرچ کرتے ہیں۔

آیت ۴ ﴿اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط﴾ ”یہی لوگ ہیں جو حقیقی مؤمن ہیں۔“

یہاں پر ایک مؤمن کی تعریف (definition) کا پہلا حصہ بیان ہوا ہے‘ جب کہ اس کا دوسرا اور تکمیلی حصہ اس سورت کی آیت ۷۴ میں بیان ہو گا‘ یعنی آخری سے پہلی (second last) آیت میں۔ اُس آیت

میں یہی الفاظ ﴿اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا﴾ ایک دفعہ پھر آئیں گے۔ ایمان کے ان حقائق کو تقسیم کر کے سورت کے آغاز اور اختتام پر اس طرح رکھا گیا ہے جیسے ساری سورت اس مضمون کی گود میں آ گئی ہو۔

﴿لَھُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ وَمَغۡفِرَۃٌ وَّرِزۡقٌ کَرِیۡمٌ ﴿۴﴾﴾ ''اُن کے لیے ان کے ربّ کے پاس (اونچے) درجات اور مغفرت اور عزت والا رزق ہے۔''

یہاں سے اب غزوۂ بدر کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔

آیت ۵ ﴿کَمَاۤ اَخۡرَجَکَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَیۡتِکَ بِالۡحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لَکٰرِھُوۡنَ ﴿۵﴾﴾ ''جیسے کہ نکالا آپ کو (اے نبی ﷺ) آپ کے رب نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ' اور یقیناً اہلِ ایمان میں سے کچھ لوگ اسے پسند نہیں کر رہے تھے۔''

یہ اُس پہلی مشاورت کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے مدینہ ہی میں فرمائی تھی۔ قریش کے ساتھ مسلح تصادم کے کسی امکان کو ناپسند کرنے والے دو قسم کے لوگ تھے۔ ایک تو منافقین تھے جو کسی قسم کی آزمائش میں پڑنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ اپنے منصوبے کے تحت اس طرح کی کسی مہم جوئی کی روایت کو ''Nip the evil in the bud'' کے مصداق ابتدا ہی میں ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے ان کے دلائل بظاہر بڑے بھلے تھے کہ لڑائی جھگڑا اچھی بات نہیں ہے' ہمیں تو اچھی باتوں اور اچھے اخلاق سے دین کی تبلیغ کرنی چاہیے' اور لڑنے بھڑنے سے بچنا چاہیے' وغیرہ وغیرہ۔ دوسری طرف کچھ نیک سرشت سچے مؤمن بھی ایسے تھے جو اپنے خاص مزاج اور سادہ لوحی کے سبب یہ رائے رکھتے تھے کہ ابھی تک قریش کی طرف سے تو کسی قسم کا کوئی اقدام نہیں ہوا' لہٰذا ہمیں آگے بڑھ کر پہل نہیں کرنی چاہیے۔ زیرِ نظر آیت میں دوٹوک الفاظ میں واضح کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کا بدر کی طرف روانہ ہونا اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ایک حصہ تھا۔

آیت ۶ ﴿یُجَادِلُوۡنَکَ فِی الۡحَقِّ بَعۡدَ مَا تَبَیَّنَ﴾ ''وہ لوگ آپؐ سے جھگڑ رہے تھے حق کے بارے میں' اس کے بعد کہ بات (ان پر) بالکل واضح ہو چکی تھی''

یہ آیت میرے نزدیک دوسری مشاورت کے بارے میں ہے جو مقامِ صفراء پر منعقد ہوئی تھی۔ نبی اکرم ﷺ مدینہ سے قریش کے تجارتی قافلے کا پیچھا کرنے کے ارادے سے نکلے تھے' اور یہ بظاہر اسی طرح کی ایک مہم تھی جس طرح کی آٹھ مہمات اس علاقے میں پہلے بھی بھیجی جا چکی تھیں۔ اُس وقت تک لشکرِ قریش کے بارے میں نہ کوئی اطلاع تھی اور نہ ہی ایسا کوئی گمان تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ مدینہ سے نکل کر صفراء کے مقام پر پہنچے تو آپؐ کو اپنے ذرائع سے بھی لشکرِ قریش کی مکہ سے روانگی کی اطلاع مل گئی اور اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے بھی آپ ﷺ کو اس بارے میں مطلع فرما دیا۔ چنانچہ جس طرح حضرت طالوت نے راستے میں اپنے لشکر کی آزمائش کی تھی کہ دریا کو عبور کرتے ہوئے جو شخص سیر ہو کر پانی پیے گا اُس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں رہے گا اور اس طرح مخلص ساتھیوں کا خلوص ظاہر ہو گیا' اسی طرح آپ ﷺ نے بھی اللہ کے حکم سے سارا معاملہ مسلمانوں کے سامنے مشاورت کے لیے رکھ دیا اور ان کو واضح طور پر بتا دیا کہ مکہ سے ابوجہل ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل ایک

لشکرِ جرار لے کر روانہ ہو چکا ہے۔

﴿ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۞ ﴾ ’’(وہ لوگ ایسے محسوس کر رہے تھے) جیسے انہیں موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہو اور وہ اسے دیکھ رہے ہوں۔‘‘

ظاہر بات ہے یہ کیفیت تو پکے منافقین ہی کی ہو سکتی تھی۔

آیت ۷ ﴿ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ ﴾ ’’اور یاد کرو جبکہ اللہ وعدہ کر رہا تھا تم لوگوں سے کہ ان دونوں گروہوں میں سے ایک تمہیں مل جائے گا‘‘

لشکر یا قافلے میں سے کسی ایک پر مسلمانوں کی فتح کی ضمانت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دے دی گئی تھی۔

﴿ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ ﴾ ’’اور (اے مسلمانو!) تم یہ چاہتے تھے کہ جو بغیر کانٹے کے ہے وہ تمہارے ہاتھ آئے‘‘

تم لوگوں کی خواہش تھی کہ لشکر اور قافلے میں سے کسی ایک کے مغلوب ہونے کی ضمانت ہے تو پھر غیر مسلح گروہ یعنی قافلے ہی کی طرف جایا جائے‘ کیونکہ اس میں کوئی خطرہ اور خدشہ (risk) نہیں تھا۔ قافلے کے ساتھ بمشکل پچاس یا سو آدمی تھے‘ جبکہ اس میں پچاس ہزار دینار کی مالیت کا ساز و سامان بھی تھا۔ لہٰذا اس قافلے پر بڑی آسانی سے قابو پایا جا سکتا تھا۔ اس رائے کے حامل لوگوں کی دلیل یہ تھی کہ ہمارے پاس تو ہتھیار بھی نہیں ہیں اور سامانِ رسد وغیرہ بھی ناکافی ہے‘ ہم مدینے سے پوری تیاری کر کے نہیں آئے۔ لہٰذا یہ بہتر ہوگا کہ پہلے قافلے کی طرف جائیں‘ اس طرح ہمیں ساز و سامان بھی مل جائے گا‘ اہل قافلہ کے ہتھیار بھی ہمارے قبضے میں آ جائیں گے اور اس کے بعد لشکر کا مقابلہ ہم بہتر انداز میں کر سکیں گے۔ تو گویا عقل و منطق کے اعتبار سے بھی یہ رائے بظاہر بہت معقول تھی۔

﴿ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۞ ﴾ ’’اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے فیصلے کے ذریعے سے حق کا حق ہونا ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔‘‘

یہ وہی بات ہے جو ہم سورۃ الانعام (آیت ۴۵) میں پڑھ آئے ہیں: ﴿ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ ﴾ کہ ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی۔ یعنی اللہ کا ارادہ کچھ اور تھا۔ دراصل یہ سب کچھ دنیا کے عام قواعد و ضوابط (physical laws) کے مطابق نہیں ہونے جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس دن کو ’’یوم الفرقان‘‘ بنانا چاہتا تھا۔ وہ تین سو تیرہ نہتے افراد کے ہاتھوں کیل کانٹے سے پوری طرح مسلح ایک ہزار جنگجوؤں کے لشکر کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کر کے دکھانا چاہتا تھا کہ اللہ کی تائید و نصرت کس کے ساتھ ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ کافروں کی جڑ کاٹ کر رکھ دے۔

آیت ۸ ﴿ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۞ ﴾ ’’تاکہ سچا ثابت کر دے حق کو اور جھوٹا ثابت کر دے باطل کو‘ خواہ یہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔‘‘

آیات ۹ تا ۱۹

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ وَمَا
جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ع ۱۰ ۱۵
لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ
الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي
قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾
ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكٰفِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا لَقِيتُمُ
الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿١٥﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ إِلَّا مُتَحَرِّفًا
لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَأْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ
الْمَصِيرُ ﴿١٦﴾ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ
وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٧﴾ ذٰلِكُمْ وَأَنَّ اللّٰهَ مُوهِنُ
كَيْدِ الْكٰفِرِينَ ﴿١٨﴾ إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَإِنْ
تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾ ع ۲ ۹ ۱۶

آیت ۹ ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾﴾

''یاد کرو جبکہ تم لوگ اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے' تو اُس نے تمہاری دُعا قبول کی تھی' کہ میں تمہاری مدد کروں گا ایک ہزار ملائکہ کے ساتھ جو پے در پے آئیں گے۔''

قریش کے ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل لشکر کے مقابلے میں تمہاری مدد کے لیے ایک ہزار فرشتے آسمانوں سے قطار در قطار اتریں گے۔

آیت ۱۰ ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوبُكُمْ ۚ﴾ ''اور اللہ نے اس کو نہیں بنایا مگر (تمہارے لیے) بشارت' اور تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔''

﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾﴾ ''اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست' حکمت والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ تو ''کُنْ فَیَکُوْن'' کی شان کے ساتھ جو چاہے کر دے۔ وہ فرشتوں کو بھیجے بغیر بھی تمہاری مدد کر

سکتا تھا، لیکن انسانی ذہن چونکہ سوچنے کا اپنا ایک انداز رکھتا ہے، اس لیے اُس نے تمہارے دلوں کی تسکین اور تسلی کے لیے نہ صرف ایک ہزار فرشتے بھیجنے کا فیصلہ کیا بلکہ تمہیں ان کی آمد کی پیشگی اطلاع بھی دے دی کہ خاطر جمع رکھو، ہم تمہاری مدد کے لیے فرشتے بھیج رہے ہیں۔ واضح رہے کہ اللہ کے وعدے کے مطابق میدانِ بدر میں فرشتے اترے ضرور ہیں لیکن انہوں نے عملی طور پر لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔ لڑائی عملی طور پر کفار کے ایک ہزار اور مسلمانوں کے تین سو تیرہ افراد کے درمیان ہی ہوئی اور قوتِ ایمانی سے سرشار مسلمان اس بے جگری اور بے خوفی سے لڑے کہ اپنے سے تین گنا بڑے لشکر پر غالب آ گئے۔

آیت ۱۱ ﴿اِذۡ یُغَشِّیۡکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنۡہُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَہِّرَکُمۡ بِہٖ﴾ ''یاد کرو جبکہ اللہ تمہاری تسکین کے لیے تم پر نیند طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس سے تمہیں پاک کرے''

بدر کی رات تمام مسلمان بہت پُرسکون نیند سوئے اور اسی رات بہت غیر معمولی انداز میں بارش بھی ہوئی۔ مسلمانوں کی یہ پُرسکون نیند اور بارش کا نزول گویا دو معجزے تھے، جن کا ظہور مسلمانوں کی خاص مدد کے لیے عمل میں آیا۔ یہ معجزات اس انداز میں ظہور پذیر نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے باقاعدہ ان کے بارے میں اعلان فرمایا ہو، یا یہ کہ یہ بالکل خرقِ عادت واقعات ہوں، بلکہ یہ معجزات اس انداز میں تھے کہ اس وقت ان دونوں واقعات سے مسلمانوں کو غیر معمولی طور پر مدد ملی، اور اس لیے بھی کہ ایسی چیزیں محض اتفاقات سے ظہور پذیر نہیں ہوتیں۔ اگر دُنیوی اعتبار سے دیکھا جائے تو بدر کا معرکہ مسلمانوں کے لیے بہت سخت مرحلہ تھا۔ چنانچہ فطری طور پر اس رات مسلمان لشکر میں ہر شخص کے لیے بظاہر فکر مندی، تشویش اور اندیشہ ہائے دور دراز کی انتہا ہونی چاہیے تھی، کہ کل جو کچھ ہونے جا رہا ہے اس میں مَیں زندہ بھی بچ پاؤں گا یا نہیں؟ مگر عملی طور پر معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوا۔ مسلمان رات کو آرام و سکون کی نیند سوئے اور صبح بالکل تازہ دم اور چاق و چوبند ہو کر اٹھے۔ اسی طرح اس رات جو بارش ہوئی وہ بھی مسلمانوں کے لیے اللہ کی تائید و نصرت ثابت ہوئی۔ اس بارش سے دوسرے فوائد کے علاوہ مسلمانوں کو ایک یہ سہولت بھی میسر آ گئی کہ جن لوگوں کو غسل کی حاجت تھی انہیں غسل کے لیے پانی میسر آ گیا۔

﴿وَ یُذۡہِبَ عَنۡکُمۡ رِجۡزَ الشَّیۡطٰنِ وَ لِیَرۡبِطَ عَلٰی قُلُوۡبِکُمۡ وَ یُثَبِّتَ بِہِ الۡاَقۡدَامَ ﴿ؕ۱۱﴾﴾ ''اور تاکہ دُور کر دے تم سے شیطان کی (ڈالی ہوئی) نجاست کو اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے پاؤں جما دے۔''

اس بارش میں مسلمانوں کے لیے اطمینانِ قلوب کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ انہیں خشک صحرا کے اندر پانی کا وافر ذخیرہ مل گیا۔ واضح رہے کہ اس علاقے میں پانی کا ایک ہی تالاب تھا جس پر لشکر قریش پہلے ہی قبضہ کر چکا تھا۔ بارش ہوئی تو نشیب کی بنا پر سارا پانی مسلمانوں کی طرف جمع ہو گیا، جسے انہوں نے بند وغیرہ باندھ کر ذخیرہ کر لیا۔ بارش کی وجہ سے مٹی دب گئی، ریت فرش کی طرح سخت ہو گئی اور چلنے پھرنے میں سہولت ہو گئی۔

آیت ۱۲ ﴿اِذۡ یُوۡحِیۡ رَبُّکَ اِلَی الۡمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیۡ مَعَکُمۡ فَثَبِّتُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ؕ﴾ ''یاد کریں جب آپؐ کا

ربّ وحی کر رہا تھا فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں‘ تو تم (جاؤ اور) اہلِ ایمان کو ثابت قدم رکھو!‘‘

قبل ازیں آیت ۹ میں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر آ چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے شانہ بشانہ رہنے کا حکم دے رکھا تھا۔

﴿سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾﴾ ’’میں ابھی ان کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں‘ پس مارو ان کی گردنوں کے اوپر اور مارو ان کی ایک ایک پور پر۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے کفار کو بھرپور مقابلے کے دوران دہشت زدہ کر دیا تھا۔ اور جب کوئی شخص اپنے حریف کے مقابلے میں دہشت زدہ ہو جائے تو اس کے اندر قوتِ مدافعت نہیں رہتی۔ پھر وہ گویا حملہ آور کے رحم و کرم پر ہوتا ہے‘ وہ اس کے ساتھ جیسا چاہے سلوک کرے۔

آیت ۱۳ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾﴾ ’’اور یہ (سزا ان کی) اس لیے ہے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ اور اس کے رسولؐ کی‘ اور جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ دشمنی کرے تو اللہ بھی سزا دینے میں بہت سخت ہے۔‘‘

اب اگلی آیت میں قریش سے براہِ راست خطاب ہے۔

آیت ۱۴ ﴿ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ﴾ ’’(لو) یہ تو چکھو‘‘

ابھی ہماری طرف سے سزا کی پہلی قسط وصول کرو۔

﴿وَاَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾﴾ ’’اور یہ (بھی تمہیں معلوم رہے) کہ کافروں کے لیے جہنم کا عذاب بھی ہے۔‘‘

یعنی یہ مت سمجھنا کہ تمہاری سزا بس یہی تھی‘ نہیں‘ بلکہ تمہاری اصل سزا تو جہنم ہے۔ لہٰذا اس کے لیے بھی تیار رہو۔

آیت ۱۵ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا﴾ ’’اے اہلِ ایمان‘ جب تمہارا مقابلہ ہو جائے کافروں سے میدانِ جنگ میں‘‘

’’زحف‘‘ میں باقاعدہ دو لشکروں کے ایک دوسرے کے مدِمقابل آ کر لڑنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ غزوۂ بدر سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے علاقے میں آٹھ مہمات (expeditions) بھیجی گئی تھیں‘ مگر ان میں سے کوئی مہم بھی باقاعدہ جنگ کی شکل میں نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ انہیں چھاپہ مار مہمات کہا جا سکتا ہے‘ لیکن بدر میں مسلمانوں کی کفار کے ساتھ پہلی مرتبہ دوبدو جنگ ہوئی۔ چنانچہ ایسی صورتِ حال کے لیے ہدایات دی جا رہی ہیں کہ جب میدان میں باقاعدہ جنگ کے لیے تم لوگ کفار کے مقابل آ جاؤ:

﴿فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾﴾ ’’تو تم اُن سے پیٹھ مت پھیرنا۔‘‘

مطلب یہ ہے کہ ڈٹے رہو‘ مقابلہ کرو۔ جان چلی جائے لیکن قدم پیچھے نہ ہٹیں۔

آیت ۱۶ ﴿وَمَنۡ یُّوَلِّہِمۡ یَوۡمَئِذٍ دُبُرَہٗۤ﴾ ”اور جو کوئی بھی اُن سے اُس دن اپنی پیٹھ پھیرے گا“

یعنی اگر کوئی مسلمان میدانِ جنگ سے جان بچانے کے لیے بھاگے گا۔

﴿اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ﴾ ”سوائے اس کے کہ وہ کوئی داؤ لگا رہا ہو جنگ کے لیے“

جیسے دو آدمی دو بدو مقابلہ کر رہے ہوں اور لڑتے لڑتے کوئی دائیں‘ بائیں یا پیچھے کو ہٹے‘ بہتر داؤ کے لیے پینترا بدلے تو یہ پیٹھ پھیرنا نہیں ہے‘ بلکہ یہ تو ایک تدبیری چال (tactical move) شمار ہوگی۔ اسی طرح جنگی حکمتِ عملی کے تحت کمانڈر کے حکم سے کوئی دستہ کسی جگہ سے پیچھے ہٹ جائے اور کوئی دوسرا دستہ اُس کی جگہ لے لے تو یہ بھی پسپائی کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

﴿اَوۡ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ﴾ ”یا کسی (دوسری) جمعیت سے ملنا ہو“

یعنی لڑائی کے دوران اپنے لشکر کے کسی دوسرے حصے سے ملنے کے لیے منظم طریقے سے پیچھے ہٹنا (orderly retreat) بھی پیٹھ پھیرنے کے زمرے میں نہیں آئے گا۔ ان دو استثنائی صورتوں کے علاوہ اگر کسی نے بزدلی دکھائی اور بھگدڑ کے اندر جان بچا کر بھاگا:

﴿فَقَدۡ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاۡوٰىہُ جَہَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۶﴾﴾ ”تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا اور اُس کا ٹھکانہ جہنم ہے‘ اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔“

اب اگلی آیات میں یہ بات واضح تر انداز میں سامنے آرہی ہے کہ غزوۂ بدر دُنیوی قواعد و ضوابط کے مطابق نہیں‘ بلکہ اللہ کی خاص مشیت کے تحت وقوع پذیر ہوا تھا۔

آیت ۱۷ ﴿فَلَمۡ تَقۡتُلُوۡہُمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَہُمۡ ۪﴾ ”پس (اے مسلمانو!) تم نے انہیں قتل نہیں کیا‘ بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا“

ویسے تو ہر کام میں فاعلِ حقیقی اللہ ہی ہے‘ ہم جو کام بھی کرتے ہیں وہ اللہ ہی کی مشیت سے ممکن ہوتا ہے‘ اور جس شے کے اندر جو بھی تاثیر یا خصوصیت ہے وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ عام حالات کے لیے بھی اگرچہ یہی قاعدہ ہے: لَا فَاعِلَ فِی الۡحَقِیۡقَۃِ وَلَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰہ“ لیکن غزوۂ بدر کے اندر تو بہت ہی مخصوص حالات تھے جن میں اللہ کی خصوصی مدد آئی تھی۔

﴿وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۚ﴾ ”اور جب آپؐ نے (ان پر کنکریاں) پھینکی تھیں تو وہ آپؐ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں“

میدانِ جنگ میں جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے کچھ کنکریاں اپنی مٹھی میں لیں اور شَاھَتِ الۡوُجُوۡہ (چہرے بگڑ جائیں) فرماتے ہوئے کفار کی طرف پھینکیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ کنکریاں کہاں کہاں تک پہنچیں اور اُن کے کیسے کیسے اثرات کفار پر مرتب ہوئے۔ بہر حال یہاں پر آپ ﷺ کے اس عمل کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کر رہا ہے کہ اے نبی (ﷺ) جب وہ کنکریاں آپ نے پھینکی تھیں‘ تو

وہ آپ ﷺ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔ اسی بات کو اقبال نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ؏
''ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ!''

﴿وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَاۗءً حَسَنًا ۭ﴾ ''تا کہ اللہ اس سے اہلِ ایمان کے جوہر نکھارے خوب اچھی طرح سے۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر ایسی آزمائشیں ان کی مخفی صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے لیے آتی ہیں۔ بَلَا، یَبْلُو، بَلَاءً کے معنی ہیں آزمانا' تکلیف اور آزمائش میں ڈال کر کسی کو پرکھنا' لیکن اَبْلٰی، یُبْلِی جب بابِ افعال سے آتا ہے تو یہ کسی کے جوہر نکھارنے کے معنی دیتا ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٧﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

آیت ۱۸ ﴿ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٨﴾﴾ ''یہ تو ہو چکا' اور (آئندہ کے لیے بھی سمجھ لو کہ) اللہ کفار کی تمام چالوں کو ناکام بنا دینے والا ہے۔''

اس آیت میں گویا اہل ایمان اور کفار دونوں مخاطب ہیں۔ جبکہ اگلی آیت میں صرف کفار سے خطاب ہے۔ ابوجہل کو بحیثیت سپہ سالار اپنے لشکر کی تعداد' اسلحہ اور ساز و سامان کی فراوانی کے حوالے سے پورا یقین تھا کہ ہم مسلمانوں کو کچل کر رکھ دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے پہلے ہی پراپیگنڈا شروع کر دیا تھا کہ معرکہ کا دن ''یوم الفرقان'' ثابت ہوگا اور اُس دن یہ واضح ہو جائے گا کہ اللہ کس کے ساتھ ہے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کو تو وہ لوگ بھی مانتے تھے۔ چنانچہ تاریخ کی کتابوں میں ابوجہل کی اس دعا کے الفاظ بھی منقول ہیں جو بدر کی رات اس نے خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ سے مانگی تھی۔ اُس رات جب ایک طرف حضور اکرم ﷺ سربسجود ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے تھے تو دوسری طرف ابوجہل بھی دعا مانگ رہا تھا۔ اُس کی اس دعا کے الفاظ حیرت انگیز حد تک موحدانہ ہیں۔ اس دعا میں لات' منات' عزیٰ' ہُبل وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں' بلکہ اس دُعا میں وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے التجا کر رہا ہے: اللّٰھم أقطعنا لِلرَّحِم و آتانا بما لا نَعرِفُه فأحِنْه الغداة ...... کہ اے اللہ جس شخص نے ہمارے رحمی رشتے کاٹ دیے ہیں اور ہمارے پاس وہ کچھ لے کر آیا ہے جسے ہم پہچانتے نہیں ہیں' کل تو اسے کچل کر رکھ دے...... اس دُعا سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ابوجہل کا حضور ﷺ پر سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ آپ ﷺ کی وجہ سے قریش کے خون کے رشتے کٹ گئے تھے۔ مثلاً ایک بھائی مسلمان ہو گیا اور باقی کافر رہے' تو نہ صرف یہ کہ ان میں اخوت کا رشتہ باقی نہ رہا' بلکہ وہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ اسی طرح اولاد ماں باپ سے اور بیویاں اپنے شوہروں سے کٹ گئیں۔ چونکہ اس عمل سے قریش کی یک جہتی' طاقت اور ساکھ بری طرح متاثر ہوئی تھی' اس لیے سب سے زیادہ انہیں اسی بات کا قلق تھا۔ بہرحال ابوجہل سمیت تمام قریش کی خواہش تھی اور وہ دعا گو تھے کہ بدر کے میدان میں اس چپقلش کا واضح فیصلہ سامنے آجائے جو پچھلے کئی برسوں سے مکہ میں اُن کے اور مسلمانوں کے درمیان جاری تھی۔ چنانچہ اگلی آیت میں ان کی اسی خواہش اور دعا کا جواب دیا جا رہا ہے۔

آیت ۱۹ ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاۗءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ﴾ ''اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو تمہارے پاس (اللہ کا)

فیصلہ آچکا۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کن فتح کے ذریعے بتادیا کہ اُس کی تائید ونصرت کس گروہ کے ساتھ ہے۔ اس معرکے کے بعد حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا پوری طرح واضح ہوگیا۔

﴿وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ﴾ ’’اور اگر اب بھی تم باز آجاؤ تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے‘ اور اگر تم پھر یہی کرو گے تو ہم بھی یہی کچھ دوبارہ کریں گے۔‘‘

﴿وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑲﴾ ’’اور تمہاری یہ جمعیت تمہارے کسی کام نہیں آسکے گی خواہ کتنی ہی زیادہ ہو‘ اور یہ کہ اللہ اہل ایمان کے ساتھ ہے۔‘‘

آیات ۲۰ تا ۲۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ⑳ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ㉑ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ㉒ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ㉓ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ㉔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ㉕ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ㉖ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ㉗ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ㉘ ع ۱۷

آیت ۲۰ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ⑳﴾ ’’اے اہلِ ایمان! اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اس سے مُنہ نہ موڑو جبکہ تم سن رہے ہو۔‘‘

یعنی جب اللہ کے رسول ﷺ نے بدر کی طرف چلنے کا ارادہ کر لیا تو پھر تمہاری طرف سے ردّوقدح اور بحث و استدلال کیوں ہو رہا تھا؟ تمہیں تو چاہیے تھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی پر فوراً سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہتے اور آپؐ کے حکم پر سرِ تسلیم خم کر دیتے۔ واضح رہے کہ یہاں خاص طور پر ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اس موقع پر کمزوری دکھائی تھی۔

آیت ۲۱ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ㉑﴾ ’’اور اُن لوگوں کی مانند مت ہو جاؤ جو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور حقیقت میں وہ سنتے نہیں ہیں۔‘‘

یعنی صرف زبان سے سَمِعْنَا کہہ دیتے ہیں مگر اُن کے دل اپنے خیالات اور مفادات پر ہی ڈیرے جمائے رہتے ہیں۔ اطاعت پر اُن کی طبیعت میں یکسوئی پیدا ہی نہیں ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس طرح کے سننے کی کوئی اہمیت نہیں۔

آیت ۲۲ ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ۝۲۲﴾ ''یقیناً تمام چوپایوں میں اللہ کے نزدیک بدترین وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔''

یہاں خصوصی طور پر منافقین کو بدترین جانور قرار دیا گیا ہے۔

آیت ۲۳ ﴿وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ﴾ ''اور اگر اللہ کے علم میں ہوتا کہ ان میں کوئی خیر ہے تو وہ انہیں سنوا دیتا۔''

﴿وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝۲۳﴾ ''اور اگر وہ انہیں (بھلائی کے بغیر) سنوا بھی دیتا تو وہ اعراض کرتے ہوئے پیٹھ پھیر جاتے۔''

اگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اندر کوئی صلاحیت پاتا تو ان کو سننے اور سمجھنے کی توفیق دے دیتا، لیکن اگر انہیں بغیر صلاحیت کے تعمیل حکم میں جنگ کے لیے نکل آنے کی توفیق دے بھی دی جاتی تو یہ خطرے کا موقع دیکھتے ہی پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ یہ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جو کفار کے لشکر کا سامنا کرنے میں پس و پیش کر رہے تھے۔

آیت ۲۴ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ﴾ ''اے اہلِ ایمان! لبیک کہا کرو اللہ اور رسول (ﷺ) کی پکار پر جب وہ تمہیں پکاریں اُس شے کے لیے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔''

تم جنگ کے لیے جاتے ہوئے سمجھ رہے ہو کہ یہ موت کا گھاٹ ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ تو اصل اور ابدی زندگی کا دروازہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں شہداء کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝۱۵۴﴾ ''اور مت کہو اُن کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں کہ وہ مردہ ہیں۔ (وہ مردہ نہیں ہیں) بلکہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں ہے''۔ چنانچہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ جس چیز کی طرف تمہیں بلا رہے ہیں، حقیقی زندگی تو وہی ہے۔ اس کے مقابلے میں اس دعوت سے اعراض کر کے زندگی بسر کرنا گویا حیوانوں کی سی زندگی ہے۔ سورۃ الاعراف میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ﴿اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ﴾ (الاعراف: ۱۷۹) کہ وہ انسان نہیں جانور ہیں، بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ﴾ ''اور جان رکھو کہ اللہ بندے اور اُس کے دل کے درمیان حائل ہو جایا کرتا ہے''

یعنی اگر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی پکار سُنی اَن سُنی کر دی جائے اور اُن کے احکامات سے بے نیازی کو وطیرہ بنا لیا جائے تو اللہ تعالیٰ خود ایسے بندے اور ہدایت کے درمیان آڑ بن جاتا ہے' جس کی وجہ سے آئندہ وہ ہدایت کی ہر بات سننے اور سمجھنے سے معذور ہو جاتا ہے۔ اسی مضمون کو سورۃ البقرۃ کی آیت ۷ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ﴾ کہ ان کے دلوں اور ان کی سماعت پر اللہ نے مہر کر دی ہے۔ جبکہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۰ میں اس اصول کو سخت تر الفاظ میں اس طرح واضح کیا گیا ہے: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ یعنی حق کے پوری طرح واضح ہو کر سامنے آ جانے پر بھی جو لوگ فوری طور پر اسے نہیں مانتے اور اس سے پہلوتہی کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کے دل الٹ دیے جاتے ہیں اور ان کی بصارت پلٹ دی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ بہت حساس اور خوف کھانے والا معاملہ ہے۔ دین کا کوئی مطالبہ کسی کے سامنے آئے' اللہ کا کوئی حکم اس تک پہنچ جائے اور اس کا دل اس پر گواہی بھی دے دے کہ ہاں یہ بات درست ہے' پھر اگر وہ اس سے اعراض کرے گا' کنّی کترائے گا' تو اس کی سزا اسے اس دنیا میں یوں بھی مل سکتی ہے کہ حق کو پہچاننے کی صلاحیت ہی اس سے سلب کر لی جاتی ہے' اس کے دل اور کانوں پر مہر لگ جاتی ہے' آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں' ہدایت اور اس کے درمیان آڑ کر دی جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کا اٹل قانون ہے۔

﴿وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۴﴾ "اور یہ کہ (بالآخر) تم سب کو یقیناً اُسی کی طرف جمع کیا جانا ہے۔"

آیت ۲۵ ﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ﴾ "اور ڈرو اُس فتنے سے جو تم میں سے صرف گنہگاروں ہی کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا۔"

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے۔ اس سے پہلے اس آیت کا حوالہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۶۶ کے مطالعے کے دوران بھی آ چکا ہے۔ اس ضمن میں یہ نکتہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ کسی جرم کا براہِ راست ارتکاب کرنا ہی صرف جرم نہیں ہے' بلکہ کسی فرض کی عدم ادائیگی کا فعل بھی جرم کے زمرے میں آتا ہے۔ مثلاً ایک مسلمان ذاتی طور پر گناہوں سے بہت بچ کر رہتا ہے' نیکی کے کاموں میں بھی حتی الوسع حصہ لیتا ہے' وہ صدقہ وخیرات بھی دیتا ہے اور نماز' روزہ کا اہتمام بھی کرتا ہے۔ مگر دوسری طرف اللہ اور اُس کے دین کی نصرت سے' اقامتِ دین کی جدوجہد سے اور اس جدوجہد میں اپنے مال اور اپنے وقت کی قربانی جیسے فرائض سے پہلوتہی کا رویہ اپنائے ہوئے ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا شخص بھی گویا مجرم ہے اور اجتماعی عذاب کی صورت میں وہ اس کی لپیٹ سے بچ نہیں پائے گا۔ اس لحاظ سے یہ دل دہلا دینے والی آیت ہے۔

﴿وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲۵﴾ "اور جان لو کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔"

اب اگلی آیت کو خصوصی طور پر پاکستان کے مسلمانوں کے حوالے سے پڑھیں۔

آیت ۲۶ ﴿وَاذْكُرُوْۤا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ﴾ "اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑی تعداد میں تھے اور زمین میں دبا لیے گئے تھے"

﴿تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾ ''تمہیں اندیشہ تھا کہ لوگ تمہیں اُچک لے جائیں گے''

تحریکِ پاکستان کے پس منظر میں اس جملے کا مفہوم یوں سمجھیں کہ برصغیر میں مسلمان اقلیت میں تھے' ہندوؤں کی اکثریت کے مقابلے میں انہیں خوف تھا کہ وہ اپنے حقوق کا تحفظ کرنے میں کمزور ہیں۔ اپنے جان و مال کو درپیش خطرات کے علاوہ انہیں یہ اندیشہ بھی تھا کہ اکثریت کے ہاتھوں ان کا معاشی' سماجی' سیاسی' لسانی' مذہبی وغیرہ ہر اعتبار سے استحصال ہوگا۔

﴿فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۲۶﴾ ''تو اللہ نے تمہیں پناہ کی جگہ دے دی اور تمہاری مدد کی اپنی خاص نصرت سے اور تمہیں بہترین پاکیزہ رزق عطا کیا' تاکہ تم شکر ادا کرو۔''

آیت ۲۷ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ ''اے اہلِ ایمان! مت خیانت کرو اللہ سے اور رسول (ﷺ) سے''

اللہ کی امانت میں خیانت یقیناً بہت بڑی خیانت ہے۔ ہمارے پاس اللہ کی سب سے بڑی امانت اُس کی وہ روح ہے جو اُس نے ہمارے جسموں میں پھونک رکھی ہے۔ اسی کے بارے میں سورۃ الاحزاب میں فرمایا گیا: ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝۷۲﴾ ''ہم نے (اپنی) امانت کو آسمانوں' زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر گئے' مگر انسان نے اسے اٹھا لیا' یقیناً وہ ظالم اور جاہل تھا''۔ اس کے علاوہ دین' قرآن اور شریعت اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی بڑی بڑی امانتیں ہیں جو ہمیں سونپی گئی ہیں۔ چنانچہ اگر ہم ایمان کا دم بھرتے ہیں' اللہ کی اطاعت اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں' لیکن پھر اللہ کے دین کو مغلوب دیکھ کر بھی اپنے کاروبار' اپنی جائیداد' اپنی ملازمت اور اپنے کیریئر کی فکر میں لگے رہتے ہیں تو اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ اس سے بڑی بے وفائی' غداری اور خیانت بھلا اور کیا ہوگی!

﴿وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۲۷﴾ ''اور نہ ہی اپنی (آپس کی) امانتوں میں خیانت کرو جانتے بوجھتے۔''

آیت ۲۸ ﴿وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ﴾ ''اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں''

فتنہ کے معنی آزمائش اور اس کسوٹی کے ہیں جس پر کسی کو پرکھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے مال اور اولاد انسان کے لیے بہت بڑی آزمائشیں ہیں۔ یقیناً مال اور اولاد ہی انسان کے پاؤں کی سب سے بڑی بیڑیاں ہیں جو اُسے نصرتِ دین کی جدوجہد سے روک کر اُس کی عاقبت خراب کرتی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی شعوری اور فعال زندگی کے شب و روز مال کمانے' اُسے سینت سینت کر رکھنے اور اولاد کے مستقبل کو محفوظ بنانے میں اس انداز سے کھپا

دیتا ہے کہ اس میں اور کولہو کے بیل میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ اس تگ و دو میں اس کے جسم میں زندگی کی کوئی رمق باقی بچتی ہی نہیں جسے وہ دین کی جدوجہد کے لیے پیش کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور خود کو سرخرو کر سکے۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۲۸﴾ ''اور یہ کہ اللہ ہی کے پاس ہے بڑا اجر۔''

آیات ۲۹ تا ۴۰

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا وَّيُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَيَغۡفِرۡ
لَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۲۹ وَاِذۡ يَمۡكُرُ بِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِيُثۡبِتُوۡكَ اَوۡ يَقۡتُلُوۡكَ اَوۡ
يُخۡرِجُوۡكَ ؕ وَيَمۡكُرُوۡنَ وَيَمۡكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمٰكِرِيۡنَ ۳۰ وَاِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُنَا قَالُوۡا
قَدۡ سَمِعۡنَا لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ هٰذَاۤ ۙ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۳۱ وَاِذۡ قَالُوا اللّٰهُمَّ
اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَـقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ
اَلِيۡمٍ ۳۲ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمۡ وَهُمۡ
يَسۡتَغۡفِرُوۡنَ ۳۳ وَمَا لَهُمۡ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمۡ يَصُدُّوۡنَ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ وَمَا كَانُوۡۤا
اَوۡلِيَآءَهٗ ؕ اِنۡ اَوۡلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الۡمُتَّقُوۡنَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۳۴ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمۡ
عِنۡدَ الۡبَيۡتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصۡدِيَةً ؕ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ ۳۵ اِنَّ الَّذِيۡنَ
كَفَرُوۡا يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ لِيَصُدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنۡفِقُوۡنَهَا ثُمَّ تَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ
حَسۡرَةً ثُمَّ يُغۡلَبُوۡنَ ؕ۬ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحۡشَرُوۡنَ ۳۶ ۙ لِيَمِيۡزَ اللّٰهُ الۡخَبِيۡثَ مِنَ
الطَّيِّبِ وَيَجۡعَلَ الۡخَبِيۡثَ بَعۡضَهٗ عَلٰى بَعۡضٍ فَيَرۡكُمَهٗ جَمِيۡعًا فَيَجۡعَلَهٗ فِىۡ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰۤـئِكَ
هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ۳۷ ع قُلۡ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ يَّنۡتَهُوۡا يُغۡفَرۡ لَهُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ ۚ وَاِنۡ يَّعُوۡدُوۡا ع ۹ ۱۸
فَقَدۡ مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۳۸ وَقَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّيَكُوۡنَ الدِّيۡنُ كُلُّهٗ
لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ۳۹ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوۡلٰٮكُمۡ ؕ
نِعۡمَ الۡمَوۡلٰى وَنِعۡمَ النَّصِيۡرُ ۴۰

آیت ۲۹ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّكُمۡ فُرۡقَانًا﴾ ''اے اہلِ ایمان! اگر تم اللہ کے تقویٰ پر برقرار رہو گے تو وہ تمہارے لیے فرقان پیدا کر دے گا''

اگر تم تقویٰ کی روش اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکے بعد دیگرے تمہارے لیے ''فرقان'' آتا رہے گا۔ جیسے پہلا فرقان غزوۂ بدر میں تمہاری فتح کی صورت میں آ گیا۔

﴿وَّيُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ۲۹﴾ ''اور دور کر دے گا تم

سے تمہاری برائیاں (کمزوریاں) اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

آیت ۳۰ ﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''اور یاد کیجیے جب کفار آپؐ کے خلاف سازشیں کر رہے تھے''
﴿لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ﴾ ''کہ آپؐ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا (مکہ سے) نکال دیں۔''

یہ ان سازشوں کا ذکر ہے جو قریش مکہ ہجرت سے پہلے کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف کر رہے تھے۔ آپ ﷺ کی مخالفت میں اُن کے باقی تمام حربے ناکام ہو گئے تو وہ (نعوذ باللہ) آپ ﷺ کے قتل کے در پے ہو گئے اور اس بارے میں سنجیدگی سے صلاح مشورے کرنے لگے۔

﴿وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۳۰﴾ ''وہ بھی چالیں چل رہے تھے اور اللہ بھی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ اور اللہ بہترین منصوبہ بندی کرنے والا ہے۔''

آیت ۳۱ ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۱﴾ ''اور جب انہیں ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں بہت سن لیا ہم نے (یہ کلام)' اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی کہہ دیں' یہ کچھ نہیں سوائے پچھلے لوگوں کی کہانیوں کے۔''

تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ قول نضر بن حارث سے منسوب ہے۔ لیکن ان لوگوں کی ایسی باتیں صرف کہنے کی حد تک تھیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کو بار بار یہ چیلنج دیا گیا کہ اگر تم لوگ اس قرآن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں سمجھتے تو تم بھی اسی طرح کا کلام بنا کر لے آؤ اور کسی ثالث سے فیصلہ کرالو' مگر وہ لوگ اس چیلنج کو قبول کرنے کی کبھی جرأت نہ کر سکے۔ اسی طرح پچھلی صدی تک عام مستشرقین بھی یہ الزام لگاتے رہے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے تورات اور انجیل سے معلومات لے کر قرآن بنایا ہے' مگر آج کل چونکہ تحقیق کا دور ہے' اس لیے اُن کے ایسے بے تکے الزامات خود بخود ہی کم ہو گئے ہیں۔

آیت ۳۲ ﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳۲﴾ ''اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری ہی طرف سے برحق ہے تو برسا دے ہم پر پتھر آسمان سے یا بھیج دے ہم پر کوئی دردناک عذاب۔''

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے' سردارانِ قریش کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ پیدا ہو گیا تھا کہ مکہ کے عام لوگوں کو محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے اثرات سے کیسے محفوظ رکھا جائے۔ اس کے لیے وہ مختلف قسم کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ اس آیت میں ان کی ایسی ہی ایک تدبیر کا ذکر ہے۔ اُن کے بڑے بڑے سردار عوام کے اجتماعات میں علی الاعلان اس طرح کی باتیں کرتے تھے کہ اگر یہ قرآن اللہ ہی کی طرف سے نازل کردہ ہے اور ہم اس کا انکار کر رہے ہیں تو ہم پر اللہ کی طرف سے عذاب کیوں نہیں آ جاتا؟ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے دعائیہ انداز میں بھی پکارتے تھے کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن تیرا ہی کلام ہے تو پھر اس کا انکار کرنے کے سبب ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا دے' یا کسی بھی شکل میں ہم پر اپنا عذاب نازل فرما دے۔ اور اس کے بعد وہ اپنی اس تدبیر کی خوب تشہیر کرتے کہ دیکھا ہماری اس دعا کا کچھ بھی ردِّعمل نہیں ہوا' اگر یہ واقعی اللہ کا کلام ہوتا تو ہم پر

اب تک عذاب آ چکا ہوتا۔ چنانچہ ایسے حربوں سے وہ اپنے عوام کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

آیت ۳۳ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ﴾ ’’اور اللہ ایسا نہ تھا کہ اُن کو عذاب دیتا جبکہ (ابھی) آپؐ اُن کے درمیان موجود تھے۔‘‘

اگرچہ وہ لوگ پوری طرح عذاب کے مستحق ہو چکے تھے‘ لیکن جس طرح کے عذاب کے لیے وہ لوگ دعائیں کر رہے تھے ویسا عذاب سُنّتِ الٰہی کے مطابق اُن پر اُس وقت تک نہیں آ سکتا تھا جب تک اللہ کے رسول ﷺ مکہ میں ان کے درمیان موجود تھے‘ کیونکہ ایسے عذاب کے نزول سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنے رسولؑ اور اہل ایمان کو ہجرت کا حکم دے دیتا ہے اور ان کے نکل جانے کے بعد ہی کسی آبادی پر اجتماعی عذاب آیا کرتا ہے۔

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝۳۳﴾ ’’اور اللہ اُن کو عذاب دینے والا نہیں تھا جب کہ وہ استغفار بھی کر رہے تھے۔‘‘

نظریات اور اعمال کے لحاظ سے مکہ کی آبادی کا معاملہ بہت گڈمڈ تھا۔ مکہ کے عوام الناس میں ایسے سادہ لوح لوگ بھی تھے جو اپنے طور پر اللہ کا ذکر کرتے تھے‘ تلبیہ پڑھتے تھے اور اللہ سے استغفار بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ایسی صورت حال میں اللہ تعالیٰ مکہ کے معاشرے پر اجتماعی عذاب نازل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آگے اسی سورت کی آیت ۳۷ کے مضمون سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ پاک اور ناپاک کو چھانٹ کر الگ نہیں کر دیتا ﴿لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ اُس وقت تک اس نوعیت کا عذاب کسی قوم پر نہیں آتا۔

آیت ۳۴ ﴿وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ’’اور کیا (رکاوٹ) ہے ان کے لیے کہ اللہ اُن کو عذاب نہ دے جب کہ وہ روک رہے ہیں مسجد حرام سے (لوگوں کو)‘‘

﴿وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۴﴾ ’’درآنحالیکہ وہ اس کے متولی بھی نہیں ہیں۔ اس کے (اصل) متولی تو صرف متقی لوگ ہیں‘ لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔‘‘

آیت ۳۵ ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ﴾ ’’اور نہیں ہے ان کی نماز بیت اللہ کے پاس سوائے سیٹیاں بجانا اور تالیاں پیٹنا۔‘‘

قریش مکہ نے اپنی عبادات کا حلیہ اس حد تک بگاڑ دیا تھا کہ ان کی نماز میں سیٹیوں اور تالیوں جیسی خرافات بھی شامل ہو چکی تھیں۔ اسی طرح خانہ کعبہ کا سب سے اعلیٰ طواف اُن کے نزدیک وہ تھا جو بالکل برہنہ ہو کر کیا جاتا۔

﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۵﴾ ’’تو اب چکھو مزہ عذاب کا اپنے کفر کی پاداش میں۔‘‘

یہاں واضح کر دیا گیا کہ اللہ کا عذاب صرف آسمان سے پتھروں کی صورت ہی میں نہیں آیا کرتا بلکہ غزوۂ بدر میں ان کی فیصلہ کن شکست ان کے حق میں اللہ کا عذاب ہے۔

آیت ۳۶ ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَھُمۡ لِیَصُدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ﴾ ''یقیناً کافر لوگ اپنے اموال خرچ کرتے ہیں تاکہ (لوگوں کو) روکیں اللہ کے رستے سے۔''

ایسے اخراجات انفاق ''فی سبیل الشیطان'' اور ''فی سبیل الشرک'' کے زمرے میں آتے ہیں۔

قریش کی طرف سے لشکر کی تیاری' ساز و سامان کی فراہمی' اسلحہ کی خریداری' اونٹوں' گھوڑوں' راشن وغیرہ کے بندوبست کے حوالے سے اخراجات انفاق فی سبیل الشیطان اور فی سبیل الشرک ہی کی مثالیں ہیں۔ وہ لوگ گویا شیطان کے راستے کے مجاہدین تھے اور اللہ کی مخلوق کو اُس کے راستے سے روکنا اُن کا مشن تھا۔

﴿ فَسَیُنۡفِقُوۡنَھَا ثُمَّ تَکُوۡنُ عَلَیۡھِمۡ حَسۡرَۃً ثُمَّ یُغۡلَبُوۡنَ ۬ؕ﴾ ''تو وہ (اور بھی) خرچ کریں گے' پھر یہ ان کے لیے ایک حسرت بن جائے گا' پھر وہ مغلوب ہو کر رہ جائیں گے۔''

یہ خرچ کرنا ان کے لیے موجب حسرت ہوگا اور یہ پچھتاوا ان کی جانوں کا روگ بن جائے گا کہ اپنا مال بھی کھپا دیا' جانیں بھی ضائع کر دیں' لیکن اس پوری کوشش کے باوجود محمد ﷺ کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ ان کی یہ حسرتیں اُس وقت اور بھی بڑھ جائیں گی جب ﴿ وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَھَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ کَانَ زَھُوۡقًا ﴿۸۱﴾﴾ (بنی اسرائیل) کی تفسیر عملی طور پر اُن کے سامنے آجائے گی اور وہ مغلوب ہو کر اہل حق کے سامنے اُن کے رحم و کرم کی بھیک مانگ رہے ہوں گے۔

﴿ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِلٰی جَھَنَّمَ یُحۡشَرُوۡنَ ﴿۳۶﴾﴾ ''اور جو کفر پر رہیں گے وہ جہنم کی طرف گھیر کر لے جائے جائیں گے۔''

یعنی ان میں سے جو لوگ ایمان لے آئیں گے انہیں اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا' اور جو کفر پر اڑے رہیں گے اور کفر پر ہی انہیں موت آئے گی تو ایسے لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

آیت ۳۷ ﴿ لِیَمِیۡزَ اللّٰہُ الۡخَبِیۡثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَیَجۡعَلَ الۡخَبِیۡثَ بَعۡضَہٗ عَلٰی بَعۡضٍ فَیَرۡکُمَہٗ جَمِیۡعًا فَیَجۡعَلَہٗ فِیۡ جَھَنَّمَ ؕ﴾ ''تاکہ اللہ پاک کو ناپاک سے (چھانٹ کر) علیحدہ کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتے ہوئے سب کو ایک ڈھیر بنا دے' پھر اس کو جہنم میں جھونک دے۔''

﴿ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾﴾ ''یقیناً یہی لوگ ہیں خسارہ پانے والے۔''

آیت ۳۸ ﴿ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ یَّنۡتَھُوۡا یُغۡفَرۡ لَھُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ ۚ﴾ ''(اے محمد ﷺ!) آپ اعلان کر دیجیے ان کافروں کے سامنے کہ اگر وہ اب بھی باز آجائیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ ان کے لیے معاف کر دیا جائے گا۔''

یعنی اب بھی تمہارے لیے موقع ہے۔ اگر تم اب بھی ایمان لے آؤ گے تو تمہاری پہلی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی۔

﴿ وَاِنۡ یَّعُوۡدُوۡا فَقَدۡ مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۸﴾﴾ ''اور اگر وہ دوبارہ یہی کچھ کریں گے تو پچھلوں

کے حق میں سُنّتِ الٰہی گزر چکی ہے۔"

انہیں سب معلوم ہے کہ جن قوموں نے اپنے رسولوں کا انکار کیا تھا اُن کا کیا انجام ہوا تھا۔ سورۃ الانفال سے پہلے مکی قرآن تو پورے کا پورا نازل ہو چکا تھا' سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف بھی نازل ہو چکی تھیں۔ لہٰذا قومِ نوحؑ' قومِ ہودؑ' قومِ صالحؑ' قومِ شعیبؑ اور قومِ لوطؑ کے عبرتناک انجام کی تفصیلات سب کو معلوم ہو چکی تھیں۔

آیت ۳۹ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ "اور (اے مسلمانو!) ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (کفر) باقی نہ رہے اور دین کُل کا کُل اللہ ہی کا ہو جائے۔"

یہی حکم سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۹۳ میں بھی آ چکا ہے۔ البتہ یہاں اس کے الفاظ میں "كُلُّهٗ" کی اضافی شان اور مزید تاکید پائی جاتی ہے۔ یعنی اے مسلمانو! دین کے غلبے کے لیے تمہاری تحریک کو شروع ہوئے پندرہ برس ہو گئے۔ اس دوران میں تم لوگ دعوت' تنظیم' تربیت اور صبر محض کے مراحل کامیابی سے طے کر چکے ہو۔ چنانچہ اس کے بعد اب passive resistance کا دور ختم سمجھو۔ ہمارے رسول (ﷺ) کی طرف سے اقدام (active resistance) کا آغاز ہو چکا ہے اور اس اقدام کے نتیجے میں اب یہ تحریک مسلح تصادم (armed conflict) کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ لہٰذا جب ایک دفعہ تلواریں تلواروں سے ٹکرا چکی ہیں تو تمہاری یہ تلواریں اب واپس نیاموں میں اُس وقت تک نہیں جائیں گی جب تک یہ کام مکمل نہ ہو جائے اور اس کام کی تکمیل کا تقاضا یہ ہے کہ فتنہ بالکل ختم ہو جائے۔ دراصل "فتنہ" کسی معاشرے کے اندر باطل کے غلبے کی کیفیت کا نام ہے جس کی وجہ سے اس معاشرے کے لوگوں کے لیے ایمان پر قائم رہنا اور اللہ کے احکامات پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ جنگ اب اس وقت تک جاری رہے گی جب تک باطل مکمل طور پر مغلوب اور اللہ کا دین پوری طرح سے غالب نہ ہو جائے۔ اللہ کے دین کا یہ غلبہ جزوی طور پر بھی قابل قبول نہیں بلکہ دین کُل کا کُل اللہ کے تابع ہونا چاہیے۔

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳۹﴾ "پھر اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ یقیناً اس کو دیکھ رہا ہے۔"

آیت ۴۰ ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝۴۰﴾ "اور اگر وہ رُوگردانی کریں تو (اے مسلمانو!) تم یہ جان لو کہ اللہ تمہارا مولیٰ (حمایتی) ہے۔ کیا ہی خوب ہے وہ مولیٰ اور کیا ہی خوب ہے وہ مددگار!"

آیات ۴۱ تا ۴۴

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۱ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ

الجزء العاشر (۱۰)

بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ
وَلٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ۬ لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ
عَنْۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ
كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾
وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا
كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع ۵

آیت ۴۱ ﴿وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی﴾ ''اور جان لو کہ جو بھی غنیمت تمہیں حاصل ہوئی ہے اُس کا خُمس (پانچواں حصہ) تو اللہ کے لیے، رسولؐ کے لیے اور (رسولؐ کے) قرابت داروں کے لیے ہے''

اس آیت میں مالِ غنیمت کی تقسیم کے حوالے سے قانون کی وضاحت کی جا رہی ہے۔ واضح رہے کہ بعثت کے بعد سے رسول اللہ ﷺ کا ذریعہ معاش کوئی نہیں تھا۔ حضرت خدیجہ ؓ نے آپ ﷺ سے نکاح کے بعد اپنی ساری دولت ہر قسم کے تصرف کے لیے آپ ﷺ کو پیش کر دی تھی۔ جب تک آپ ﷺ مکہ میں رہے، آپؐ کے ذاتی اخراجات اسی سرمائے سے چلتے رہے، لیکن ہجرت کے بعد اس سلسلے میں کوئی مستقل انتظام نہیں تھا۔ پھر آپ ﷺ کے قرابت دار اور اہل و عیال بھی تھے جن کی کفالت آپؐ کے ذمہ تھی۔ ان سب اخراجات کے لیے ضروری تھا کہ کوئی معقول اور مستقل انتظام کر دیا جائے۔ چنانچہ غنائم میں سے پانچواں حصہ مستقل طور پر بیت المال کو دے دیا گیا اور آپؐ کے ذاتی اخراجات، ازواجِ مطہرات ؓ کا نان نفقہ اور آپؐ کے قرابت داروں کی کفالت بیت المال کے ذمہ طے پائی۔

﴿وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۙ﴾ ''اور (اس میں حصہ ہو گا) یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے (بھی)''

اسی پانچویں حصے میں سے معاشرے کے محروم افراد کی مدد بھی کی جائے گی۔

﴿اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ؕ﴾ ''اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اُس شے پر جو ہم نے نازل کی اپنے بندے پر فیصلے کے دن، جس دن دو فوجوں کا ٹکراؤ ہوا تھا''

﴿وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾﴾ ''اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔''

فیصلے (غزوۂ بدر) کے دن جو شے خصوصی طور پر نازل کی گئی وہ غیبی امداد اور نصرتِ الٰہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ تمہاری مدد کے لیے فرشتے آئیں گے۔ وہ فرشتے اگرچہ میدانِ جنگ میں تمہیں نظر تو نہیں آتے تھے، لیکن جیسے تم لوگ اللہ پر اور اُس کی وحی پر ایمان بالغیب رکھتے ہو، جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے پر ایمان رکھتے ہو

اور اس قرآن کے منزّل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہو اسی طرح تمہارا یہ ایمان بھی ہونا چاہیے کہ اللہ نے اپنا وہ وعدہ پورا کر دیا جو اُس نے اپنے رسول ﷺ اور مسلمانوں کی مدد کے حوالے سے کیا تھا اور یہ کہ میدانِ بدر میں تمہاری فتح اللہ کی مدد سے ہی ممکن ہوئی تھی۔ اگر تم لوگوں کا اس حقیقت پر یقینِ کامل ہے تو پھر اللہ کا یہ فیصلہ بھی دل کی آمادگی اور خوشی سے قبول کر لو کہ مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ اللہ، اُس کے رسولؐ اور بیت المال کا ہوگا۔

اس حکم کے نزول کے بعد تمام مالِ غنیمت ایک جگہ جمع کیا گیا اور اس میں سے پانچواں حصہ بیت المال کے لیے نکال کر باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے گئے۔ اس میں سے ہر اُس شخص کو برابر کا حصہ ملا جو لشکر میں جنگ کے لیے شامل تھا، قطع نظر اس کے کہ کسی نے عملی طور پر قتال کیا تھا یا نہیں کیا تھا اور قطع نظر اس کے کہ کسی نے بہت سا مالِ غنیمت جمع کیا تھا یا کسی نے کچھ بھی جمع نہیں کیا تھا۔ البتہ اس تقسیم میں سوار کے دو حصے رکھے گئے اور پیدل کے لیے ایک حصہ۔ اس لیے کہ سواریوں کے جانور مہیا کرنے اور اُن جانوروں پر اٹھنے والے اخراجات متعلقہ افراد ذاتی طور پر برداشت کرتے تھے۔

آیت ۴۲ ﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى﴾ ’’جب تم لوگ تھے قریب والے کنارے پر اور وہ لوگ تھے دُور والے کنارے پر‘‘

وادیٔ بدر شمال اور جنوب کی اطراف سے تنگ ہے جبکہ درمیان میں یہ ایک کھلے میدان کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس کے شمالی کنارے سے شام کی طرف راستہ نکلتا تھا اور جنوبی کنارے سے مکہ کی طرف۔ جبکہ وادی کی مشرقی سمت سے نکلنے والا راستہ مدینہ کی طرف جاتا تھا۔ پرانے زمانے میں حاجیوں کے زیادہ تر قافلے وادیٔ بدر سے ہی گزرتے تھے۔ اب نئی موٹر وے ’’طریق الھجرۃ‘‘ بن جانے کی وجہ سے حجاج کو ان مقامات سے گزرنے کا موقع نہیں ملتا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی تدبیر کا ظہور ہوا کہ دونوں لشکر وادیٔ بدر میں تقریباً ایک ساتھ پہنچے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی اسی تدبیر کا ذکر ہے کہ جب قریش کا لشکر وادی کے دور والے (جنوبی) کنارے پر آ پہنچا اور مشرق کی جانب سے حضور ﷺ اپنا لشکر لے کر اس کنارے پر پہنچ گئے جو مدینہ سے قریب تھا۔

﴿وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ ’’اور قافلہ تم سے نیچے تھا۔‘‘

قریش کا تجارتی قافلہ اُس وقت نیچے ساحل سمندر کی طرف سے ہو کر گزر رہا تھا۔ ابوسفیان نے ایک طرف تو قافلے کی مدد کے لیے مکہ والوں کو پیغام بھیج دیا تھا اور دوسری طرف اُس نے یہ تدبیر بھی کی تھی کہ اصل راستے کو چھوڑ کر قافلے کو ساحل سمندر کی طرف لے گیا تھا۔ روایتی راستہ تو وادیٔ بدر سے ہو کر گزرتا تھا لیکن اس راستہ پر جانے کے بجائے اب یہ قافلہ ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ بدر کے پہاڑی سلسلے سے آگے تہامہ کا میدان ہے جو ساحل سمندر تک پھیلا ہوا ہے۔ اور قافلہ اس وقت اس میدان کی بھی آخری حدود پر سمندر کی جانب تھا۔ اس لیے فرمایا گیا کہ قافلہ تم سے نچلی سطح پر تھا۔

﴿وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ﴾ ’’اور اگر تم لوگ آپس میں میعاد ٹھہرا کر نکلتے تو بھی

وقتِ مقررہ (پر پہنچنے) میں تم ضرور مختلف ہو جاتے''

یعنی یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت دونوں لشکر ٹھیک ایک ہی وقت پر وادی کے دونوں کناروں پر پہنچے تھے۔ اگر آپ لوگوں نے مقامِ معین پر پہنچنے کے لیے آپس میں کوئی وقت مقرر کیا ہوتا تو اس میں ضرور تقدیم و تاخیر ہو جاتی، لیکن ہم نے دونوں لشکروں کو عین وقت پر ایک ساتھ آمنے سامنے لا کھڑا کیا' کیونکہ ہم چاہتے تھے کہ یہ ٹکراؤ ہو جائے اور اہلِ مکہ پر یہ بات واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کس کے ساتھ ہے۔

﴿وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۥ﴾ ''لیکن (یہ سب کچھ اس لیے ہوا) تاکہ اللہ فیصلہ کر دے اس کام کا جو ہونے ہی والا تھا''

﴿لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ﴾ ''تاکہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ ہلاک ہو بات واضح ہو جانے کے بعد''

یعنی حق کے واضح ہو جانے میں کوئی ابہام نہ رہ جائے۔ اہلِ مکہ میں سے اُن عوام کے لیے بھی حق کو پہچاننے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے جنہیں اب تک سرداروں نے گمراہ کر رکھا تھا۔ اگر اس کے بعد بھی کسی کی آنکھیں نہیں کھلتیں اور وہ ہلاکت کے راستے پر ہی گامزن رہنے کو ترجیح دیتا ہے تو یہ اس کی مرضی، مگر ہم چاہتے ہیں کہ اگر ایسے لوگوں کو ہلاک ہی ہونا ہے تو ان میں سے ہر فرد حق کے پوری طرح واضح ہونے کے بعد ہلاک ہو۔

﴿وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾﴾ ''اور جسے زندہ رہنا ہے وہ زندہ رہے واضح دلیل کی بنا پر۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

جو سیدھے راستے پر آنا چاہتا ہے وہ بھی اس بَیِّنَہ کی بنا پر سیدھے راستے پر آ جائے اور حیاتِ معنوی حاصل کر لے۔

آیت ۴۳ ﴿اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ﴾ ''جب اللہ آپ کو دکھا رہا تھا (اے نبی ﷺ) انہیں آپ کی نیند میں کم تعداد میں''

رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ قریش کے لشکر کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے' بس تھوڑے سے لوگ ہیں جو جنگ کے لیے بدر کی طرف آ رہے ہیں' حالانکہ وہ ایک ہزار افراد پر مشتمل بہت بڑا لشکر تھا۔

﴿وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا﴾ ''اور اگر وہ آپ کو دکھاتا کہ وہ کثیر تعداد میں ہیں''

اور آپ (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کو وہ خبر جوں کی توں بتائی ہوتی:

﴿لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ ''(تو اے مسلمانو!) تم ضرور کمزوری دکھاتے اور معاملے میں اختلاف کرتے''

دشمن کی اصل تعداد اور طاقت کے بارے میں جان کر آپ لوگ پست ہمت ہو جاتے اور اختلاف میں پڑ جاتے کہ ہمیں بدر میں جا کر اس لشکر کا مقابلہ کرنا بھی چاہیے یا نہیں۔ اس طرح آراء میں اختلاف کی بنا پر بھی تمہاری جمعیت میں کمزوری آ جاتی۔

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾﴾ ”لیکن اللہ نے سلامتی پیدا فرما دی۔ یقیناً وہ واقف ہے اس سے جو کچھ سینوں کے اندر ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے جو خواب دیکھا وہ تو غلط نہیں ہو سکتا تھا‘ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے تمام خواب سچے ہوتے ہیں۔ اس لیے مفسرین نے اس نکتے کی توجیہہ اس طرح کی ہے کہ آپ ﷺ کو لشکرِ کفار کی معنوی حقیقت دکھائی گئی تھی۔ یعنی کسی چیز کی ایک کمیت (quantitative value) ہوتی ہے اور ایک اس کی اندرونی کیفیت اور اصل حقیقت ہوتی ہے۔ کمیت کے پہلو سے دیکھا جائے تو لشکر کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اور وہ مسلمانوں سے تین گنا تھے‘ مگر اس لشکر کی اندرونی کیفیت یکسر مختلف تھی۔ درحقیقت مکہ کے عوام الناس کی اکثریت حضور ﷺ کو اپنے معاشرے کا بہترین انسان سمجھتی تھی۔ ان کی سوچ کے مطابق آپؐ کے تمام ساتھی بھی مکہ کے بہترین لوگ تھے۔ مکہ کا عام آدمی دل سے اس حقیقت کو تسلیم کرتا تھا کہ محمد ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے‘ بلکہ یہ سب کے سب ایک خدا کو ماننے والے اور نیکیوں کا پرچار کرنے والے شریف لوگ ہیں۔ چنانچہ مکہ کی خاموش اکثریت کی ہمدردیاں شروع سے مسلمانوں کے ساتھ تھیں۔ ایسے تمام لوگ اپنے سرداروں اور لیڈروں کے حکم کی تعمیل میں لشکر میں شامل تو ہو گئے تھے‘ مگر اُن کے دل اپنے لیڈروں کے ساتھ نہیں تھے۔ جنگ میں دراصل جان کی بازی لگانے کا جذبہ ہی انسان کو بہادر اور طاقتور بناتا ہے اور یہ جذبہ نظریے کی سچائی اور نظریاتی پختگی سے پیدا ہوتا ہے۔ قریش کے اس لشکر میں ایسا کوئی جذبہ سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ لہٰذا تعداد میں اگرچہ وہ لوگ زیادہ تھے مگر معنوی طور پر اُن کی جو کیفیت اور اصل حقیقت تھی اس لحاظ سے وہ بہت کم تھے اور حضور ﷺ کو خواب میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی اصل حقیقت دکھائی تھی۔

آیت ۴۴ ﴿وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ﴾ ”اور جب تم آمنے سامنے ہوئے تو تمہاری نظروں میں انہیں (کفار کو) تھوڑا کر کے دکھاتا تھا اور ان کی نظروں میں تمہیں تھوڑا کر کے دکھاتا تھا“

جب دونوں لشکر مقابلے کے لیے آمنے سامنے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ مسلمانوں کو بھی دیکھنے میں کفار تعداد میں بہت کم لگ رہے تھے اور کفار کو بھی مسلمان بہت تھوڑے نظر آ رہے تھے۔ ایسی صورتِ حال اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا فرما دی تاکہ یہ جنگ ڈٹ کر ہو۔ اس لیے کہ وہ اس دن کو ’یوم الفرقان‘ بنانا چاہتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ کوئی فریق بھی میدان سے کنی کترائے۔

﴿لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾﴾ ”تاکہ اللہ پورا کر دے اُس معاملے کو جو ہونے والا ہی تھا۔ اور تمام معاملات (بالآخر تو) اللہ ہی کی طرف لوٹا دیے جائیں گے۔“

آیات ۴۵ تا ۴۸

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ
الصّٰبِرِيْنَ ۚ۝۴۶ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۴۷ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا
غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ
وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴۸ ع

آیت ۴۵ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا﴾ ''اے اہلِ ایمان! جب بھی تمہارا مقابلہ ہو کسی گروہ سے تو ثابت قدم رہو''

یہ وہ دور تھا جب حق و باطل کے درمیان گھمسان کا تصادم شروع ہو چکا تھا اور یوں دین کے غلبے کی جدوجہد آخری مرحلے میں داخل ہو چکی تھی۔ غزوۂ بدر اس سلسلے کی پہلی جنگ تھی اور ابھی بہت سی مزید جنگیں لڑی جانی تھیں۔ چنانچہ ان حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے زیرِ مطالعہ آیات میں مسلمانوں کو میدانِ جنگ اور جنگی حکمتِ عملی کے بارے میں ضروری ہدایات دی جا رہی ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی ہدایت یہ ہے کہ جب بھی کسی فوج سے میدانِ جنگ میں تمہارا مقابلہ ہو تو تم ثابت قدم رہو اور کبھی بھی، کسی بھی حالت میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤ۔

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۴۵﴾ ''اور اللہ کا ذکر کرتے رہو کثرت کے ساتھ تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

دوسری ہدایت یہ کہ حالتِ جنگ میں بھی اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، کیونکہ تمہاری اصل طاقت کا انحصار اللہ تعالیٰ کی مدد پر ہے۔ اور اللہ کی مدد صبر کرنے (ثابت قدم رہنے) والوں کے ساتھ ہے: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (النحل: ۱۲۷) ''اور یاد رکھو! ایک بندۂ مؤمن کا صبر اللہ کے بھروسے پر ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر تمہارے دل اللہ کی یاد سے منور ہوں گے، اُس کے ساتھ قلبی اور روحانی تعلق استوار ہو گا، تو تمہیں ثابت قدم رہنے کے لیے سہارا ملے گا، اور اگر اللہ کے ساتھ تمہارا تعلق کمزور پڑ گیا تو پھر تمہاری ہمت بھی جواب دے دے گی۔

آیت ۴۶ ﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ ''اور حکم مانو اللہ کا اور اُس کے رسول (ﷺ) کا''

یہ تیسرا حکم ڈسپلن کے بارے میں ہے کہ جو حکم تمہیں اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ملے اس کی دل و جان سے پابندی کرو۔ اگرچہ یہاں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی بات ہوئی ہے، لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو عملی طور پر یہ اطاعتِ رسول ﷺ ہی کی ہدایت ہے، کیونکہ جو حکم بھی آتا تھا وہ آپ ﷺ ہی کی طرف سے آتا تھا۔ قرآن بھی حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتا تھا اور اگر آپؐ اپنی کسی تدبیر سے اجتہاد کے تحت کوئی فیصلہ فرماتے تو وہ بھی آپ ﷺ ہی کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتا تھا۔ لہٰذا عملاً اللہ کی اطاعت آپ ﷺ ہی کی اطاعت میں مضمر ہے۔ اقبال نے اس نکتے کو بہت خوبصورتی سے اس ایک مصرعے میں سمو دیا ہے: ع

''بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست!''

﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۴۶﴾ ''اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی' اور ثابت قدم رہو۔ یقیناً اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔''

اس آیت کو پڑھتے ہوئے سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۵۲ کا مضمون ضرور مدنظر رہنا چاہیے۔ وہاں غزوۂ اُحد کے واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَھُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓي اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ﴾ ''اور اللہ نے تو تم سے (تائید و نصرت کا) جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا جبکہ تم ان کو تہ تیغ کر رہے تھے اللہ کے حکم سے۔ یہاں تک کہ جب تم ڈھیلے پڑ گئے اور تم نے امر میں جھگڑا کیا اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ تم نے وہ چیز دیکھ لی جو تمہیں محبوب ہے۔'' اللہ تعالیٰ کو تو علم تھا کہ ایک سال بعد (غزوۂ اُحد میں) کیا صورتِ حال پیش آنے والی ہے۔ چنانچہ آیت زیر مطالعہ میں ایک سال پہلے ہی مسلمانوں کو جنگی حکمت عملی کے ضمن میں بہت واضح ہدایات دے دی گئیں کہ خبردار! ڈسپلن کی پابندی اور اطاعت رسول ﷺ کے حوالے سے کبھی کوتاہی نہ کرنا ورنہ بہت نقصان اٹھاؤ گے۔

آیت ۴۷ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ﴾ ''اور ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جو نکلے تھے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے' لوگوں کو دکھانے کے لیے''

یہ قریش کے لشکر کی طرف اشارہ ہے۔ جب یہ لشکر مکہ سے روانہ ہوا تو اُس کی شان و شوکت واقعی مرعوب کن تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ابوجہل اور دیگر سردارانِ قریش اپنے غرور اور تکبر کے باعث اس زعم میں تھے کہ مٹھی بھر مسلمان ہمارے اس طاقتور لشکر کے سامنے خس و خاشاک ثابت ہوں گے اور ہم انہیں کچل کر رکھ دیں گے۔

﴿وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۴۷﴾ ''اور وہ اللہ کے راستے سے روک رہے تھے۔ اور جو کچھ وہ لوگ کر رہے تھے اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے تھا۔''

وہ اپنی ساری کوششیں اور تمام توانائیاں مخلوقِ خدا کو اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے صرف کر رہے تھے' مگر اُن کی کوئی تدبیر اللہ کے قابو سے باہر جانے والی تو نہیں تھی۔

آیت ۴۸ ﴿وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ﴾ ''اور جب شیطان نے اُن کے لیے اُن کے اعمال کو مزین کر دیا تھا اور اُس نے (ان سے) کہا تھا کہ آج تم پر انسانوں میں سے کوئی غالب نہیں آ سکتا''

یعنی اُن کے دلوں میں شیطان نے متکبرانہ خیالات پیدا کر دیے تھے اور انہیں خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ تمہارا یہ ساز و سامان' یہ اسلحہ' یہ اتنا بڑا لشکر' یہ سب کچھ غیر معمولی اور انہونی صورتِ حال ہے۔ عرب کی تاریخ میں اس جیسے لشکر کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ کس میں ہمت ہے کہ آج اس لشکر کے سامنے ٹھہر سکے اور کس کے پاس اتنی طاقت ہے کہ آج تمہارے اوپر غلبہ پا سکے؟

﴿وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ﴾ ''اور میں بھی تمہارے ساتھ ہی ہوں۔''

﴿فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾ ''پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو وہ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے پھر گیا''

﴿وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ﴾ ''اور کہنے لگا کہ میں تم سے لاتعلق ہوں' میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ رہے ہو''

چونکہ ابلیس (عزازیل) کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے' لہٰذا ناری مخلوق ہونے کی وجہ سے اُس نے فرشتوں کو نازل ہوتے دیکھ لیا اور یہ کہتے ہوئے اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا کہ میں تو یہاں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم لوگوں کو نظر نہیں آ رہا ہے۔

﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۴۸﴾ ''مجھے اللہ کا خوف ہے۔ اور اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔''

آیات ۴۹ تا ۵۸

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى
اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۴۹ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ
وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۵۰ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ
لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۵۱ ۙ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۵۲ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ
مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۵۳ ۙ
كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ
وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۵۴ اِنَّ شَرَّ الدَّوَاۗبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۵۵ ښ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا
يَتَّقُوْنَ ۵۶ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۵۷ وَاِمَّا
تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَاۗءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۵۸ ع

آیت ۴۹ ﴿اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ''جب کہہ رہے تھے منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا''

ابھی تک ایک طرف کے حالات کا نقشہ پیش کیا جا رہا تھا۔ یعنی لشکرِ قریش کی مکہ سے روانگی' اس لشکر کی کیفیت' ان کے سرداروں کے متکبرانہ خیالات' شیطان کا ان کی پیٹھ ٹھونکنا اور پھر عین وقت پر بھاگ کھڑے ہونا۔

اب اس آیت میں مدینہ کے حالات پر تبصرہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ سے لشکر لے کر نکلے تو پیچھے رہ جانے والے منافقین کیا کیا باتیں بنا رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے:

﴿غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ﴾ ''اِن (مسلمانوں) کو تو ان کے دین نے بالکل دھوکے میں ڈال دیا ہے۔''

یعنی ان لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے جو قریش کے اتنے بڑے لشکر سے مقابلہ کرنے چل پڑے ہیں۔ ہم تو پہلے ہی ان کو سُفہاء (احمق) سمجھتے تھے، مگر اب تو عملی طور پر ثابت ہو گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے دین کے پیچھے بالکل ہی پاگل ہو گئے ہیں۔

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۹﴾ ''اور (انہیں کیا پتا کہ) جو کوئی توکل کرتا ہے اللہ پر تو اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔''

آیت ۵۰ ﴿وَلَوْ تَرٰٓي اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰۗىِٕكَةُ﴾ ''اور کاش تم دیکھ سکتے جب قبض کرتے ہیں فرشتے ان کافروں کی جانوں کو،''

﴿يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۵۰﴾ ''ضربیں لگاتے ہوئے اُن کے چہروں اور اُن کی پیٹھوں پر، اور (کہتے ہیں کہ اب) چکھو جلنے کا عذاب۔''

آیت ۵۱ ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۵۱﴾ ''یہ وہ کچھ ہے جو تمہارے اپنے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور اللہ تو ہرگز اپنے بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے۔''

آیت ۵۲ ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ﴾ ''(ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوا) جیسے کہ معاملہ ہوا آلِ فرعون کا اور اُن لوگوں کا جو اُن سے پہلے تھے۔''

آلِ فرعون سے پہلے قومِ شعیبؑ تھی، قومِ شعیبؑ سے پہلے قومِ لوطؑ، اُن سے پہلے قومِ ثمود، اُن سے پہلے قومِ عاد اور اُن سے پہلے قومِ نوحؑ۔ ان ساری قوموں کے انجام کے بارے میں ہم سورۃ الاعراف میں پڑھ چکے ہیں۔

﴿كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ﴾ ''انہوں نے اللہ کی آیات کا کفر کیا، تو اللہ نے انہیں پکڑ لیا اُن کے گناہوں کی پاداش میں۔''

﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲﴾ ''یقیناً اللہ قوی ہے اور سزا دینے میں سخت ہے۔''

آیت ۵۳ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰي يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ﴾ ''یہ اس لیے کہ اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ کوئی نعمت جو اُس نے کسی قوم کو دی ہو اُس میں تغیّر کرے جب تک کہ وہ قوم اپنی اندرونی کیفیت کو خود متغیر نہ کر دے''

اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کی طرف اپنا پیغمبر مبعوث کیا، جس نے اللہ کی توحید اور اس کے احکام کے مطابق اس قوم کو دعوت دی۔ پیغمبر کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے نوازا، اُن پر اپنے انعامات و احسانات کی بارشیں کیں۔ پھر اپنے پیغمبر کے بعد ان لوگوں نے آہستہ آہستہ کفر و ضلالت کی روش اختیار کی اور

توحید کی شاہراہ کو چھوڑ کر شرک کی پگڈنڈیاں اختیار کر لیں تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں نے بھی اُن سے مُنہ موڑ لیا' انعامات کی جگہ اللہ کے عذاب نے لے لی اور یوں وہ قوم تباہ و برباد کر دی گئی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی پر سوار ہونے والے مؤمنین کی نسل سے ایک قوم وجود میں آئی۔ جب وہ قوم گمراہ ہوئی تو حضرت ہود علیہ السلام کو اُن کی طرف بھیجا گیا۔ پھر حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی نسل سے قومِ ثمود نے جنم لیا اور پھر جب وہ لوگ گمراہ ہوئے تو اُن کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ گویا ہر قوم اپنے پیغمبر کے راستے کو چھوڑنے کے سبب برباد ہوئی' مگر اللہ تعالیٰ نے کسی بھی قوم سے اپنی نعمت اُس وقت تک سلب نہیں کی جب تک کہ خود انہوں نے ہدایت کی راہ کو چھوڑ کر گمراہی اختیار نہیں کی۔ یہ مضمون بعد میں سورۃ الرعد (آیت ۱۱) میں بھی آئے گا۔ مولانا ظفر علی خان نے اس مضمون کو ایک خوبصورت شعر میں اس طرح ڈھالا ہے: ؎

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!

اس فلسفے کے مطابق جب کوئی قوم محنت کو اپنا شعار بنا لیتی ہے تو اس کے ظاہری حالات میں مثبت تبدیلی آتی ہے اور یوں اس کی تقدیر بدلتی ہے۔ صرف خوش فہمیوں (wishful thinkings) اور دعاؤں سے قوموں کی تقدیریں نہیں بدلا کرتیں' اور قوم چونکہ افراد کا مجموعہ ہوتی ہے' اس لیے تبدیلی کا آغاز افراد سے ہوتا ہے۔ پہلے چند افراد کی قلب ماہیت ہوتی ہے۔ یعنی اُن کی سوچ' اُن کے نظریات' اُن کے خیالات' اُن کے مقاصد' اُن کی دلچسپیاں اور اُن کی امنگیں تبدیل ہوتی ہیں۔ پھر جب ایسے پاک باطن لوگوں کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھتی ہے اور وہ لوگ ایک طاقت اور قوت کے طور پر خود کو منظم کر کے باطل کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو طاغوتی طوفان اپنا رُخ بدلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یوں اہل حق کی قربانیوں سے نظام بدلتا ہے' انقلاب کی سحر پر نور طلوع ہوتی ہے اور معاشرہ پھر سے راہِ حق پر گامزن ہوتا ہے۔ لیکن واضح رہے کہ اس انقلاب کی جدوجہد کے لیے ہمیں فکری و عملی راہنمائی صرف اور صرف قرآنی تعلیمات سے حاصل کرنا ہو گی۔ یہی وہ سبق ہے جس کے پڑھنے سے انسان کے اندر کی دنیا میں انقلاب آتا ہے۔ اسی اکسیر سے اُس کی قلب ماہیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے مٹی کا یہ انبار یکایک شمشیر بے زنہار کا روپ دھار لیتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس لطیف نکتے کی وضاحت اس طرح کی ہے: ؎

چوں بجاں در رفت جاں دِیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یعنی جب یہ قرآن کسی انسان کے دل کے اندر اتر جاتا ہے تو اُس کے دل اور اُس کی روح کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ اور ایک بندۂ مؤمن کے اندر کا یہی انقلاب بالآخر عالمی انقلاب کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾﴾ ''اور یہ کہ اللہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

آیت ۵۴ ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ﴾ ''جیسا کہ معاملہ ہوا آلِ فرعون کا اور جو اُن

سے پہلے تھے۔''

﴿كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ ''انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا تو ہم نے اُن کو ہلاک کر ڈالا اُن کے گناہوں کی پاداش میں''

﴿وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝﴾ ''اور آلِ فرعون کو ہم نے غرق کر دیا' اور یہ سب کے سب ظالم تھے۔''

آیت ۵۵ ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ ''یقیناً بدترین چوپائے اللہ کے نزدیک یہی لوگ ہیں جو کفر کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔''

یہی بات اس سے پہلے ہم سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۹ میں بھی پڑھ چکے ہیں کہ ایسے لوگ بظاہر انسان نظر آتے ہیں' لیکن حقیقت میں وہ انسان نہیں ہیں: ﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ﴾ یعنی حقیقت میں وہ لوگ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گزرے ہیں۔ ان ہی لوگوں کو یہاں ''شَرَّ الدَّوَآبِّ'' کہا گیا ہے' کہ یہی وہ حیوان نما انسان ہیں جو تمام جانوروں سے بدتر ہیں' جو ایمان کی نعمت کے مقابلے میں کفر کی روش اختیار کر کے دنیا کی لذتوں پر ریجھ گئے ہیں۔

آیت ۵۶ ﴿اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝﴾ ''وہ لوگ جن سے (اے نبی ﷺ) آپ نے معاہدہ کیا تھا' پھر وہ ہر مرتبہ اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور وہ (اس بارے میں) ڈرتے نہیں ہیں۔''

یہ اشارہ یہودِ مدینہ کی طرف ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے آتے ہی یہودیوں سے مذاکرات شروع کیے اور نتیجتاً مدینہ کے تینوں یہودی قبائل سے شہر کے مشترکہ دفاع کا معاہدہ کر لیا۔ پروفیسر منٹگمری واٹ (۱۹۰۹ء تا ۲۰۰۶ء) نے اس معاہدے کو آنحضور ﷺ کا ایک بہت بڑا مدبرانہ کارنامہ قرار دیا ہے۔ اُس نے اس سلسلے میں آپ ﷺ کی معاملہ فہمی اور سیاسی بصیرت کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ظاہری طور پر اگرچہ یہودی اس معاہدے کے پابند رہے مگر خفیہ طور پر وہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں سے بھی باز نہیں آتے تھے۔ انہوں نے ہر مشکل مرحلے پر اس معاہدے کا پاس نہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کی' حتیٰ کہ غزوۂ احزاب کے انتہائی نازک موقع پر قریش کو خفیہ طور پر پیغامات بھجوائے کہ آپ لوگ باہر سے شہر پر حملہ کر دیں' ہم اندر سے تمہاری مدد کریں گے۔

آیت ۵۷ ﴿فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝﴾ ''تو اگر آپؐ انہیں جنگ میں پا جائیں تو ان کو ایسی سزا دیں کہ جو ان کے پیچھے ہیں ان کو بھی خوف زدہ کر دیں' تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔''

یہ یہودی آپ لوگوں کے خلاف کفارِ مکہ کے ساتھ مل کر خفیہ طور پر سازشیں تو ہر وقت ہی کرتے رہتے ہیں' لیکن اگر ان میں سے کچھ لوگ قریش کی طرف سے لڑتے ہوئے کبھی میدانِ جنگ میں پکڑے جائیں تو ان کو ایسی عبرت ناک سزا دو کہ قریشِ مکہ جو پیچھے بیٹھ کر ان کی ڈوریں ہلا رہے ہیں اور اِن سازشوں کی منصوبہ بندیاں کر رہے ہیں اُن کے ہوش بھی ٹھکانے آ جائیں۔

آیت ۵۸ ﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْۢبِذْ اِلَیْہِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ﴾ ''اور اگر آپؐ کو اندیشہ ہو جائے کسی قوم کی طرف سے بدعہدی کا تو پھینک دیجیے (ان کا معاہدہ) ان کی طرف کھلم کھلا۔''

پچھلی آیات میں انفرادی فعل کے طور پر معاہدے کی خلاف ورزی کا ذکر تھا۔ مثلاً کسی قبیلے کا کوئی فرد اس طرح کی کسی سازش میں ملوث پایا جائے تو ممکن ہے ایسی صورت میں اس کے قبیلے کے لوگ یا سردار اس سے بریٔ الذمہ ہو جائیں کہ یہ اس شخص کا ذاتی اور انفرادی فعل ہے اور اجتماعی طور پر ہمارا قبیلہ بدستور معاہدے کا پابند ہے۔ لیکن اس آیت میں قومی سطح پر اس مسئلے کا حل بتایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ! اگر آپ کو کسی قوم یا قبیلے کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں آپ ان کے معاہدے کو علی الاعلان منسوخ (abrogate) کر دیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اخلاق کے جس معیار پر دیکھنا چاہتا ہے اس میں یہ ممکن نہیں کہ بظاہر معاہدہ بھی قائم رہے اور اندرونی طور پر متعلقہ فریق کے خلاف اقدام کی منصوبہ بندی بھی ہوتی رہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ایسی صورت میں آپ (ﷺ) کھلم کھلا یہ اعلان کر دیں کہ آج سے میرے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں۔

مولانا مودودیؒ نے ۱۹۴۸ء میں جہادِ کشمیر کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار اسی قرآنی حکم کی روشنی میں کیا تھا' کہ ہندوستان کے ساتھ ہمارے سفارتی تعلقات کے ہوتے ہوئے یہ اقدام قرآن اور شریعت کی رو سے غلط ہے اور اسلام کے نام پر بننے والی مملکت کی حکومت کو ایسی پالیسی زیب نہیں دیتی۔ پاکستان کو اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنی پالیسی کا کھلم کھلا اعلان کرنا چاہیے۔ میز کے اوپر باہمی تعاون کے معاہدے کرنا' دوستی کے ہاتھ بڑھانا اور میز کے نیچے سے ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنا دنیا داروں کا وطیرہ تو ہو سکتا ہے اہل ایمان کا طریقہ نہیں۔ مولانا مودودیؒ کی یہ رائے اگرچہ اس آیت کی روح کے عین مطابق تھی مگر اُس وقت اُن کی اس رائے کے خلاف عوام میں خاصا اشتعال پیدا ہو گیا تھا۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۸﴾﴾ ''یقیناً اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

آیات ۵۹ تا ۶۶

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّہُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوْا لَہُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْہِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِہِمْ ۚ لَا

تَعۡلَمُوۡنَهُمۡ ۚ اَللّٰهُ يَعۡلَمُهُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا
تُظۡلَمُوۡنَ ۝ وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ
الۡعَلِيۡمُ ۝ وَاِنۡ يُّرِيۡدُوۡۤا اَنۡ يَّخۡدَعُوۡكَ فَاِنَّ حَسۡبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِىۡۤ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ
وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ ۝ وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَيۡنَ
قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسۡبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ
ع ۸ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَرِّضِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عَلَى الۡقِتَالِ ؕ اِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ
عِشۡرُوۡنَ صٰبِرُوۡنَ يَغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفًا مِّنَ الَّذِيۡنَ
كَفَرُوۡا بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ۝ اَلۡـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنۡكُمۡ وَعَلِمَ اَنَّ فِيۡكُمۡ ضَعۡفًا ؕ فَاِنۡ
يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغۡلِبُوۡا مِائَتَيۡنِ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مِّنۡكُمۡ اَلۡفٌ يَّغۡلِبُوۡۤا اَلۡفَيۡنِ بِاِذۡنِ
اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ ۝

آیت ۵۹ ﴿وَلَا يَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَبَقُوۡا ؕ﴾ ''اور نہ سمجھیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے کہ وہ بچ نکلے ہیں۔''

غزوۂ بدر میں کفار کے ایک ہزار افراد میں سے بہت سے لوگ صحیح سلامت بچ بھی نکلے تھے۔ یہ اُن کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ وہ واقعی بچ نکلے ہیں۔

﴿اِنَّهُمۡ لَا يُعۡجِزُوۡنَ ۝﴾ ''وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکیں گے۔''

وہ ہمارے قابو سے باہر نہیں جا سکیں گے۔

آیت ۶۰ ﴿وَاَعِدُّوۡا لَهُمۡ مَّا اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ قُوَّةٍ وَّمِنۡ رِّبَاطِ الۡخَيۡلِ﴾ ''اور تیار رکھو اُن کے (مقابلے کے) لیے اپنی استطاعت کی حد تک طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے''

یہاں مسلمانوں کو واضح طور پر حکم دیا جا رہا ہے کہ اب جبکہ تمہاری تحریک تصادم کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے تو تم لوگ اپنے وسائل کے مطابق' مقدور بھر فنِ حرب کی صلاحیت و اہلیت' اسلحہ اور گھوڑے وغیرہ جہاد کے لیے تیار رکھو۔ اگرچہ ایک مؤمن کو توکل صرف اللہ کی نصرت پر ہی کرنا چاہیے' مگر توکل کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہے اور امید رکھے کہ سب کچھ اللہ کی مدد سے ہی ہو جائے گا۔ بلکہ توکل یہ ہے کہ اپنی استطاعت کے مطابق اپنے تمام ممکنہ مادی اور تکنیکی وسائل مہیا رکھے جائیں اور پھر اللہ کی نصرت پر توکل کیا جائے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے خلاف بھرپور دفاعی صلاحیت حاصل کرنے کی حتی الوسع کوشش کرنے کے حوالے سے بہت واضح حکم دیا گیا ہے۔ تیاری کا یہ حکم ہر دور کے لیے ہے۔ آج اگر اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ایٹمی صلاحیت سے نوازا ہے تو یہ صلاحیت ملک و قوم کی قوت و طاقت کی علامت بھی ہے اور تمام عالمِ اسلام

کی طرف سے پاکستان کے پاس ایک امانت بھی۔ اگر اس سلسلے میں کسی دباؤ کے تحت‘ کسی بھی قسم کا کوئی سمجھوتہ (compromise) کیا گیا تو یہ اللہ‘ اُس کے دین اور تمام عالم اسلام سے ایک طرح کی خیانت ہوگی۔ لہٰذا آج وقت کی یہ اہم ضرورت ہے کہ پاکستانی قوم اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہتے ہوئے اس سلسلے میں جرأت مندانہ پالیسی اپنائے‘ تاکہ اس کے دشمنوں کے لیے ایٹمی ہتھیاروں کی صورت میں قوتِ مزاحمت کا توازن (deterrence) قائم رہے۔

﴿تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ ''(تاکہ) تم اس سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈرا سکو‘‘

﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ﴾ ''اور کچھ دوسروں کو (بھی) جو ان کے علاوہ ہیں‘ تم انہیں نہیں جانتے‘ اللہ انہیں جانتا ہے۔‘‘

یعنی تمہاری آستینوں کے سانپ منافقین جو درپردہ تمہاری تباہی اور بربادی کے درپے رہتے ہیں۔ تمہاری نظروں سے تو وہ چھپے ہوئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے۔

﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝﴾ ''اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا ثواب پورا پورا تمہیں دیا جائے گا اور تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔‘‘

یعنی اگر اسلحہ خریدنا ہے‘ ساز و سامان فراہم کرنا ہے‘ گھوڑے تیار کرنے ہیں تو اس سب کچھ کے لیے اخراجات تو ہوں گے۔ لہٰذا جنگی تیاری کے حکم کے ساتھ ہی انفاق فی سبیل اللہ کا حکم بھی آ گیا‘ اس ضمانت کے ساتھ کہ جو کوئی جتنا اس سلسلے میں اللہ کے رستے میں خرچ کرے گا اس کو وعدے کے مطابق پورا پورا اجر دیا جائے گا اور کسی کی ذرّہ برابر بھی حق تلفی نہیں ہوگی۔ یہاں انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں سورۃ البقرۃ کے رکوع ۳۶ اور ۳۷ میں دیے گئے اَحکام کو ذہن میں دوبارہ تازہ کرنے کی ضرورت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! اب تمہاری تحریک کا وہ مرحلہ شروع ہو چکا ہے جہاں تمہارا جنگ کے لیے ممکن حد تک بھرپور تیاری کرنا اور بہتر سے بہتر اسلحہ حاصل کرنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ لہٰذا اب آگے بڑھو اور اس عظیم مقصد کے لیے دل کھول کر خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک کے بدلے سات سو تک دینے کا وعدہ کر چکا ہے‘ بلکہ یہ بھی آخری حد نہیں ہے۔ جذبۂ ایثار و خلوص جس قدر زیادہ ہوگا یہ اجر و ثواب اسی قدر بڑھتا چلا جائے گا۔ لہٰذا اپنا مال سینت سینت کر رکھنے کے بجائے اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالو‘ تاکہ دنیا میں اللہ کے دین کے غلبے کے لیے کام آ جائے اور آخرت میں تمہاری فلاح کا ضامن بن جائے۔

آیت ۶۱ ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اگر وہ اپنے بازو جھکا دیں امن کے لیے تو آپ بھی جھک جائیں اس کے لیے‘‘

اگر مخالف فریق صلح پر آمادہ نظر آئے تو آپ ﷺ بھی امن کی خاطر مناسب شرائط پر اُن سے صلح کر لیں۔

﴿وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱﴾ ''اور اللہ پر توکّل کیجیے' یقیناً وہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

یعنی آپؐ اُن کی منفی چالوں سے فکر مند نہ ہوں' اللہ پر توکل رکھیں اور صلح کا جواب صلح سے ہی دیں۔

آیت ۶۲ ﴿وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ﴾ ''اور اگر وہ ارادہ رکھتے ہوں آپؐ کو دھوکہ دینے کا' تب بھی (آپؐ گھبرائیے نہیں) آپؐ کے لیے اللہ کافی ہے۔''

گویا ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی ضمانت دی جارہی ہے۔

﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲﴾ ''وہی تو ہے (اللہ) جس نے آپؐ کی مدد کی ہے اپنی نصرت سے اور اہل ایمان کے ذریعے سے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے آپؐ کو ایسے مخلص اور جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم عطا کیے کہ جہاں آپؐ کا پسینہ گرا وہاں انہوں نے اپنے خون کی ندیاں بہادیں۔ اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی امداد کی شان اس وقت خصوصی طور پر نکھر کر سامنے آتی ہے جب ہم محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے مقابلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کا طرزِ عمل دیکھتے ہیں۔ جب حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے فرمایا کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلو' تو انہوں نے صاف کہہ دیا تھا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝۲۴﴾ (المائدۃ) ''تو جائیے آپؐ اور آپؐ کا رب دونوں جاکر لڑیں' ہم تو یہاں بیٹھے ہیں''۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیزاری سے یہاں تک کہہ دیا تھا: ﴿رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۵﴾ ''اے میرے رب! میں تو اپنی جان اور اپنے بھائی کے علاوہ کسی پر کوئی اختیار نہیں رکھتا' لہٰذا آپ ہمارے اور اس فاسق قوم کے درمیان علیحدگی کر دیں۔''

اس کے مقابلے میں اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندازِ اخلاص اور جذبہ جاں نثاری کی مثال ملاحظہ ہو۔ غزوۂ بدر سے پہلے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ صفراء پر صحابہؓ سے مشاورت کی (اور یہ بڑی کانٹے دار مشاورت تھی) تو کچھ لوگ مسلسل زور دیتے رہے کہ ہمیں قافلے کی طرف چلنا چاہیے۔ ان لوگوں کے دلائل واقعتاً بہت ٹھوس اور مؤثر تھے' مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار فرمادیتے کہ کچھ اور لوگ بھی مشورہ دیں! اس پر مہاجرین میں سے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جدھر آپؐ کا رب آپؐ کو حکم دے رہا ہے آپؐ اسی طرف چلیے' آپؐ ہمیں حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں کی طرح نہ سمجھئے' جنہوں نے کہہ دیا تھا: ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾۔ ہم آپؐ کے ساتھی ہیں' آپؐ جو حکم دیں ہم حاضر ہیں۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدّیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اظہارِ خیال فرمایا' لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے کہ بیعتِ عقبہ ثانیہ کے موقع پر انصار نے یہ وعدہ تو کیا تھا کہ مدینہ پر حملہ ہوا تو وہ لوگ آپؐ کی حفاظت کریں گے' لیکن یہاں معاملہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کا تھا' لہٰذا جنگ کا فیصلہ انصار کی رائے معلوم کیے بغیر نہیں

کیا جا سکتا تھا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی منشا کو بھانپ لیا' لہٰذا وہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ شاید آپؐ کا روئے سخن ہماری (انصار کی) طرف ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں! اس پر انہوں نے کہا: لَقَدْ اٰمَنَّا بِكَ وَصَدَّقْنَاكَ ...... ہم آپؐ پر ایمان لا چکے ہیں' ہم آپؐ کی تصدیق کر چکے ہیں' ہم آپؐ کو اللہ کا رسول مان چکے ہیں اور آپؐ سے سمع و طاعت کا پختہ عہد باندھ چکے ہیں' اب ہمارے پاس آپؐ کے حکم کی تعمیل کے علاوہ کوئی راستہ (option) نہیں ہے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' اگر آپؐ اپنی سواری اس سمندر میں ڈال دیں گے تو ہم بھی آپ کے پیچھے اپنی سواریاں سمندر میں ڈال دیں گے۔ اور خدا کی قسم' اگر آپؐ ہمیں کہیں گے تو ہم برک الغماد (یمن کا شہر) تک جا پہنچیں گے' چاہے اس میں ہماری اونٹنیاں لاغر ہو جائیں۔ ہم کو یہ ہرگز ناگوار نہیں ہے کہ آپؐ کل ہمیں لے کر دشمن سے جا ٹکرائیں۔ ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے' مقابلہ میں سچی جاں نثاری دکھائیں گے' اور بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو ہم سے وہ کچھ دکھوا دے جسے دیکھ کر آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ پس اللہ کی برکت کے بھروسے پر آپؐ ہمیں لے چلیں! حضرت سعدؓ کی اس تقریر کے بعد حضور ﷺ کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور آپؐ نے بدر کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ یہ ایک جھلک ہے اُس مدد کی جو اللہ کی طرف سے آپ ﷺ کے انتہائی سچے اور مخلص صحابہؓ کی صورت میں حضور ﷺ کے شاملِ حال تھی۔

آیت ۶۳ ﴿وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''اور اِن (اہلِ ایمان) کے دلوں میں اُس نے الفت پیدا کر دی۔ اگر آپؐ زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر دیتے تو اِن کے دلوں میں یہ اُلفت پیدا نہیں کر سکتے تھے''

﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ﴾ ''لیکن یہ تو اللہ نے اُن کے مابین (ایسی) الفت پیدا کر دی۔''

سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۰۳ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فضلِ خاص کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ﴾ ''اور اپنے اوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ ایک دوسرے کے دشمن تھے' پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی تو اُس کی نعمت سے تم بھائی بھائی بن گئے' اور تم لوگ تو آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے جہاں سے اللہ نے تمہیں بچایا ہے۔''

﴿اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۶۳﴾ ''یقیناً وہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

آیت ۶۴ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۶۴﴾ ''اے نبی! (ﷺ) آپ کے لیے کافی ہے اللہ اور وہ جو پیروی کر رہے ہیں آپ کی اہلِ ایمان میں سے۔''

اگر اس آیت کو پچھلی آیت کے ساتھ تسلسل سے پڑھا جائے تو اس کا ترجمہ یہی ہوگا جو اوپر کیا گیا ہے' لیکن اس کا دوسرا ترجمہ یوں ہوگا: ''اے نبی (ﷺ) اللہ کافی ہے آپ کے لیے بھی اور جو آپ کی پیروی کرنے والے

مسلمان ہیں اُن کے لیے بھی''۔عبارت کا انداز ایسا ہے کہ اس میں یہ دونوں مفاہیم آ گئے ہیں۔

آیت ۶۵ ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ ؕ﴾ ''اے نبی! (ﷺ) ترغیب دلایئے اہلِ ایمان کو قتال کی۔''

ہجرت کے بعد ۹ سال تک قتال کے لیے ترغیب' تشویق اور تحریص کے ذریعے ہی زور دیا گیا۔ یہ تحریص گاڑھی ہو کر ''تحریض'' بن گئی۔ اُس دور میں مجاہدین کی فضیلت بیان کی گئی' اِن سے بلند درجات کا وعدہ کیا گیا (النساء:۹۵) مگر قتال کو ہر ایک کے لیے فرضِ عین قرار نہیں دیا گیا۔ لیکن ۹ ہجری میں غزوۂ تبوک کے موقع پر جہاد کے لیے نکلنا تمام اہل ایمان پر فرض کر دیا گیا۔ اس وقت تمام اہلِ ایمان کے لیے نفیرِ عام تھی اور کسی کو بلا عذر پیچھے رہنے کی اجازت نہیں تھی۔

﴿اِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ۚ﴾ ''اگر تم میں سے بیس افراد ہوں گے صبر کرنے والے (ثابت قدم) تو وہ دو سو افراد پر غالب آ جائیں گے''

﴿وَاِنْ یَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ ''اور اگر ہوں گے تم میں سے سو افراد تو وہ غالب آ جائیں گے کُفّار کے ایک ہزار افراد پر''

﴿بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ۝۶۵﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔''

یہاں سمجھ نہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ انہیں اپنے موقف کی سچائی کا یقین نہیں ہے۔ ایک طرف وہ شخص ہے جسے اپنے نظریے اور موقف کی حقانیت پر پختہ یقین ہے' اس کا ایمان ہے کہ وہ حق پر ہے اور حق کے لیے لڑ رہا ہے۔ دوسری طرف اس کے مقابلے میں ایک ایسا شخص ہے جو نظریاتی طور پر ڈانواں ڈول ہے' وہ یا تو کسی کا تنخواہ یافتہ ہے یا کسی کے حکم پر مجبور ہو کر لڑ رہا ہے۔ اب ان دونوں اشخاص کی کارکردگی میں زمین و آسمان کا فرق ہو گا۔ چنانچہ کفار کو جنگ میں ثابت قدمی اور استقلال کی وہ کیفیت حاصل ہو ہی نہیں سکتی جو نظریے کی سچائی پر جان قربان کرنے کے جذبے سے پیدا ہوتی ہے۔ دونوں اطراف کے افراد کی نظریاتی کیفیت کے اسی فرق کی بنیاد پر کفار کے ایک سو افراد کے مقابلے میں دس مسلمانوں کو کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے۔ اس کے بعد والی آیت اگرچہ زمانی لحاظ سے کچھ عرصہ بعد نازل ہوئی مگر مضمون کے تسلسل کے باعث یہاں شامل کر دی گئی ہے۔

آیت ۶۶ ﴿اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْكُمْ ضَعْفًا ؕ﴾ ''اب اللہ نے تم پر سے تخفیف کر دی ہے اور اللہ کے علم میں ہے کہ تمہارے اندر کچھ کمزوری آ گئی ہے۔''

یہ کس کمزوری کا ذکر ہے اور یہ کمزوری کیسے آئی؟ اس نکتے کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک مہاجرین اور انصار میں سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق ہے جو سابقون الاوّلون میں سے تھے تو ان کے اندر (معاذ اللہ) کسی قسم کی بھی کوئی کمزوری نہیں تھی' لیکن جو لوگ نئے مسلمان ہو رہے تھے ان کی تربیت ابھی اس انداز میں نہیں ہو پائی تھی جیسے پرانے لوگوں کی ہوئی تھی۔ ان کے دلوں میں ابھی ایمان پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا۔ دوسری طرف یہ حقیقت بھی اپنی جگہ بہت اہم تھی کہ مسلمانوں کی مجموعی تعداد میں ایسے نئے لوگوں کا تناسب

روز بروز بڑھ رہا تھا۔ مثلاً اگر پہلے ہزار لوگوں میں پچاس یا سو نئے لوگ تھے تو اب ان کی تعداد خاصی زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔ لہٰذا اوسط کے اعتبار سے مسلمانوں کی صفوں میں پہلے کی نسبت اب کمزوری آ گئی تھی۔

﴿فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ﴾ ''پس اگر تم میں ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے۔''

﴿وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور اگر تم میں ایک ہزار ہوں گے تو وہ دو ہزار پر غالب آ جائیں گے اللہ کے حکم سے۔''

﴿وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۶۶﴾ ''اور یقیناً اللہ صبر کرنے والوں (ثابت قدم رہنے والوں) کے ساتھ ہے۔''

آیات ۶۷ تا ۷۱

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ
الدُّنْيَا ڰ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۷ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ
فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۶۸ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ڮ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۶۹ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ ع ۵
قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷۰ وَاِنْ
يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۷۱

آیت ۶۷ ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ﴾ ''کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اُس کے قبضے میں قیدی ہوں جب تک کہ وہ (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں خوب خونریزی نہ کر دے۔''

یہ آیت غزوۂ بدر میں پکڑے جانے والے قیدیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ غزوۂ بدر میں قریش کے ستر لوگ قیدی بنے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے مشاورت کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ نرمی کی جائے اور فدیہ وغیرہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ خود حضور ﷺ چونکہ رؤف و رحیم اور رقیق القلب تھے اس لیے آپؐ کی بھی یہی رائے تھی۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس اعتبار سے بہت سخت گیر تھے (اَشَدُّ هُمْ فِی اَمْرِ اللّٰهِ عُمَر)۔ آپؓ کی رائے یہ تھی کہ یہ لوگ آزاد ہو کر پھر کفر کے لیے تقویت کا باعث بنیں گے اس لیے جب تک کفر کی کمر پوری طرح ٹوٹ نہیں جاتی ان کے ساتھ نرمی نہ کی جائے۔ آپؓ کا اصرار تھا کہ تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے بلکہ مہاجرین اپنے قریب ترین عزیزوں کو خود اپنے ہاتھوں سے قتل کریں۔ بعد میں ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنے کا فیصلہ ہوا اور اس پر عمل درآمد بھی ہو گیا۔ اس فیصلے پر اس آیت کے ذریعے

گرفت ہوئی کہ جب تک باطل کی کمر پوری طرح سے توڑ نہ دی جائے اُس وقت تک حملہ آور کفار کو جنگی قیدی بنانا درست نہیں۔ انہیں قیدی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زندہ رہیں گے' اور آج نہیں تو کل انہیں چھوڑنا ہی پڑے گا۔ لہٰذا وہ پھر سے باطل کی طاقت کا سبب بنیں گے اور پھر سے تمہارے خلاف لڑیں گے۔

﴿تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ﴾ ''تم دنیا کا ساز و سامان چاہتے ہو!''

یہ فدیے کی طرف اشارہ ہے۔ اب نہ تو رسول اللہ ﷺ کی یہ نیت ہو سکتی تھی (معاذ اللہ!) اور نہ ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی' لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ ایسا ہے کہ اُس کے ہاں جب اپنے مقرب بندوں کی گرفت ہوتی ہے تو الفاظ بظاہر بہت سخت استعمال کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان الفاظ میں بھی ایک طرح کی سختی موجود ہے' لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات نہ حضور ﷺ کے لیے ہے اور نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے۔

﴿وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۷﴾ ''اور اللہ کے پیش نظر آخرت ہے۔ اور اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔''

آیت ۶۸ ﴿لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۶۸﴾ ''اگر اللہ کی طرف سے بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو جو کچھ (فدیہ وغیرہ) تم نے لیا ہے اس کے باعث تم پر بڑا سخت عذاب آتا۔''

اس سے مراد سورۂ محمدؐ کا وہ حکم ہے (آیت ۴) جو بہت پہلے نازل ہو چکا تھا۔ اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ سورۂ محمدؐ کے مطالعے کے دوران پڑھیں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حکم کی تعبیر (interpretation) میں کس طرح فدیہ لینے کی گنجائش نکالی تھی۔ یہ دراصل قانون کی تشریح و تعبیر کا معاملہ ہے۔ جیسا کہ سورۃ الزمر کی آیت ۱۸ میں ارشاد ہے: ﴿الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ﴾ یعنی وہ لوگ جو کسی بات کو سن کر پیروی کرتے ہیں اُس میں سے بہترین کی اور اس کے اعلیٰ ترین درجہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ اس قانون کی تعبیر میں بھی ایسے ہی ہوا۔ چونکہ مذکورہ حکم کے اندر یہ گنجائش یا رعایت موجود تھی اس لیے حضور ﷺ نے اپنی طبیعت کی نرمی کے سبب اس کو اختیار فرما لیا۔ آیت زیر نظر کے اندر سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے کہ سورۂ محمدؐ میں نازل شدہ حکم میں رعایت کی یہ گنجائش موجود تھی' اسی لیے تو اس حکم کا حوالہ دے کر فرمایا گیا کہ اگر وہ حکم پہلے نازل نہ ہو چکا ہوتا تو جو بھی تم نے فدیہ وغیرہ لیا ہے اس کے باعث تم پر بڑا عذاب آتا۔ روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس آیت کے نزول کے بعد کئی دن تک روتے رہے۔ بہرحال اس فیصلے میں کسی صریح حکم کی خلاف ورزی نہیں تھی اور جو بھی رائے اختیار کی گئی تھی وہ اجتہادی تھی اور آپ ﷺ نے اجتہاد کے ذریعے اس حکم میں سے نرمی اور رعایت کا ایک پہلو اختیار فرمایا تھا۔

آیت ۶۹ ﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ڮ﴾ ''تو اب کھاؤ جو کچھ تمہیں ملا ہے غنیمت میں سے (کہ وہ تمہارے لیے) حلال اور طیب (ہے)''

ایک مالِ غنیمت تو وہ تھا جو مسلمانوں کو عین حالت جنگ میں ملا تھا' اور دوسرے اس مال کو بھی غنیمت قرار

دے کر بلا کراہت حلال اور جائز قرار دے دیا گیا جو قیدیوں سے بطور فدیہ حاصل کیا گیا تھا۔

﴿وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾﴾ ''اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو' یقیناً اللہ بخشنے والا' رحم فرمانے والا ہے۔''

آیت ۷۰ ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ﴾ ''اے نبی (ﷺ) کہہ دیجیے اُن لوگوں سے جو آپ کے قبضے میں قیدی ہیں''

اس آیت کا مفہوم سمجھنے کے لیے پس منظر کے طور پر غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں دو باتیں ذہن میں رکھیے۔ ایک تو ان قیدیوں میں بہت سے وہ لوگ بھی شامل تھے جو اپنی مرضی سے جنگ لڑنے نہیں آئے تھے۔ بلکہ وہ اپنے سرداروں کے دباؤ یا بعض دوسری مصلحتوں کے تحت بادلِ نخواستہ جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ دوسری اہم بات اُن کے بارے میں یہ تھی کہ ان میں سے بہت سے لوگ بعض مسلمانوں کے بہت قریبی رشتہ دار تھے۔ جیسے خود نبی اکرم ﷺ کے حقیقی چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بھی ان قیدیوں میں شامل تھے۔ ان کے بارے میں گمانِ غالب یہی ہے کہ وہ ایمان تو پہلے سے لا چکے تھے مگر اس وقت تک انہوں نے اپنے ایمان کا اعلان نہیں کیا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عباسؓ جن رسیوں میں بندھے ہوئے تھے اُن کے بند بہت سخت تھے۔ وہ تکلیف کے باعث جب کراہتے تو حضور ﷺ اُن کی آواز سن کر بے چین ہو جاتے تھے' مگر آپ ﷺ نے اُن کے لیے کسی رعایت کی خواہش کا اظہار نہ فرمایا۔ تاہم جب اُن کی تکلیف آپؐ کی طبیعت پر زیادہ گراں گزری تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کے بند ڈھیلے کر دیے جائیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کے داماد ابوالعاص بھی قید ہو کر آئے تھے اور جب آپؐ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کو چھڑانے کے لیے اپنا ہار فدیے کے طور پر بھیجا (یہ ہار اُنؓ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کی شادی کے موقع پر دیا تھا) تو حضور ﷺ کے لیے بڑی رقت آمیز صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ آپ ﷺ نے جب وہ ہار دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزاری ہوئی ساری زندگی' آپؐ کی خدمت گزاری اور وفا شعاری کی یاد مجسم ہو کر نگاہوں کے سامنے آ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگ اگر اجازت دیں تو یہ ہار واپس کر دیا جائے تاکہ ماں کی نشانی بیٹی کے پاس ہی رہے۔ چنانچہ سب کی اجازت سے وہ ہار واپس بھجوا دیا گیا ــــ قیدیوں کے بارے میں دوسری اہم بات یہ تھی کہ ان کے ساتھ اکثر مہاجرین کے بہت گہرے خونی رشتے تھے' اس لیے کہ یہ سب لوگ ایک ہی خاندان اور ایک ہی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔

تو فرمایا گیا کہ اے نبی (ﷺ) آپؐ کے قبضے میں جو قیدی ہیں آپؐ ان سے کہہ دیجیے:

﴿اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ﴾ ''اگر اللہ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی پائے گا تو جو کچھ تم سے لے لیا گیا ہے وہ اس سے بہتر تمہیں دے دے گا''

یعنی تمہاری نیتوں کا معاملہ تمہارے اور اللہ کے مابین ہے' جبکہ برتاؤ تمہارے ساتھ خالصتاً قانون کے مطابق ہوگا۔ تم سب لوگ جنگ میں کفار کا ساتھ دینے کے لیے آئے تھے اور اب قانوناً جنگی قیدی ہو۔ جنگ میں

کوئی اپنی خوشی سے آیا تھا یا مجبوراً، کوئی دل میں ایمان لے کر آیا تھا یا کفر کی حالت میں آیا تھا، ان سب باتوں کی حقیقت کو اللہ خوب جانتا ہے، وہ یقیناً دلوں کی نیتوں کے مطابق ہی تم سب کے ساتھ معاملہ کرے گا اور جس کے دل میں خیر اور بھلائی پائے گا اُس کو بہت بہتر انداز میں اس بھلائی کا صلہ دے گا۔

﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾﴾ ''اور تمہیں بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۷۱ ﴿وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور اگر یہ لوگ آپ سے خیانت کرنا چاہیں تو اس سے پہلے یہ اللہ سے بھی خیانت کرتے رہے ہیں''

﴿فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾﴾ ''تو اللہ نے اُن کو پکڑوا دیا۔ اور اللہ جاننے والا، حکمت والا ہے۔''

یعنی ان قیدیوں میں ایسے بھی ہوں گے جو آپ ﷺ سے جھوٹ بولیں گے، جھوٹے بہانے بنائیں گے، بے جا معذرتیں پیش کریں گے۔ تو اس نوعیت کی خیانتیں یہ اللہ سے بھی کرتے رہے ہیں اور ان کے ایسے ہی کرتوتوں کی پاداش میں ان کو یہ سزا دی گئی ہے کہ اب یہ لوگ آپ ﷺ کے قابو میں ہیں۔

اگلی آیات کی حیثیت اس سورۂ مبارکہ کے ''حاصل کلام'' (concluding remarks) کی سی ہے۔

آیات ۷۲ تا ۷۵

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰي قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿٧٣﴾ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٥﴾ ع

آیت ۷۲ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ﴾ ''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور

جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں' اور وہ لوگ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور اُن کی مدد کی' یہ سب لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔''

مدینہ میں ہجرت کے بعد کا مسلمان معاشرہ دو علیحدہ علیحدہ گروہوں پر مشتمل تھا' ایک گروہ مہاجرین کا تھا اور دوسرا انصار کا۔ اگرچہ مہاجرین اور انصار کو بھائی بھائی بنایا جا چکا تھا' لیکن اس طرح کے تعلق سے پورا قبائلی نظام ایک دم تو تبدیل نہیں ہو جاتا۔ اُس وقت تک صورت حال یہ تھی کہ غزوۂ بدر سے پہلے جو آٹھ مہمات حضور ﷺ نے مختلف علاقوں میں بھیجیں ان میں آپؐ نے کسی انصاری صحابیؓ کو شریک نہیں فرمایا۔ انصار پہلی دفعہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ اس تاریخی حقیقت کو مدِّنظر رکھا جائے تو یہ نکتہ واضح ہو جاتا ہے کہ آیت کے پہلے حصے میں مہاجرین کا ذکر ہجرت کے علاوہ جہاد کی تخصیص کے ساتھ کیوں ہوا ہے؟ یعنی انصارِ مدینہ تو جہاد میں بعد میں شامل ہوئے' ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد تک تو جہادی مہمات میں حصہ صرف مہاجرین ہی لیتے رہے تھے۔ یہاں انصار کی شان یہ بتائی گئی: ﴿وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا﴾ کہ انہوں نے اپنے دلوں اور اپنے گھروں میں مہاجرین کے لیے جگہ پیدا کی اور ہر طرح سے ان کی مدد کی۔

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی' تمہارا (اب) اُن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں''

﴿حَتّٰی یُھَاجِرُوْا ۚ﴾ ''حتیٰ کہ وہ ہجرت کریں۔''

یعنی جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی اُن کے ساتھ تمہارا کوئی رشتۂ ولایت و رفاقت نہیں ہے۔ ایمانِ حقیقی تو ظاہر ہے دل کا معاملہ ہے جس کی کیفیت صرف اللہ جانتا ہے' لیکن قانونی تقاضوں کے لیے ان مخصوص حالات میں ایمان کا ظاہری معیار ہجرت کو قرار دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ النساء میں (جو اس سورت کے بعد نازل ہوئی ہے) ہجرت نہ کرنے والوں کو منافقین اور کفار جیسے سلوک کا مستحق قرار دیا گیا ہے کہ انہیں پکڑو اور قتل کرو (آیات ۸۹'۹۰) اِلا یہ کہ اُن کا تعلق کسی ایسے قبیلے سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو۔ چنانچہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد مکہ سے مدینہ ہجرت کی' انہوں نے اپنے ایمان کا عملی ثبوت فراہم کر دیا' جبکہ جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی مگر ایمان کے دعویدار رہے' انہیں قانونی طور پر مسلمان تسلیم نہیں کیا گیا۔ مثلاً بدر کے قیدیوں میں سے کوئی شخص اگر یہ دعویٰ کرتا کہ میں تو ایمان لا چکا تھا' جنگ میں تو مجبوراً شامل ہوا تھا' تو اس کا جواب اس اصول کے مطابق یہی تھا کہ چونکہ تم نے ہجرت نہیں کی' لہٰذا تمہارا شمار ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کے ساتھ مل کر تم جنگ کرنے آئے تھے۔ اس لحاظ سے اس آیت میں بھی روئے سخن اسیرانِ بدر ہی کی طرف ہے کہ ان میں سے اگر کوئی شخص اسلام کا دعویدار ہے تو وہ قانون کے مطابق فدیہ دے کر آزاد ہو' واپس مکہ جائے' پھر وہاں سے باقاعدہ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو تب اسے صاحبِ ایمان تسلیم کیا جائے گا۔ اس کے بعد وہ تمہارا حمایتی ہوگا اور تم اس کے حمایتی ہو گے۔

﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ﴾ ''اور اگر وہ تم سے دین کے معاملے میں مدد

مانگیں تو اُن کی مدد کرنا تم پر واجب ہے"
یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے لیکن مکہ میں ہی رہے یا اپنے اپنے قبیلے میں رہے اور اُن لوگوں نے ہجرت نہیں کی اگر وہ دین کے معاملے میں تم لوگوں سے مدد مانگیں تو تم اُن کی مدد کرو۔

﴿اِلَّا عَلٰی قَوۡمٍۭ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَہُمۡ مِّیۡثَاقٌ ؕ﴾ "مگر کسی ایسی قوم کے خلاف (نہیں) کہ اُن کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو۔"

اگرچہ دارالاسلام والوں پر ان مسلمانوں کی حمایت و مدافعت کی ذمہ داری نہیں ہے جنہوں نے دارالکفر سے ہجرت نہیں کی ہے، تاہم وہ دینی اخوت کے رشتہ سے خارج نہیں ہیں۔ چنانچہ اگر وہ اپنے مسلمان بھائیوں سے اس دینی تعلق کی بنا پر مدد کے طالب ہوں تو ان کی مدد کرنا ضروری ہے، بشرطیکہ یہ مدد کسی ایسے قبیلے کے مقابلے میں نہ مانگی جا رہی ہو جس سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ معاہدہ کا احترام بہرحال مقدم ہے۔

﴿وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۷۲﴾﴾ "اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔"

آیت ۷۳ ﴿وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ؕ﴾ "اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔"

عرب کے قبائلی معاشرے میں باہمی معاہدوں اور ولایت کا معاملہ بہت اہم ہوتا تھا۔ ایسے معاہدوں کی تمام ذمہ داریوں کو بڑی سنجیدگی سے نبھایا جاتا تھا۔ مثلاً اگر کسی شخص پر کسی قسم کا تاوان پڑ جاتا تو اس کے ولی اور حلیف اس کے تاوان کی رقم پوری کرنے کے لیے پوری ذمہ داری سے اپنا اپنا حصہ ڈالتے تھے۔ چنانچہ ولایت کی اہمیت کے پیش نظر یہاں دراصل اس کی شرائط اور حدود واضح کی جا رہی ہیں کہ کفار باہم ایک دوسرے کے حلیف ہیں، جب کہ اہلِ ایمان کا رشتہ ولایت آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہے۔ اس لحاظ سے وہ مسلمان جنہوں نے ہجرت نہیں کی، اُن کا اہلِ ایمان کے ساتھ ولایت کا تو کوئی رشتہ نہیں، لیکن اگر ایسے مسلمان مدد کے طلب گار ہوں تو اہلِ ایمان ضرور اُن کی مدد کریں، بشرطیکہ یہ مدد کسی ایسے قبیلے کے خلاف نہ ہو جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہو چکا ہے۔

﴿اِلَّا تَفۡعَلُوۡہُ تَکُنۡ فِتۡنَۃٌ فِی الۡاَرۡضِ وَ فَسَادٌ کَبِیۡرٌ ﴿ؕ۷۳﴾﴾ "اگر تم یہ (اِن قواعد و ضوابط کی پابندی) نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ پھیلے گا اور بہت بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔"

اے مسلمانو! تم لوگوں کا ہر کام قواعد و ضوابط کے مطابق ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا کوئی عمل زمین میں فتنہ و فساد کا سبب بن جائے۔ مثلاً مکہ میں اپنے قبیلے کے ہاتھوں اذیت کا شکار کوئی مسلمان اگر تم سے مدد مانگتا ہے تو تم اُس کی مدد ضرور کرو، لیکن اگر اس قبیلے نے تمہارے ساتھ امن کا معاہدہ کر رکھا ہے تو تم ایسا نہیں کر سکتے کہ اس کی مدد کے لیے اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کے قبیلے پر چڑھ دوڑو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی قسم کی وعدہ خلافی اور ناانصافی کو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ ایسی صورت میں اس مسلمان کو دوسرے تمام مسلمانوں کی طرح ہجرت کر کے دارالاسلام پہنچنا چاہیے اور اگر وہ ہجرت نہیں کر سکتا تو پھر وہاں جیسے بھی حالات ہوں اسے

چاہیے کہ وہ انہیں برداشت کرے۔ اب وہ آیت آ رہی ہے جس کا ذکر سورۃ کے آغاز میں پرکار (compass) کی تشبیہہ کے حوالے سے ہوا تھا۔

آیت ۷۴ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا﴾ ’’اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں (یعنی مہاجرین) اور وہ لوگ (انصارِ مدینہ) جنہوں نے انہیں پناہ دی اوران کی نصرت کی‘‘

﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ ’’یہی لوگ ہیں سچے مؤمن۔ اُن کے لیے ہے مغفرت اور رزقِ کریم۔‘‘

یہاں پر مہاجرین اور انصار کے دونوں گروہوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے مؤمنین صادقین کی خصوصیات کے حوالے سے ایک حقیقی مؤمن کی تعریف (definition) کے دوسرے رُخ کی جھلک دکھائی گئی ہے‘ جبکہ اس کے پہلے حصے یا رُخ کے بارے میں ہم اسی سورت کی آیت ۲ اور ۳ میں پڑھ آئے ہیں۔ لہٰذا آگے بڑھنے سے پہلے سورت کے آغاز کی مذکورہ آیات کے مضمون کو ایک دفعہ پھر ذہن میں تازہ کر لیجیے۔

اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ......)‘ یعنی کلمۂ شہادت‘ نماز‘ روزہ‘ حج اور زکوٰۃ۔ یہ پانچ ارکان ایک مسلمان کے لیے ضروری ہیں‘ لیکن حقیقی مؤمن ہونے کے لیے ان میں دو چیزوں کا مزید اضافہ کرنا ہوگا‘ جن کا ذکر ہمیں سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ میں ملتا ہے‘ یعنی ایمان میں زبان کی شہادت کے ساتھ ’’یقین قلبی‘‘ کا اضافہ ہوگا اور اعمال میں نماز‘ روزہ‘ حج اور زکوٰۃ کے ساتھ ’’جہاد فی سبیل اللہ‘‘ کا اضافہ۔ گویا یہ سات چیزیں یا سات شرطیں پوری ہوں گی تو تب ایک شخص بندۂ مؤمن کہلانے کا مستحق ہوگا۔ ایک بندۂ مؤمن کی شخصیت کا جو نقشہ اس سورت کی آیت ۲ اور ۳ میں دیا گیا ہے اس میں یقین والے ایمان کا خصوصی طور پر ذکر ہوا ہے۔ ان آیات کے مطابق ایک بندۂ مؤمن کا دل یقین والے ایمان کا حامل ہوتا ہے‘ اللہ کی یاد سے اُس کا دل لرز اُٹھتا ہے‘ وہ آیاتِ قرآنی پڑھتا ہے یا سنتا ہے تو اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ وہ ہر معاملے میں اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ رکھتا ہے‘ نماز قائم کرتا ہے‘ زکوٰۃ ادا کرتا ہے اور اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ اِن خصوصیات کے ساتھ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ﴾ (آیت ۴) کی مہر لگا کر وہاں پر بندۂ مؤمن کی شخصیت کا ایک رُخ یا ایک صفحہ مکمل کر دیا گیا۔

اب بندۂ مؤمن کی شخصیت کا دوسرا صفحہ یا رُخ آیت زیرِ نظر میں یوں سامنے آیا ہے کہ یہاں جہاد فی سبیل اللہ کو ایک لازمی شرط کے طور پر بندۂ مؤمن کی خصوصیات میں شامل کر دیا گیا ہے اور پھر اس پر بھی وہی مہر ثبت کی گئی ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ﴾ چنانچہ یہ دونوں رُخ مل کر مذکورہ سات خصوصیات یا شرائط کے ساتھ بندۂ مؤمن کی سیرت و شخصیت کی تصویر مکمل ہوگئی ہے۔ ایک شخصیت کی تصویر کے یہ دو رخ ایسے ہیں جن کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ گویا دو صفحات ہیں جن سے مل کر ایک ورق بنتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیتوں کے اندر یہ دونوں رخ ایک ساتھ پائے جاتے تھے‘ مگر جیسے جیسے اُمت زوال پذیر ہوئی‘ بندۂ مؤمن کی شخصیت کی

خصوصیات کے بھی حصے بخرے ہو گئے اور اب اس حوالے سے بقول علامہ اقبال صورت یہ ہے: ؎

اُڑائے کچھ ورق لالے نے' کچھ نرگس نے' کچھ گُل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

آج مسلمانوں کی مجموعی حالت یہ ہے کہ اگر کچھ حلقے ذکر کے لیے مخصوص ہیں تو اُن کو جہاد اور فلسفۂ جہاد سے کوئی سروکار نہیں۔ دوسری طرف جہادی تحریکیں ہیں تو اُن کو رُوحانی کیفیات سے شناسائی نہیں۔ لہٰذا آج اُمت کے دکھوں کا مداوا کرنے کے لیے ایسے اہل ایمان افراد کی ضرورت ہے جن کی شخصیات میں یہ دونوں رنگ اکٹھے ایک ساتھ جلوہ گر ہوں۔ جب تک مؤمنین صادقین کی ایسی شخصیات وجود میں نہیں آئیں گی' جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح دونوں پہلوؤں میں توازن ہو' اس وقت تک اُمتِ مسلمہ کی بگڑی تقدیر نہیں سنور سکتی۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی کیفیات کا پیدا ہونا تو آج ناممکنات میں سے ہے' لیکن کسی نہ کسی حد تک اُن ہستیوں کا عکس اپنی شخصیات میں پیدا کرنے اور ایک ہی شخصیت کے اندر ان دونوں طرح کی خصوصیات کا کچھ نہ کچھ توازن پیدا کرنے کی کوشش تو کی جا سکتی ہے۔ مثلاً آج اگر ان میں سے ایک نوعیت کی کیفیت ایک شخصیت کے اندر ۲۵ فیصد ہو اور دوسری قسم کی کیفیت بھی ۲۵ فیصد کے لگ بھگ ہو تو قابلِ قبول ہے۔ لیکن اگر کہیں ایسا ہے کہ روحانی کیفیت تو ۷۰ فیصد ہے مگر جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ صفر ہے یا جہاد کا جذبہ تو ۸۰ فیصد ہے مگر روحانیت کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتی تو ایسی شخصیت نظریاتی لحاظ سے غیر متوازن ہو گی۔ بہر حال ایک بندۂ مؤمن کی شخصیت کی تکمیل کے لیے مذکورہ دونوں رُخ ناگزیر ہیں۔ اِن کو اکٹھا کرنے اور ایک شخصیت میں توازن کے ساتھ جمع کرنے کی آج کے دور میں سخت ضرورت ہے۔

آیت ۷۵ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ﴾ ''اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا' تو (اے مسلمانو!) وہ تم میں سے ہی ہیں۔''

وہ تمہاری جماعت' اسی اُمت اور حزب اللہ کا حصہ ہیں۔

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور رحمی رشتے دار اللہ کے قانون میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔''

یعنی شریعت کے قوانین میں خون کے رشتے مقدم رکھے گئے ہیں۔ مثلاً وراثت کا قانون خون کے رشتوں کو بنیاد بنا کر ترتیب دیا گیا ہے۔ اسی طرح شریعت کے تمام قواعد و ضوابط میں رحمی رشتوں کی اپنی ایک ترجیحی حیثیت ہے۔ چنانچہ خونی رشتوں کی ان قانونی ترجیحات کو بھائی چارے اور ولایت کے تعلقات کے ساتھ گڈ مڈ نہ کیا جائے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٧٥﴾﴾ ''یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔''

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ' ونفعنى واياكم بالآيات والذكر الحكيم ○○

بیان القرآن

سُورَۃُ التَّوبَۃ

(۹)

سُورَةُ التَّوبَة

تمہیدی کلمات

سورۃ التوبہ کئی خطبات پر مشتمل ہے اور ان میں سے ہر خطبہ الگ پس منظر میں نازل ہوا ہے۔ جب تک ان مختلف خطبات کے پس منظر اور زمانہ نزول کا الگ الگ تعین درست انداز میں نہ ہو جائے' متعلقہ آیات کی درست توضیح وتشریح کرنا ممکن نہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس سورت کی تفسیر کرتے ہوئے پوری احتیاط سے تحقیق نہیں کی' وہ خود بھی مغالطوں کا شکار ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی شکوک وشبہات میں مبتلا کرنے کا باعث بنے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ سورت قرآن حکیم کی مشکل ترین سورت ہے اور اس کی تفہیم کے لیے انتہائی محتاط تحقیق اور گہرے تدبّر کی ضرورت ہے۔

<u>سورۃ التوبہ اور حضور ﷺ کی بعثت کے دو پہلو:</u> حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے قبل ہر پیغمبر کو ایک خاص علاقے اور خاص قوم کی طرف مبعوث کیا گیا' مگر آپؐ اپنی قوم (بنو اسماعیل) کی طرف بھی رسول بن کر آئے اور قیامت تک کے لیے پوری دنیا کے تمام انسانوں کی طرف بھی۔ یہ فضیلت تمام انبیاء ورُسل علیہم السلام میں صرف آپ ﷺ کے لیے مخصوص ہے کہ آپؐ کو دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث فرمایا گیا' ایک بعثتِ خصوصی اور دوسری بعثتِ عمومی۔ آپؐ کی بعثت کے ان دونوں پہلوؤں کے حوالے سے سورۃ التوبہ کی آیات میں بھی ایک بڑی خوبصورت تقسیم ملتی ہے۔ وہ اس طرح کہ اس سورت کے بھی بنیادی طور پر دو حصے ہیں۔ ان میں سے ایک حصہ آپ ﷺ کی بعثت کے خصوصی پہلو سے متعلق ہے' جبکہ دوسرے حصے کا تعلق آپؐ کی بعثت کے عمومی پہلو سے ہے۔ چنانچہ سورت کے ان دونوں حصوں کے موضوعات ومضامین کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے حضور ﷺ کی بعثت کے ان دونوں پہلوؤں کے فلسفے کو اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیا جائے۔

<u>حضور ﷺ کی بعثتِ خصوصی:</u> محمد عربی ﷺ کی خصوصی بعثت مشرکینِ عرب یا بنو اسماعیل کی طرف تھی۔ آپؐ کا تعلق بھی اسی قوم سے تھا اور آپ ﷺ نے ان لوگوں کے اندر رہ کر' خود ان کی زبان میں' اللہ کا پیغام اُن تک پہنچا دیا اور ان پر آخری حد تک اتمامِ حجت بھی کر دیا۔ بعد میں اسی حوالے سے مشرکینِ عرب پر اللہ کے اس قدیم قانون کا نفاذ بھی عمل میں آیا کہ جب کسی قوم کی طرف کوئی رسول بھیجا جائے اور وہ رسول اپنی دعوت کے سلسلے میں اس قوم پر اتمامِ حجت کر دے' اس اتمامِ حجت کے بعد اگر وہ قوم اپنے رسول کی دعوت کو رد کر دے تو اس پر عذابِ استیصال مسلط کر دیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں مشرکینِ عرب پر عذابِ استیصال کی نوعیت معروضی حالات کے پیش نظر پہلی قوموں کے مقابلے میں مختلف نظر آتی ہے۔ اس عذاب کی پہلی قسط غزوۂ بدر میں مٹھی بھر نہتے مسلمانوں

کے ہاتھوں مشرکینِ مکہ کی ہزیمت و شکست کی صورت میں سامنے آئی' جبکہ اس عذاب کی دوسری اور آخری قسط ۹ ہجری میں ظہور پذیر ہوئی' جس کا ذکر اس سورت کے آغاز میں کیا گیا ہے۔ بہر حال اپنی بعثتِ خصوصی کے حوالے سے حضور ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب میں دین کو غالب کر دیا' اور اس خطہ زمین میں آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہی اقامت دین کا عملی نقشہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہو گیا۔

حضور ﷺ کی بعثتِ عمومی: نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ عمومی پوری انسانیت کی طرف قیامت تک کے لیے ہے۔ اس سلسلے میں دعوت کا آغاز آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ (۶ ہجری) کے بعد فرمایا۔ اس سے پہلے آپ ﷺ نے کوئی مبلّغ یا داعی عرب سے باہر نہیں بھیجا' بلکہ تب تک آپؐ نے اپنی پوری توجہ جزیرہ نمائے عرب کے علاقے پر ہی مرکوز رکھی اور اپنے تمام وسائل اسی خطہ میں دین کو غالب کرنے کے لیے صرف کیے۔ لیکن جونہی آپ ﷺ کو اس سلسلے میں ٹھوس کامیابی ملی' یعنی قریش نے آپ ﷺ کو بطورِ فریق ثانی کے تسلیم کر کے آپ ﷺ سے صلح کر لی' (قرآن نے سورۃ الفتح کی پہلی آیت میں اس صلح کو ''فتح مبین'' قرار دیا ہے) تو آپ ﷺ نے اپنی بعثت عمومی کے تحت دعوت کا آغاز کرتے ہوئے عرب سے باہر مختلف سلاطین و امراء کی طرف خطوط بھیجنے شروع کر دیے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ نے جن فرمانرواؤں کو خطوط لکھے' اُن میں قیصر روم' ایران کے بادشاہ کسریٰ' مصر کے بادشاہ مقوقس اور حبشہ کے فرمانروا نجاشی (یہ عیسائی حکمران اس نجاشی کا جانشین تھا جنھوں نے مسلمانوں کی ہجرتِ حبشہ کے زمانے میں اسلام قبول کر لیا تھا' اور جن کی غائبانہ نمازِ جنازہ حضور ﷺ نے خود پڑھائی تھی) کے نام شامل ہیں۔ [نوٹ: ماضی قریب میں یہ چاروں خطوط اصل متن کے ساتھ اصل شکل میں دریافت ہو چکے ہیں۔] آپؐ کے انہی خطوط کے ردِ عمل کے طور پر سلطنتِ روما کے ساتھ مسلمانوں کے ٹکراؤ کا آغاز ہوا' جس کا نتیجہ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ ہی میں جنگِ موتہ اور غزوۂ تبوک کی صورت میں نکلا۔ بہر حال ان تمام حالات و واقعات کا تعلق آپ ﷺ کی بعثتِ عمومی سے ہے' جس کی دعوت کا آغاز آپ ﷺ کی زندگی مبارک ہی میں ہو گیا تھا' اور پھر خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے واضح طور پر یہ فریضہ اُمت کے ہر فرد کی طرف منتقل فرما دیا۔ اس لحاظ سے اب تا قیامِ قیامت آپ ﷺ پر ایمان رکھنے والا ہر مسلمان اسلام کی دعوت و تبلیغ اور اقامتِ دین کے لیے محنت و کوشش کرنے کا مکلّف ہے۔

موضوعات:

مضامین و موضوعات کے حوالے سے یہ سورت دو حصوں پر مشتمل ہے' جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

حصہ اوّل: یہ حصہ سورت کے پہلے پانچ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی بعثتِ خصوصی کے تکمیلی مرحلے سے ہے۔ آیات کی ترتیب کے مطابق اگرچہ یہ پانچ رکوع بھی مزید تین حصوں میں بٹے ہوئے ہیں' مگر موضوع کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ حصہ ہمیں دو خطبات پر مشتمل نظر آتا ہے' جن کا الگ الگ تعارف ذیل کی سطور میں دیا جا رہا ہے۔

پہلا خطبہ: پہلا خطبہ دوسرے اور تیسرے رکوع پر مشتمل ہے اور یہ فتح مکہ (۸ ہجری) سے پہلے نازل ہوا۔ اس خطبہ میں مسلمانوں کو فتح مکہ کے لیے نکلنے پر آمادہ کیا گیا ہے۔ مکہ پر چڑھائی کا معاملہ دراصل بہت نازک اور

حساس تھا۔ مسلمان مہاجرین کی مشرکینِ مکّہ کے ساتھ براہِ راست قریبی رشتہ داریاں تھیں‘ ان کے خاندان اور قبیلے مشترک تھے‘ حتیٰ کہ بہت سے مسلمانوں کے اہل و عیال بھی مکہ میں تھے۔ کچھ غریب‘ بے سہارا مسلمان بھی‘ جو مختلف وجوہات کی بنا پر ہجرت نہیں کر سکے تھے‘ ابھی تک مکہ میں پھنسے ہوئے تھے۔ اب سوال یہ تھا کہ اگر جنگ ہوگی‘ مکہ پر حملہ ہوگا تو ان سب کا کیا بنے گا؟ کیا گندم کے ساتھ گھن بھی پس جائے گا؟ دوسری طرف قریشِ مکہ کا یہ ظاہری اعزاز بھی بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں ایک سوالیہ نشان بنا ہوا تھا کہ وہ بیت اللہ کے متولی ہیں اور حُجاج کی خدمت کرتے ہیں۔ اس حوالے سے کہیں سادہ دل مسلمان اپنے خدشات کا اظہار کر رہے تھے تو کہیں منافقین اس موضوع کو ہوا دے کر لگائی بجھائی میں مصروف تھے۔ چنانچہ متعلقہ آیات کا مطالعہ کرتے ہوئے ان تمام حقائق کو مدّ نظر رکھنا ضروری ہے۔

دوسرا خطبہ: دوسرا خطبہ پہلے‘ چوتھے اور پانچویں رکوع پر مشتمل ہے اور یہ ذوالقعدہ ۹ ہجری کے بعد نازل ہوا۔ موضوع کی خصوصی اہمیت کے پیشِ نظر اس میں سے چھ آیات کو مقدم کر کے سورت کے آغاز میں لایا گیا ہے۔ یہ وہی آیات ہیں جن کے ساتھ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قافلۂ حج کے پیچھے بھیجا تھا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ ۹ ہجری میں حضور ﷺ خود حج پر تشریف نہیں لے گئے تھے‘ اس سال آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا۔ حج کا یہ قافلہ ذوالقعدہ ۹ ہجری میں روانہ ہوا‘ جبکہ یہ آیات اس قافلہ کے روانہ ہونے کے بعد نازل ہوئیں۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قافلے کے پیچھے مکہ بھیجا کہ حج کے موقع پر علی الاعلان یہ آیات سب کو سنا دی جائیں۔ سن ۹ ہجری کے اس حج میں مشرکینِ مکّہ بھی شامل تھے۔ چنانچہ وہاں حج کے اجتماع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ آیات خصوصی اعلان کے طور پر پڑھ کر سنائیں۔ ان آیات کے تحت مشرکین کے ساتھ ہر قسم کے معاہدے سے اعلانِ براءت کر دیا گیا اور یہ واضح کر دیا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے۔ مشرکینِ عرب کے لیے چار ماہ کی مہلت کا اعلان کیا گیا کہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ایمان لانا چاہیں تو لے آئیں‘ ورنہ اُن سب کو قتل کر دیا جائے گا۔

یہ آیات چونکہ قرآن کریم کی سخت ترین آیات ہیں‘ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے پس منظر کو اچھی طرح سے سمجھ لیا جائے۔ ان آیات میں دیے گئے احکامات دراصل اُس عذابِ استیصال کے قائم مقام ہیں جو قومِ نوحؑ‘ قومِ ہودؑ‘ قومِ صالحؑ‘ قومِ شعیبؑ‘ قومِ لوطؑ اور آلِ فرعون پر آیا تھا۔ ان تمام قوموں پر عذابِ استیصال اللہ تعالیٰ کے اس اٹل قانون کے تحت آیا تھا جس کا ذکر ان تمہیدی کلمات کے آغاز میں ''حضور ﷺ کی بعثتِ خصوصی'' کے عنوان کے تحت ہو چکا ہے۔ اس قانون کے تحت مشرکین مکہ اب عذابِ استیصال کے مستحق ہو چکے تھے‘ اس لیے کہ حضور ﷺ نے انہی کی زبان میں اللہ کے احکامات ان تک پہنچا کر اُن پر حجت تمام کر دی تھی۔ اس سلسلے میں اللہ کی مشیت کے مطابق ان کو جو مہلت دی گئی تھی وہ بھی ختم ہو چکی تھی۔ چنانچہ ان پر عذاب استیصال کی پہلی قسط میدانِ بدر میں نازل کی گئی اور دوسری اور آخری قسط کے طور پر اب انہیں الٹی میٹم دے دیا گیا کہ تمہارے پاس سوچنے اور فیصلہ کرنے کے لیے صرف چار ماہ ہیں۔ اس مدت میں ایمان لانا چاہو تو لے آؤ‘ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ اس حکم کے اندر اُن کے لیے یہ آپشن خود بخود موجود تھا کہ وہ چاہیں تو جزیرہ نمائے عرب سے باہر بھی جا سکتے

ہیں' مگر اس خطہ کے اندر اب وہ مشرکین کی حیثیت سے نہیں رہ سکتے' کیونکہ اب جزیرہ نمائے عرب کو شرک سے بالکل پاک کر دینے اور محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی بعثتِ خصوصی کی تکمیلی شان کے ظہور کا وقت آن پہنچا تھا۔

ایک اشکال کی وضاحت: یہاں ایک اشکال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ آیات کی موجودہ ترتیب خطبات کی زمانی ترتیب کے بالکل برعکس ہے۔ جو خطبہ پہلے (۸ ہجری میں) نازل ہوا ہے وہ سورت میں دوسرے رکوع سے شروع ہو رہا ہے' جبکہ بعد (۹ ہجری) میں نازل ہونے والی آیات کو مقدم کر کے سورت کے آغاز میں درج کیا گیا ہے۔ پھر یہ دوسرا خطبہ بھی آیات کی ترتیب کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ اس کی ابتدائی چھ آیات پہلے رکوع میں آ گئی ہیں' جبکہ بقیہ آیات چوتھے اور پانچویں رکوع میں ہیں۔ دراصل ترتیب آیات میں اس پیچیدگی کی وجہ قرآن کا وہ خاص اسلوب ہے جس کے تحت کسی انتہائی اہم بات کو موضوع کی منطقی اور روایتی ترتیب میں سے نکال کر شہ سرخی (head line) کے طور پر پہلے بیان کر دیا جاتا ہے۔ اس اسلوب کو سمجھنے کے لیے سورۃ الانفال کے آغاز کی مثال بھی مدِّنظر رہنی چاہیے۔ سورۃ الانفال کے موضوعات میں سے ایک موضوع مالِ غنیمت سے متعلق ہے۔ اس معاملے پر تفصیلی بحث تو بعد میں ہونا مقصود تھی' لیکن چونکہ یہ معاملہ انتہائی اہم اور حساس تھا اس لیے اس ضمن میں بنیادی اصول سورت کی پہلی آیت میں بیان کر دیا گیا اور مسئلے کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر اس موضوع سے سورت کا آغاز فرمایا گیا۔ بالکل اسی انداز میں اس سورت کا آغاز بھی ایک انتہائی اہم مسئلے کے بیان سے کیا گیا' البتہ اس مسئلے کی بقیہ تفصیل بعد میں چوتھے اور پانچویں رکوع میں بیان ہوئی۔

حصہ دوم: اس سورت کا دوسرا حصہ چھٹے رکوع سے لے کر آخر تک گیارہ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کا تعلق حضور ﷺ کی بعثتِ عمومی سے ہے۔ اس لیے کہ اس حصے کا مرکزی موضوع غزوۂ تبوک ہے' اور غزوۂ تبوک تمہید تھی اقامتِ دین کے حوالے سے کی جانے والی اُس جدوجہد کی جس کا آغاز مستقبل قریب میں جزیرہ نمائے عرب سے باہر بین الاقوامی سطح پر ہونے والا تھا۔ اِن گیارہ رکوعوں میں سے ابتدائی چار رکوع تو وہ ہیں جو غزوۂ تبوک کے لیے مسلمانوں کو ذہنی طور پر تیار کرنے سے متعلق ہیں' چند آیات وہ ہیں جو تبوک جاتے ہوئے دورانِ سفر نازل ہوئیں' چند آیات تبوک میں قیام کے دوران اور کچھ تبوک سے واپسی پر راستے میں نازل ہوئیں' جبکہ ان میں کچھ آیات ایسی بھی ہیں جو تبوک سے واپسی کے بعد مدینہ میں نازل ہوئیں۔

آیات ۱ تا ۶

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱ۭ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝۲ وَاَذَانٌ
مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْۗءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ڏ
وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ
وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۳ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ

يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٤ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ
وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا
الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ
فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝٦ ع

آیت ۱ ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ①﴾ ”اعلانِ براءت ہے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے اُن لوگوں کی جانب جن سے (اے مسلمانو!) تم نے معاہدے کیے تھے مشرکین میں سے۔“

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے تمام معاہدے ختم کرنے کا دوٹوک الفاظ میں اعلان ہے جو مسلمانوں نے مشرکین کے ساتھ کر رکھے تھے۔ یہ اعلان چونکہ انتہائی اہم اور حساس نوعیت کا تھا اور قطعی (categorical) انداز میں کیا گیا تھا' اس لیے اس کے ساتھ کچھ شرائط یا استثنائی شقوں کا ذکر بھی کیا گیا جن کی تفصیل آئندہ آیات میں آئے گی۔ واضح رہے کہ سورۃ التوبہ قرآن کی واحد سورت ہے جس کے آغاز میں ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم“ نہیں لکھی جاتی۔ اس کا سبب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ سورت تو ننگی تلوار لے کر یعنی مشرکین کے لیے قتلِ عام کا اعلان لے کر نازل ہوئی ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رحمانیت اور رحیمیت کی صفات کے ساتھ اس کے مضامین کی مناسبت نہیں ہے۔

آیت ۲ ﴿فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ﴾ ”تو گھوم پھر لو اس زمین میں چار ماہ تک“

یعنی اس جزیرہ نمائے عرب میں تمہیں رہنے اور گھومنے پھرنے کے لیے صرف چار مہینے کی مہلت دی جا رہی ہے۔

﴿وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ②﴾ ”اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ بھی کہ اللہ کافروں کو رسوا کر کے رہے گا۔“

اب ان مشرکین کے لیے اللہ کے عذاب کی آخری قسط آ کر رہے گی۔ یہ قطعی اعلان تو ایسے معاہدوں کے ضمن میں تھا جن میں کوئی میعاد معین نہیں تھی' جیسے عام دوستی کے معاہدے' جنگ نہ کرنے کے معاہدے وغیرہ۔ ایسے تمام معاہدوں کو چار ماہ کی پیشگی وارننگ کے ساتھ ختم کر دیا گیا۔ یہ ایک معقول طریقہ تھا جو سورۃ الانفال کی آیت ۵۸ میں بیان کردہ اصول ﴿فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰي سَوَاۗءٍ ۭ﴾ کے مطابق اختیار کیا گیا۔ یعنی معاہدے کو علی الاعلان دوسرے فریق کی طرف پھینک دیا گیا' اور پھر فوراً اقدام بھی نہیں کیا گیا' بلکہ چار ماہ کی مہلت بھی دے دی گئی۔

آیت ۳ ﴿وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ﴾ ”اور اعلانِ عام ہے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف سے لوگوں کے لیے حج اکبر کے دن“

عمرے کو چونکہ ''حج اصغر'' کہا جاتا ہے اس لیے یہاں عمرے کے مقابلے میں حج کو ''حج اکبر'' کہا گیا ہے۔ ہمارے ہاں عوام کی طرف سے مشہور کی گئی یہ بات بالکل بے بنیاد ہے کہ حج اگر جمعہ کے دن ہو تو وہ حج اکبر ہوتا ہے۔

﴿اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ﴾ ''کہ اللہ بری ہے مشرکین سے اور اُس کا رسولؐ بھی۔''

یہ اعلان چونکہ حج کے اجتماع میں کیا گیا تھا اور حج کے لیے جزیرہ نمائے عرب کے تمام اطراف واکناف سے لوگ آئے ہوئے تھے' لہٰذا اس موقع پر اعلان کرنے سے یہ گویا عرب کے تمام لوگوں کے لیے اعلانِ عام ہو گیا کہ اب اللہ اور اُس کا رسولؐ مشرکین سے بری الذمہ ہیں اور ان کے ساتھ ان کا کسی بھی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں رہا۔

﴿فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ﴾ ''تو اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔''

﴿وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور اگر تم روگردانی کرو گے تو سن رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔''

﴿وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۳﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) بشارت دے دیجیے ان کافروں کو دردناک عذاب کی۔''

آیت ۴ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ ''سوائے اُن مشرکین کے جن سے (اے مسلمانو!) تم نے معاہدے کیے تھے''

﴿ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا وَّلَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا﴾ ''پھر انہوں نے کچھ کمی نہیں کی تمہارے ساتھ' اور نہ تمہارے خلاف مدد کی کسی کی بھی''

یہاں میعادی معاہدوں کے سلسلے میں استثناء کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ یعنی مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے ایسے معاہدے جو کسی خاص مدت تک ہوئے تھے' ان کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر یہ مشرکین تمہارے ساتھ کیے گئے کسی معاہدے کو بخوبی نبھا رہے ہیں اور تمام شرائط کی پابندی کر رہے ہیں:

﴿فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ﴾ ''تو مکمل کرو اُن کے ساتھ اُن کا معاہدہ مقررہ مدت تک۔''

یعنی اگر مشرکین کے ساتھ کسی خاص مدت تک تمہارا کوئی معاہدہ ہوا تھا اور ان کی طرف سے ابھی تک اس میں کسی قسم کی خلاف ورزی بھی نہیں ہوئی' تو اس معاہدے کی جو بھی مدت ہے وہ پوری کرو۔ لیکن اس کے بعد اس معاہدے کی تجدید نہیں ہو گی۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝۴﴾ ''یقیناً اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

آیت ۵ ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ﴾ ''پھر جب یہ محترم مہینے گزر جائیں''

یہاں محترم مہینوں سے مراد وہ چار مہینے ہیں جن کی مشرکین کو مہلت دی گئی تھی۔ چار مہینے کی یہ مہلت یا امان غیر میعادی معاہدوں کے لیے تھی' جبکہ میعادی معاہدوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ اُن کی طے شدہ مدت تک پابندی کی جائے۔ لہٰذا جیسے جیسے کسی گروہ کی مدتِ امان ختم ہوتی جائے گی اس لحاظ سے اس کے خلاف اقدام کیا

جائے گا۔ بہر حال جب یہ مہلت اور امان کی مدت گزر جائے:

﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ﴾ ''تو قتل کرو ان مشرکین کو جہاں پاؤ' اور پکڑو ان کو' اور گھیراؤ کرو ان کا' اور ان کے لیے ہر جگہ گھات لگا کر بیٹھو۔''

ان الفاظ میں موجود سختی کو محسوس کرتے ہوئے اُس منظر اور ماحول کو ذہن میں لایئے جب یہ آیات بطور اعلانِ عام پڑھ کر سنائی جا رہی تھیں اور اندازہ کیجیے کہ ان میں سے ایک ایک لفظ اس ماحول میں کس قدر اہم اور پُر تاثیر ہوگا۔ اس اجتماع میں مشرکین بھی موجود تھے اور ان کے لیے یہ اعلان اور الٹی میٹم یقیناً بہت بڑی ذلت و رسوائی کا باعث تھا۔

جب یہ چھ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قافلۂ حج کے پیچھے روانہ کیا اور انہیں تاکید کی کہ حج کے اجتماع میں میرے نمائندے کی حیثیت سے یہ آیات بطورِ اعلانِ عام پڑھ کر سنا دیں۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کی یہ نامزدگی عرب کے عام رواج کے مطابق فرمائی تھی۔ عرب کے رواج کے مطابق کسی بڑی شخصیت کی طرف سے اگر کوئی اہم اعلان کرنا مقصود ہوتا تو اس شخصیت کا کوئی قریبی عزیز ہی ایسا اعلان کرتا تھا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ قافلۂ حج سے جا کر ملے تو قافلہ پڑاؤ پر تھا۔ امیرِ قافلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ جونہی حضرت علیؓ آپؓ سے ملے تو آپؓ نے پہلا سوال یہ کیا: اَمِیْرٌ اَوْ مَاْمُوْرٌ؟ یعنی آپؓ امیر بنا کر بھیجے گئے ہیں یا مامور؟ مراد یہ تھی کہ سب سے پہلے میری اور آپؓ کی حیثیت کا تعین کر لیا جائے۔ اگر آپؓ کو امیر بنا کر بھیجا گیا ہے تو میں آپؓ کے لیے اپنی جگہ خالی کر دوں اور خود آپؓ کے سامنے مامور کی حیثیت سے بیٹھوں۔ اس پر حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں مامور ہوں' امیرِ حج آپؓ ہی ہیں' البتہ حج کے اجتماع میں آیاتِ الٰہی پر مشتمل اہم اعلان رسول اللہ ﷺ کی طرف سے میں کروں گا۔ اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت بہت خوبصورت انداز میں فرمائی تھی اور آپ ﷺ کی اسی تربیت کے باعث اُنؓ کی جماعتی زندگی انتہائی منظم تھی۔ جبکہ آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ یہ دنیا کی انتہائی غیر منظم قوم بن کر رہ گئے ہیں۔

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤﴾ ''پھر اگر وہ توبہ کر لیں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا' رحم کرنے والا ہے۔''

یعنی اگر وہ شرک سے تائب ہو کر مسلمان ہو جائیں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دینا قبول کر لیں تو پھر اُن سے مواخذہ نہیں۔

آیت ۶ ﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ ''اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپؐ سے پناہ طلب کرے' تو اُسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے''

جزیرہ نمائے عرب میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے اُس وقت تک رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو سنجیدگی سے سنا ہی نہیں ہوگا۔ اتنے بڑے الٹی میٹم کے بعد ممکن ہے اُن میں سے کچھ لوگ سوچنے پر مجبور

ہوئے ہوں کہ اس دعوت کو سمجھنا چاہیے۔ چنانچہ اسی حوالے سے حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر کوئی شخص تم لوگوں سے پناہ طلب کرے تو نہ صرف اسے پناہ دے دی جائے بلکہ اسے موقع بھی فراہم کیا جائے کہ وہ قرآن کے پیغام کو اچھی طرح سن لے۔ یہاں پر ''کلام اللہ'' کے الفاظِ قرآنی گویا شہادت دے رہے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔

﴿ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ﴾ ''پھر اُسے اُس کی امن کی جگہ پر پہنچا دو۔''

یعنی ایسے شخص کو فوری طور پر فیصلہ کرنے پر مجبور نہ کیا جائے کہ اسلام قبول کرتے ہو یا نہیں؟ اور یہ کہ اگر قبول نہیں کرتے تو ابھی تمہاری گردن اڑا دی جائے گی‘ بلکہ کلامُ اللہ سننے کا موقع فراہم کرنے کے بعد اسے سمجھنے اور سوچنے کے لیے مہلت دی جائے اور اُسے بحفاظت اس کے گھر تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۶﴾ ''یہ اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے۔''

یعنی یہ لوگ ابھی تک بھی غفلت کا شکار ہیں۔ انہوں نے ابھی تک سنجیدگی سے سوچا ہی نہیں کہ یہ دعوت ہے کیا!

جس مضمون سے سورت کی ابتدا ہوئی تھی وہ یہاں عارضی طور پر ختم ہو رہا ہے‘ اب دوبارہ اس مضمون کا سلسلہ چوتھے رکوع کے ساتھ جا کر ملے گا۔ اس کے بعد اب دو رکوع (دوسرا اور تیسرا) وہ آئیں گے جو فتح مکہ سے قبل نازل ہوئے۔ ان آیات کے ذریعے مسلمانوں کو قریشِ مکہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آمادہ کرنا مقصود تھا۔

آیات ۷ تا ۱۶

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷ كَيْفَ
وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى
قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ
اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ
الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ
وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ
دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝۱۲ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا
نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ
اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ
وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۴ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ
اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۵ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ

اَلَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡکُمۡ وَلَمۡ یَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوۡلِهٖ وَلَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَلِیۡجَةً ؕ
وَاللّٰهُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ ع ۸

فتح مکہ سے قبل مسلمانوں کے ہاں بہت سے لوگ مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کے سلسلے میں تذبذب اور الجھن کا شکار تھے۔ بعض مسلمانوں کے بیوی بچے اور بہت سے کمزور مسلمان جو ہجرت نہیں کر پائے تھے' ابھی تک مکّہ میں پھنسے ہوئے تھے۔ اکثر لوگوں کو خدشہ تھا کہ اگر مکہ پر حملہ ہوا تو بہت خون خرابہ ہوگا اور مکہ میں موجود تمام مسلمان اس کی زد میں آ جائیں گے۔ اگرچہ بعد میں بالفعل جنگ کی نوبت نہ آئی مگر مختلف ذہنوں میں ایسے اندیشے بہرحال موجود تھے۔ اس سلسلے میں زیادہ بے چینی منافقین نے پھیلائی ہوئی تھی۔ چنانچہ ان آیات میں مسلمانوں کو مکہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا جارہا ہے۔

آیت ۷ ﴿کَیۡفَ یَکُوۡنُ لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِهٖۤ﴾ ''کیسے ہوسکتا ہے مشرکین کے لیے کوئی عہد اللہ اور اُس کے رسول کے نزدیک؟''

یہاں پر اُس پس منظر کو ذہن میں تازہ کرنے کی ضرورت ہے جس میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس سے قبل مسلمانوں اور مشرکینِ مکّہ کے درمیان صلح حدیبیہ ہو چکی تھی' لیکن اس معاہدے کو خود قریش کے ایک قبیلے نے توڑ دیا تھا۔ بعد میں جب قریش کو اپنی غلطی اور معاملے کی سنجیدگی کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنے سردار ابوسفیان کو تجدید صلح کی درخواست کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ مدینہ پہنچ کر ابوسفیان سفارش کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اپنی بیٹی حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا (اُمّ المؤمنین) سے ملے۔ ان دونوں شخصیات کی طرف سے اُن کی سرے سے کوئی حوصلہ افزائی نہ کی گئی۔ بلکہ حضرت اُمّ حبیبہؓ کے ہاں تو ابوسفیان کو عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ جب اپنی بیٹی کے ہاں گئے تو حضور ﷺ کا بستر بچھا ہوا تھا' وہ بستر پر بیٹھنے لگے تو اُمّ حبیبہؓ نے فرمایا کہ ابا جان ذرا ٹھہریے! اس پر وہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ بیٹی نے بستر تہ کر دیا اور فرمایا کہ ہاں ابا جان اب آپ بیٹھ جائیے۔ ابوسفیان کے لیے یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی' وہ قریش کے سب سے بڑے سردار اور رئیس تھے اور بستر تہ کرنے والی اُن کی اپنی بیٹی تھی۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا: بیٹی! کیا یہ بستر میرے لائق نہیں تھا یا میں اس بستر کے لائق نہیں؟ بیٹی نے جواب دیا: ابا جان! آپ اس بستر کے لائق نہیں۔ یہ اللہ کے نبی ﷺ کا بستر ہے اور آپ مشرک ہیں! اس کے بعد ابوسفیان اب کہتے تو کیا کہتے! وہ تو آئے تھے بیٹی سے سفارش کروانے اور یہاں تو معاملہ بالکل ہی اُلٹ ہوگیا۔ چنانچہ مطلب کی بات کے لیے تو اُن کی زبان بھی نہ کھل سکی ہوگی۔

بہرحال ابوسفیان نے رسول اللہ ﷺ سے مل کر تجدیدِ صلح کی درخواست کی مگر حضور ﷺ نے قبول نہ فرمائی۔ اِن حالات میں ممکن ہے کہ کچھ لوگوں نے چہ می گوئیاں بھی کی ہوں کہ دیکھیں جی قریش کا سردار خود چل کر آیا تھا' وہ صلح کی بھیک مانگ رہا تھا' صلح بہتر ہوتی ہے' حضور ﷺ کیوں صلح نہیں کر رہے' وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ اس پس منظر میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے نزدیک ان مشرکین کے لیے اب کوئی معاہدہ کیسے قائم رہ سکتا ہے؟ یعنی ان کے کسی عہد کی ذمہ داری اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر کس طرح باقی رہ سکتی ہے؟

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ﴾ ’’سوائے اُن لوگوں کے جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا تھا مسجدِ حرام کے پاس۔‘‘

اس معاہدے سے صلح حدیبیہ مراد ہے۔

﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑦﴾ ’’تو جب تک وہ تمہارے لیے (اس پر) قائم رہیں تم بھی ان کے لیے (معاہدے پر) قائم رہو۔ بے شک اللہ متقین کو پسند کرتا ہے۔‘‘

یعنی جب تک مشرکین صلح کے اس معاہدے پر قائم رہے، تم لوگوں نے بھی اس کی پوری پوری پابندی کی، مگر اب جب کہ وہ خود ہی اسے توڑ چکے ہیں تو اب تمہارے اوپر اس سلسلے میں کوئی اخلاقی دباؤ نہیں ہے کہ لازماً اس معاہدے کی تجدید کی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ اب ان مشرکین میں اتنا دم نہیں ہے کہ وہ مقابلہ کر سکیں۔ ان حالات میں معاہدے کی تجدید کا مطلب تو یہ تھا کہ کفر اور شرک کو اپنی مذموم سرگرمیوں کے لیے پھر سے کھلی چھٹی (fresh lease of existance) مل جائے۔ اس لیے حضور ﷺ نے معاہدے کی تجدید قبول نہیں فرمائی۔

آیت ۸ ﴿كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ﴾ ’’کیسے (کوئی معاہدہ قائم رہ سکتا ہے ان سے!) جبکہ اگر وہ تم پر غالب آ جائیں تو ہرگز لحاظ نہیں کریں گے تمہارے بارے میں کسی قرابت کا اور نہ عہد کا۔‘‘

ایسے لوگوں سے آخر کوئی معاہدہ کیوں کر قائم رہ سکتا ہے جن کا کردار یہ ہو کہ اگر وہ تم پر غلبہ حاصل کر لیں تو پھر نہ قرابت داری کا لحاظ کریں اور نہ کسی معاہدے کے تقدس کا پاس۔

﴿يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ ’’راضی کرنا چاہتے ہیں تم لوگوں کو اپنے مُنہ (کی باتوں) سے‘‘

اب وہ صلح کی تجدید کی خاطر آئے ہیں تو اس کے لیے بظاہر خوشامد اور چاپلوسی کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس طرح آپ لوگوں کو راضی کر لیں۔

﴿وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑧﴾ ’’جبکہ اُن کے دل (اب بھی) انکاری ہیں، اور اُن کی اکثریت فاسقین پر مشتمل ہے۔‘‘

جو باتیں وہ زبان سے کر رہے ہیں وہ اُن کے دل کی آواز نہیں ہے۔ دل سے وہ ابھی بھی نیک نیتی کے ساتھ صلح پر آمادہ نہیں ہیں۔

آیت ۹ ﴿اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ’’انہوں نے اللہ کی آیات کو فروخت کیا حقیر سی قیمت کے عوض‘‘

انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی قدر نہیں کی اور ان کے بدلے میں حقیر سا دُنیوی فائدہ حاصل کر لیا۔ انہوں نے محمد ﷺ کو اللہ کا رسول جانتے ہوئے اور حق کو پہچانتے ہوئے صرف اس لیے رد کر دیا کہ اُن کی چودھراہٹیں قائم رہیں، لیکن انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے بہت گھاٹے کا سودا کیا تھا۔

﴿فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑨﴾ ’’پس وہ لوگوں کو روکتے رہے اللہ کے

رستے سے (اور خود بھی رُکتے رہے)۔ یقیناً بہت ہی برا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔‘‘

صَدَّ یَصُدُّ صَدًّا ‘ اس فعل کے اندر رکنے اور روکنے کے دونوں معنی پائے جاتے ہیں۔

آیت ۱۰ ﴿لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ﴾ ’’نہیں لحاظ کرتے وہ کسی مؤمن کے حق میں نہ کسی قرابت کا اور نہ کسی معاہدے کا۔‘‘

﴿وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩﴾ ’’اور یہی لوگ ہیں جو حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔‘‘

آیت ۱۱ ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ﴾ ’’پھر بھی اگر وہ توبہ کر لیں‘ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔‘‘

اللہ نے ان کے لیے اب بھی توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہوا ہے۔ اب بھی اگر وہ اسلام قبول کر لیں اور شعارِ دینی کو اپنا لیں تو وہ تمہاری دینی برادری میں شامل ہو سکتے ہیں۔

﴿وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑪﴾ ’’اور ہم اپنی آیات کی تفصیل بیان کر رہے ہیں اُن لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔‘‘

آیت ۱۲ ﴿وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ ’’اور اگر وہ توڑ ڈالیں اپنے قول و قرار کو عہد کرنے کے بعد اور عیب لگائیں تمہارے دین میں‘‘

﴿فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ﴾ ’’تو تم جنگ کرو کفر کے ان اماموں سے‘ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں‘‘

یہ بہت اہم اور قابلِ توجہ نکتہ ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کے اندر کافر اور مشرک تو بہت تھے مگر یہاں خصوصی طور پر کفر اور شرک کے پیشواؤں سے جنگ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ ’’ائمّۃ الکفر‘‘ (کفر کے امام) قریش تھے۔ وہ کعبہ کے متولّی اور تمام قبائل کے بُتوں کے مجاور تھے۔ دوسری طرف سیاسی‘ معاشرتی اور معاشی لحاظ سے مکہ کو ’’اُمّ القریٰ‘‘ کی حیثیت حاصل تھی اور یہ شہر اُن کے زیر تسلط تھا۔ اُس وقت اگرچہ جزیرہ نمائے عرب میں نہ کوئی مرکزی حکومت تھی اور نہ ہی کوئی باقاعدہ مرکزی دارالحکومت تھا‘ مگر پھر بھی اس پورے خطے کا مرکزی شہر اور معنوی صدر مقام مکہ ہی تھا‘ اور اس مرکزی شہر اور اُمّ القریٰ میں واقع اللہ کے گھر کو قریش نے شرک کا اڈا بنایا ہوا تھا۔ اس لیے جب تک ان کو شکست دے کر مکہ کو کفر اور شرک سے پاک نہ کر دیا جاتا‘ جزیرہ نمائے عرب کے اندر دین کے غلبے کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے یہاں ﴿فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ کا واضح حکم دیا گیا ہے‘ کہ جب تک کفر کے ان سرغنوں کا سر نہیں کچلا جائے گا اور شرک کے اس مرکزی اڈے کو ختم نہیں کیا جائے گا اُس وقت تک سرزمینِ عرب میں دین کے کُلّی غلبے کی راہ ہموار نہیں ہوگی۔

﴿لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫﴾ ’’شاید کہ (اس طرح) وہ باز آ جائیں۔‘‘

یعنی ان پر سختی کی جائے گی تو شاید وہ باز آ جائیں‘ نرمی سے یہ کوئی بات ماننے والے نہیں ہیں۔

آیت ۱۳ ﴿اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ﴾ ''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم جنگ نہیں کرنا چاہتے ایسی قوم سے جنہوں نے اپنے قول وقرار توڑ دیے اور رسولؐ کو جلاوطن کرنے کا قصد کیا''

اے مسلمانو! مشرکینِ مکہ نے صلح حدیبیہ کو خود توڑا ہے' جبکہ تمہاری طرف سے اس معاہدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوئی تھی' اور یہ وہی لوگ تو ہیں جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو مکہ سے جلاوطنی پر مجبور کیا تھا۔ تو آخر کیا وجہ ہے کہ اب جب ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ تذبذب کا شکار ہو رہے ہیں۔

﴿وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ﴾ ''اور انہوں نے ہی آغاز کیا تھا تمہارے ساتھ پہلی مرتبہ۔''

یعنی مکہ کے اندر مسلمانوں کو ستانے اور تکلیفیں پہنچانے کی کارستانیاں ہوں یا غزوۂ بدر میں جنگ چھیڑنے کا معاملہ ہو یا صلح حدیبیہ کے توڑنے کا واقعہ' تمہارے ساتھ ہر زیادتی اور ہر بے اصولی کی پہل ہمیشہ ان لوگوں ہی کی طرف سے ہوتی رہی ہے۔

﴿اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ﴾ ''کیا تم ان سے ڈر رہے ہو؟''

یہ متجسسانہ سوال (searching question) کا انداز ہے کہ ذرا اپنے گریبانوں میں جھانکو' اپنے دلوں کو ٹٹولو' کیا واقعی تم ان سے ڈر رہے ہو؟ کیا تم پر کوئی بزدلی طاری ہو گئی ہے؟ آخر تم قریش کے خلاف اقدام سے کیوں گھبرا رہے ہو؟

﴿فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۳﴾ ''اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو۔''

اب اس کے بعد اقدام کرنے کا آخری حکم قطعی انداز میں دیا جا رہا ہے۔

آیت ۱۴ ﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۴﴾ ''تم ان سے جنگ کرو' اللہ انہیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں' اور ان کو رسوا کرے گا' اور تمہاری مدد کرے گا ان کے مقابلے میں اور بہت سے اہلِ ایمان کے سینوں کو ٹھنڈک عطا فرمائے گا۔''

آیت ۱۵ ﴿وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ﴾ ''اور ان کے دلوں کے غصہ کو نکال دے گا۔''

اللہ تعالیٰ اس اقدام کے نتائج کے طور پر مسلمانوں کے سینوں کی جلن کو دور کرے گا اور انہیں ٹھنڈک عطا فرمائے گا۔ مکہ میں ابھی بھی ایسے مسلمان موجود تھے جن کو قریش کی طرف سے تکالیف پہنچائی جا رہی تھیں۔ ابھی بھی مسلمان بچوں' عورتوں اور ضعیفوں پر مظالم ڈھائے جا رہے تھے۔ چنانچہ جب تمہارے حملے کے نتیجے میں ان ظالموں کی درگت بنے گی تو مظلوم مسلمانوں کے سینوں کی جلن بھی کچھ کم ہو گی۔

﴿وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۵﴾ ''اور اللہ جس کو چاہے گا توبہ کی توفیق دے گا۔ اور اللہ جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

اب جو آیت ''اَمْ حَسِبْتُمْ'' کے الفاظ سے شروع ہو رہی ہے وہ اپنے خاص انداز اور لہجے کے ساتھ

قرآن میں تین مرتبہ آئی ہے۔ دو مرتبہ اس سے پہلے اور تیسری مرتبہ یہاں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۴ میں فرمایا:
﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ﴾ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۴۲ میں فرمایا: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾ اور یہاں (اس سورت کی آیت ۱۶ میں) فرمایا: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾

ایک ہی موضوع کی حامل ان تینوں آیات کے نہ صرف الفاظ آپس میں ملتے ہیں، بلکہ ان میں ایک عجیب و غریب مشابہت یہ بھی ہے کہ ہر آیت کے نمبر کے ہندسوں کا حاصل جمع ۷ آتا ہے۔

آیت ۱۶ ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾ ''کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ تم یوں ہی چھوڑ دیے جاؤ گے، حالانکہ ابھی تو اللہ نے یہ دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جو جہاد کرنے والے ہیں''

دوسری قوموں کے خلاف برسرپیکار ہونا اور بات ہے، لیکن اپنی قوم کے خلاف جہاد کرنے کے لیے جانا نسبتاً سخت امتحان ہے۔ چنانچہ اللہ تمہارا یہ امتحان بھی لینا چاہتا ہے۔

﴿وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ﴾ ''اور (وہ کون ہیں) جو نہیں رکھتے اللہ، اس کے رسولؐ اور اہل ایمان کے علاوہ کسی کے ساتھ قلبی دوستی کا کوئی تعلق۔''

یہ دُنیوی رشتوں کے خوشنما بندھن جب تک ایمان کی تلوار سے کٹیں گے نہیں، اُس وقت تک اللہ اور دین کے ساتھ تمہارا اخلوص کیسے ثابت ہوگا!

﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑯﴾ ''اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

آیات ۱۷ تا ۲۴

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ⑰ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا
مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ⑱ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ
الظّٰلِمِيْنَ ⑲ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ
اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ⑳ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ
وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ ㉑ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ
عَظِيْمٌ ㉒ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ

عَلَی الْاِیْمَانِ ؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ
وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِیْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ
كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ
فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۴﴾ ع ۸

آیت ۱۷ ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ﴾ ''مشرکوں کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو اپنے اوپر کفر کی گواہی دیتے ہوئے۔''

یہ مساجد تو اللہ کے گھر ہیں' یہ کعبہ اللہ کا گھر اور توحید کا مرکز ہے' جبکہ قریش علی الاعلان کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اللہ کے گھر کے متولی بھی بنے بیٹھے ہیں۔ ایسا کیونکر ممکن ہے؟ اللہ کے اِن دشمنوں کا اس کی مساجد کے اوپر کوئی حق بھلا کیسے ہو سکتا ہے؟

﴿اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِی النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے سارے اعمال ضائع ہو گئے ہیں' اور آگ ہی میں وہ رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔''

بیت اللہ کی دیکھ بھال اور حاجیوں کی خدمت جیسے وہ اعمال جن پر مشرکینِ مکہ پھولے نہیں سماتے' ایمان کے بغیر اللہ کے نزدیک اُن کے اِن اعمال کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اُن کے کفر کے سبب اللہ نے ان کے تمام اعمال ضائع کر دیے ہیں۔

آیت ۱۸ ﴿اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَی الزَّكٰوةَ وَلَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ﴾ ''یقیناً اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور یومِ آخرت پر' نماز قائم کریں' زکوٰۃ ادا کریں' اور نہ ڈریں کسی سے سوائے اللہ کے''

﴿فَعَسٰٓی اُولٰٓئِكَ اَنْ یَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۸﴾﴾ ''تو امید ہے کہ یہی لوگ راہ یاب ہوں گے۔''

آیت ۱۹ ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کو آباد رکھنے کو برابر کر دیا ہے اُس شخص (کے اعمال) کے جو ایمان لایا اللہ پر اور یومِ آخرت پر اور اُس نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں؟''

مشرکینِ مکہ اس بات پر بہت نازاں ہیں کہ انہوں نے بیت اللہ کو آباد رکھا ہوا ہے اور وہ حاجیوں کو پانی پلانے جیسا کارِ خیر سر انجام دیتے ہیں' تو کیا اُن کے یہ امور ایمان باللہ' ایمان بالآخرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر ہو جائیں گے؟

﴿لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾﴾ ''یہ برابر نہیں ہو سکتے اللہ کے نزدیک۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آیت ۲۰ ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ

اللّٰہِ ؕ﴾ ”وہ لوگ جو ایمان لائے‘ جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ‘ اُن کا بہت عظیم رتبہ ہے اللہ کے نزدیک۔“

﴿وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾﴾ ”اور وہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے۔“

آیت ۲۱ ﴿یُبَشِّرُھُمْ رَبُّھُمْ بِرَحْمَۃٍ مِّنْہُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّھُمْ فِیْھَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ﴿۲۱﴾﴾ ”انہیں بشارت دیتا ہے ان کا رب اپنی رحمتِ خاص اور رضامندی کی اور اُن باغات کی جن کے اندر ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی۔“

آیت ۲۲ ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۲﴾﴾ ”جن میں وہ رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔ یقیناً اللہ ہی کے پاس ہے بہت بڑا اجر۔“

اگلی دو آیات اپنے موضوع اور فلسفۂ دین کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے‘ مکّہ پر چڑھائی کے سلسلے میں بعض مسلمانوں میں تذبذب پایا جاتا تھا۔ اس کی ایک بہت ہی اہم وجہ یہ تھی کہ مشرکینِ مکّہ میں سے اکثر کے ساتھ مہاجرین کی بہت قریبی عزیز داریاں تھیں۔ ابھی تک تو کچھ اُمید تھی کہ شاید وہ لوگ ایمان لے آئیں گے‘ مگر اب صاف نظر آ رہا تھا کہ مکہ پر چڑھائی کی صورت میں اپنے قریبی عزیزوں کے خلاف لڑنا ہوگا‘ اپنے بھائیوں‘ بیٹوں اور باپوں کے گلے کاٹنا ہوں گے۔ انسانی سطح پر یہ کوئی آسان کام نہیں تھا‘ مگر اللہ تعالیٰ کو ابھی مسلمانوں کا یہ مشکل ترین امتحان لینا بھی مقصود تھا۔ لہٰذا یہ آیات اس ضمن میں اللہ کی مرضی اور دینِ حق کا اصول بہت واضح اور دوٹوک الفاظ میں بیان کر رہی ہیں۔

آیت ۲۳ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَکُمْ وَاِخْوَانَکُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْکُفْرَ عَلَی الْاِیْمَانِ ؕ﴾ ”اے اہلِ ایمان! اپنے باپوں اور بھائیوں کو دلی دوست اور حمایتی مت بناؤ اگر انہوں نے ایمان کے مقابلے میں کفر کو پسند کیا ہے۔“

اگر تم میں سے کسی کے دل میں اب بھی اپنے کافر اقرباء کے لیے محبت کی کوئی رمق موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی ایمان کے ساتھ اس کا رشتہ مضبوط نہیں ہوا۔ اللہ‘ اُس کے دین اور توحید کے لیے اس کے جذبات میں غیرت وحمیت نہیں ہے۔

﴿وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾﴾ ”اور تم میں سے جو کوئی بھی اُن کے ساتھ ولایت (دوستی) کا تعلق رکھیں گے تو ایسے لوگ (خود بھی) ظالم ٹھہریں گے۔“

اب وہ آیت آ رہی ہے جو اس موضوع پر قرآن کریم کی اہم ترین آیت ہے۔

آیت ۲۴ ﴿قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ﴾ ”(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے

باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں (اور بیویوں کے لیے شوہر)، تمہارے رشتہ دار اور وہ مال جو تم نے بہت محنت سے کمائے ہیں، اور وہ تجارت جس کے مندے کا تمہیں خطرہ رہتا ہے، اور وہ مکانات جو تمہیں بہت پسند ہیں، (اگر یہ سب چیزیں) تمہیں محبوب تر ہیں اللہ، اُس کے رسول اور اُس کے رستے میں جہاد سے، تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے۔"

﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾﴾ "اور اللہ ایسے فاسقوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔"

اس آیت میں آٹھ چیزیں گنوا کر دو ٹوک انداز میں بتا دیا گیا ہے کہ اگر کسی کے دل میں ان آٹھ محبتوں میں سے کسی ایک یا ان سب محبتوں کا جذبہ اللہ، اُس کے رسول اور اُس کے رستے میں جہاد کی محبتوں کے جذبے کے مقابلے میں زیادہ ہے تو پھر اللہ کے فیصلے کا انتظار کرے۔ یہ بہت سخت اور رونگٹے کھڑے کر دینے والا لہجہ اور انداز ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنے باطن میں ایک ترازو نصب کرے۔ اس کے ایک پلڑے میں یہ آٹھ محبتیں ڈالے اور دوسرے میں اللہ، اُس کے رسول ﷺ اور جہاد کی تین محبتیں ڈالے اور پھر اپنا جائزہ لے کہ مَیں کہاں کھڑا ہوں! چونکہ انسان خود اپنے نفس سے خوب واقف ہے ﴿بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾﴾ (القیامہ) اس لیے اگر وہ غور کرے گا تو اسے اپنے باطن کی صحیح صورتِ حال ضرور معلوم ہو جائے گی۔ بہر حال اس سلسلے میں ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر تو اُس کی ساری خواہشیں، محبتیں اور حقوق (بیوی، اولاد، نفس وغیرہ کے حقوق) مذکورہ تین محبتوں کے تابع ہیں تو اُس کے معاملاتِ ایمان درست ہیں، لیکن اگر مذکورہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک بھی چیز کی محبت کا گراف اوپر چلا گیا تو بس یوں سمجھیں کہ وہاں توحید ختم ہو جائے گی اور شرک شروع ہو جائے گا! اسی فلسفہ کو علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں اس طرح پیش کیا ہے:

یہ مال و دولت دنیا، یہ رشتہ و پیوند — بتانِ وہم و گماں، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ!

آیت زیر نظر میں جو آٹھ چیزیں گنوائی گئی ہیں ان میں پہلی پانچ "رشتہ و پیوند" کے زُمرے میں آتی ہیں جب کہ آخری تین "مال و دولتِ دنیا" کی مختلف شکلیں ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کی اصل میں کوئی حقیقت نہیں ہے، یہ ہمارے وہم و توہم کے بنائے ہوئے بُت ہیں۔ جب تک لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شمشیر سے اِن بُتوں کو توڑا نہیں جائے گا، بندۂ مومن کے نہاں خانۂ دل میں توحید کا عَلَم بلند نہیں ہو گا۔

دوسرے اور تیسرے رکوع پر مشتمل وہ خطبہ جو رمضان ۸ ہجری سے قبل نازل ہوا تھا یہاں ختم ہوا۔ اب چوتھے رکوع کے آغاز سے سلسلۂ کلام پھر سے سورت کی ابتدائی چھ آیات کے ساتھ جوڑا جا رہا ہے۔

آیات ۲۵ تا ۲۹

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ

كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۲۷ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۲۸ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا
حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا
الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ۝۲۹ ع ۵

آیت ۲۵ ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ﴾ ”(اے مسلمانو!) اللہ نے تمہاری مدد کی ہے بہت سے مواقع پر اور (خاص طور پر) حنین کے دن“

جیسا کہ قبل ازیں بیان ہو چکا ہے، پہلے، چوتھے اور پانچویں رکوع پر مشتمل یہ خطبہ ذوالقعدہ ۹ ہجری میں نازل ہوا تھا، جبکہ اس سے پہلے غزوۂ حنین شوال ۸ ہجری میں وقوع پذیر ہو چکا تھا۔

﴿اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾ ”جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا“

ظاہر ہے لشکر میں شامل تمام مسلمانوں کو اپنی کثرت کا زعم نہیں تھا۔ معاملہ دراصل یوں تھا کہ غزوۂ حنین میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اس سے پہلے کبھی کسی غزوہ میں اتنی بڑی تعداد میں مسلمان اکٹھے نہیں ہوئے تھے۔ ان میں سے دس ہزار مسلمان تو وہ تھے جو فتح مکہ کے وقت حضور ﷺ کے ہمراہ تھے، جبکہ دو ہزار لوگ مکہ سے شامل ہوئے تھے۔ مکہ سے شامل ہونے والوں میں اکثریت اُن نو مسلموں کی تھی جو مکہ فتح ہو جانے کے بعد ایمان لائے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں کچھ مشرک بھی ہوں جو اَب مسلمانوں کی رعایا ہونے کے باعث معاونین اور خادمین کی حیثیت سے لشکر میں شامل ہو گئے ہوں۔ مسلمانوں کی یہ لشکر کشی ہوازن اور ثقیف کے قبائل کے خلاف تھی جو طائف اور اس کے اردگرد کی شاداب وادیوں میں آباد تھے۔ مسلمان اس سے قبل بارہا قلیل تعداد اور معمولی اسلحہ سے کفار کی بڑی بڑی فوجوں کو شکست دے چکے تھے۔ چنانچہ بعض مسلمانوں کی زبان سے اپنی کثرت کے زعم میں یہ الفاظ نکل گئے کہ ”آج مسلمانوں پر کون غالب آ سکتا ہے!“ دوسری طرف ہوازن اور ثقیف کے قبائل نے پہلے سے اپنے تیر انداز دستے پہاڑیوں اور گھاٹیوں پر تعینات کر رکھے تھے اور موزوں مقامات پر صف آرائی کر لی تھی۔ یہ لوگ بڑے ماہر تیر انداز تھے۔ مسلمانوں کا لشکر جونہی وادیٔ حنین میں پہنچا تو پہاڑیوں پر پہلے سے موجود تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ لشکر نشیب میں تھا، تیر بلندی سے آ رہے تھے اور دونوں طرف سے آ رہے تھے۔ اس سے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ جب ہراول دستے سے لوگ اضطراری کیفیت میں پلٹ کر بھاگے تو ریلے کی صورت میں بہت سے دوسرے لوگوں کو بھی اپنے ساتھ دھکیلتے چلے گئے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ اُس وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف ۳۰ یا ۴۰ آدمی رہ گئے تھے۔ علامہ شبلیؒ نے ”سیرت النبی ﷺ“ میں یہی لکھا ہے کہ ۳۰، ۴۰ آدمی رہ گئے تھے، لیکن سید سلیمان ندویؒ نے بعد میں اپنے استاد کی رائے پر اختلافی نوٹ لکھا کہ تین سو یا چار سو آدمی آپ ﷺ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ لیکن بارہ ہزار کے لشکر میں سے

تین سو یا چار سو آدمیوں کا رہ جانا بھی کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اس صورتِ حال میں حضور ﷺ اپنی سواری سے نیچے اتر آئے، آپ ﷺ نے عَلَم خود اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بآوازِ بلند رجز پڑھا: اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب کہ میں نبی ہوں اس میں کوئی شک نہیں! (یعنی میں یقیناً نبی ہوں، چاہے یہ بارہ ہزار لوگ میرا ساتھ دیں تب بھی، اور اگر کوئی بھی ساتھ نہ دے تب بھی)۔ اور میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں، یعنی میں عبدالمطلب کا پوتا میدانِ جنگ میں بنفسِ نفیس موجود ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو پکارا: اِلَیَّ یَاعِبَادَ اللّٰہِ! ''اللہ کے بندو! میری طرف آؤ!'' اس کے بعد آپ ﷺ نے قریب ہی موجود اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو، جن کی آواز کافی بلند تھی، حکم دیا کہ وہ انصار و مہاجرین کو پکاریں۔ حضرت عباسؓ نے بلند آواز سے پکارا: اصحابِ بدر کہاں ہو؟ اصحابِ شجرہ (بیعتِ رضوان والو) کہاں ہو؟ اس پر لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف پلٹنا شروع ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے لشکر پھر سے اکٹھا ہو گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ایک بھرپور حملہ کیا۔ مخالف لشکر نے سخت مقابلہ کیا لیکن بالآخر مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

﴿فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ﴿۲۵﴾﴾ ''تو وہ (کثرت) تمہارے کچھ کام نہ آسکی اور زمین پوری فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔''

آیت ۲۶ ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا﴾ ''پھر اللہ نے نازل فرمائی اپنی (طرف سے) تسکین اپنے رسولؐ اور اہلِ ایمان پر اور (اُس وقت بھی) ایسے لشکر اُتارے جنہیں تم نے نہیں دیکھا''

﴿وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۭ وَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۶﴾﴾ ''اور عذاب دیا کافروں کو۔ اور یقیناً کافروں کا بدلہ یہی ہے۔''

آیت ۲۷ ﴿ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰہُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ ۭ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۷﴾﴾ ''پھر اس کے بعد (بھی) اللہ توبہ نصیب فرمائے گا اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے گا۔ اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔''

آیت ۲۸ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِھِمْ ھٰذَا ۚ﴾ ''اے اہلِ ایمان! یہ مشرکین یقیناً ناپاک ہیں، لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب نہ پھٹکنے پائیں۔''

یعنی اس سال (۹ ہجری) کے حج میں تو مشرکین بھی شامل ہیں، مگر آئندہ کبھی کوئی مشرک حج کے لیے نہیں آسکے گا اور نہ کسی مشرک کو بیت اللہ یا مسجد حرام کے قریب آنے کی اجازت ہوگی۔

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَۃً﴾ ''اور اگر تمہیں اندیشہ ہو فقر کا''

﴿فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾﴾ ''تو عنقریب اللہ تمہیں غنی کر دے گا اپنے فضل سے اگر وہ چاہے گا۔ یقیناً اللہ سب کچھ سننے والا' حکمت والا ہے۔''

اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ اس حکم کے بعد حاجیوں کی تعداد کم ہو جائے گی اور ان کے نذرانوں اور قربانیوں سے ہونے والی آمدنی میں بھی کمی آ جائے گی' تو اُسے اللہ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ رکھنا چاہیے۔ عنقریب اس قدر دُنیوی دولت تم لوگوں کو ملے گی کہ تم سنبھال نہیں سکو گے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد چند سالوں کے اندر اندر حالات یکسر تبدیل ہو گئے۔ سلطنتِ فارس اور سلطنتِ روما کی فتوحات کے بعد مالِ غنیمت کا گویا سیلاب اُمڈ آیا۔ اور بعینہٖ وہی صورت حال پیش آ گئی جس کی نشاندہی حضور ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں فرمائی تھی۔ آپؐ نے فرمایا تھا:

((فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرُ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ ، وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، فَتَنَافَسُوْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا ، وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ)) (۱)

''پس اللہ کی قسم (اے مسلمانو!) مجھے تم پر فقر واحتیاج کا کوئی اندیشہ نہیں ہے' بلکہ مجھے تم پر اس بات کا اندیشہ ہے کہ تم پر دنیا کشادہ کر دی جائے گی (تمہارے قدموں میں مال و دولت کے انبار لگ جائیں گے) جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ کی گئی' پھر تم اس کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو گے جیسے کہ وہ لوگ کرتے رہے' پھر یہ تمہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دے گی جیسے کہ اس نے ان لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا۔''

آیت ۲۹ ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾﴾ ''جنگ کرو تم اُن لوگوں سے جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں' نہ یومِ آخرت پر اور نہ حرام ٹھہراتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو' اور نہ قبول کرتے ہیں دین حق کی تابعداری کو' اُن لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی تھی' یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں اور چھوٹے (تابع) بن کر رہیں۔''

اس آیت میں بھی دین کا بہت اہم فلسفہ بیان ہوا ہے۔ اس حکم میں مشرکین عرب کے معاملے کو نسل انسانی کے باقی لوگوں کے معاملے سے الگ کر دیا گیا ہے۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۵ کی رو سے مشرکین عرب کو جو مہلت یا امان دی گئی تھی اس مدت کے گزرنے کے بعد ان کے لیے تو کوئی اور راستہ (option) اس کے علاوہ نہیں تھا کہ یا وہ ایمان لے آئیں یا انہیں قتل کر دیا جائے گا' اور یا وہ جزیرہ نمائے عرب سے چلے جائیں۔ اُن کا معاملہ تو اس لیے خصوصی تھا کہ محمد عربی ﷺ نے اللہ کے رسول کی حیثیت سے اُن پر آخری درجہ میں اتمامِ حجت کر دیا تھا' اور آپ ﷺ کی رسالت کا انکار کر کے وہ لوگ عذابِ استیصال کے حق دار ہو چکے تھے۔ مگر یہود و نصاریٰ اور باقی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجزیۃ و کتاب المغازی و کتاب الرقاق' باب ما یحذر من زھرۃ الدنیا والتنافس فیھا۔ وصحیح مسلم' کتاب الزھد والرقائق۔

پوری نوعِ انسانی کے لیے اس ضمن میں قانون مختلف رہے گا۔ چنانچہ حضور ﷺ کے زمانے میں جزیرہ نمائے عرب سے باہر کے لوگوں کے لیے (جنہوں نے آپؐ کی دعوت کو براہِ راست ردّ نہیں کیا) اور قیامت تک تمام دنیا کے انسانوں کے لیے وہ چیلنج نہیں کہ ایمان لاؤ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے۔ ظاہر ہے حضور ﷺ کی دنیوی حیاتِ مبارکہ کے بعد جب حضور ﷺ بحیثیتِ رسولؐ معنوی طور پر تو دنیا میں موجود ہیں مگر بنفسِ نفیس موجود نہیں' تو کسی قوم کے لیے آپ ﷺ کی دعوت کو براہِ راست ردکر کے عذابِ استیصال کے مستحق ہونے کا امکان نہیں۔ چنانچہ باقی تمام نوعِ انسانی کے افراد کا معاملہ یہ ہے کہ ان سے قتال کیا جائے گا' یہاں تک کہ وہ دین کی بالادستی کو بحیثیت ایک نظام کے قبول کر لیں' مگر انفرادی طور پر کسی کو قبولِ اسلام کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ہر کوئی اپنے مذہب پر کاربند رہتے ہوئے اسلامی ریاست کے ایک شہری کے طور پر رہ سکتا ہے' مگر ایسی صورتِ حال میں غیر مسلموں کو جزیہ دینا ہوگا۔ اسی فلسفے کے تحت خلافت راشدہ کے دور میں کسی بھی ملک پر لشکر کشی کرنے سے پہلے تین شرائط پیش کی جاتی تھیں۔ پہلی یہ کہ ایمان لے آؤ' ایسی صورت میں تم ہمارے برابر کے شہری ہوگے۔ اگر یہ قبول نہ ہو تو اللہ کے دین کی بالادستی قبول کر کے اسلامی ریاست کے فرمانبردار شہری بن کر رہنا اور جزیہ دینا قبول کرلو۔ ایسی صورت میں تم لوگوں کو آزادی ہوگی کہ تم یہودی' عیسائی' مجوسی' ہندو وغیرہ جو چاہو بن کر رہو۔ لیکن اگر یہ بھی قابلِ قبول نہ ہو اور تم لوگ اس زمین پر باطل کا نظام قائم رکھنا چاہو تو اس صورت میں تم سے ہماری جنگ ہوگی۔

آیات ۳۰ تا ۳۵

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

آیت ۳۰ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ﴾ ''اور یہود نے کہا (عقیدہ گھڑ لیا) کہ عزیرؑ اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا (عقیدہ گھڑ لیا) کہ مسیحؑ اللہ کا بیٹا ہے۔''

﴿ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ﴾ ''یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ نقل کر رہے ہیں ان لوگوں کی باتوں کو جنہوں نے کفر کیا تھا ان سے پہلے۔''

ان کے ایسے مَن گھڑت عقیدوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے' بلکہ یہ لوگ محض اپنے سے پہلے والے مشرکین کے عقائد کی نقل کر رہے ہیں۔ مثلاً تاریخی شہادت کے مطابق تثلیث کا عقیدہ سب سے پہلے مصر کے قدیم مذہب ''متھرازم'' کے پیروکاروں نے گھڑا تھا۔ اس حوالے سے انہوں نے یہ تین کردار متعارف کرائے تھے: "God the Father, Horus the Son of God and Isis the Mother Goddess." یعنی خدا' خدا کا بیٹا حورس اور اس کی ماں آئسس دیوی۔ یہ پہلی تثلیث تھی جو مصر میں بنی تھی۔ پھر جب سینٹ پال نے عیسائیت کی تبلیغ شروع کی اور اس کا دائرہ غیر اسرائیلیوں (gentiles) تک وسیع ہو گیا تو اہل مصر کی نقالی میں تثلیث جیسے نظریات عیسائیت میں بھی شامل کر لیے گئے تاکہ نئے لوگوں کو عیسائیت اختیار کرنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ عیسائیت میں جو پہلی تثلیث شامل کی گئی وہ ''خدا' خدا کا بیٹا یسوع اور مریم مقدس'' کے کرداروں پر مشتمل تھی گویا کہ اس تثلیث کا بنیادی تصور متھرازم سے لیا گیا تھا۔

﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰﴾ ''اللہ انہیں ہلاک کرے' یہ کہاں سے بچلائے گئے ہیں!''

آیت ۳۱ ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ﴾ ''انہوں نے اپنے اَحبار و رُہبان کو ربّ بنا لیا اللہ کے سوا اور مسیحؑ ابن مریم کو بھی۔''

عیسائیوں میں دوسری بڑی گمراہی یہ پیدا ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی الوہیت میں حصہ دار بنا لیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اُن کے ہاں باقاعدہ تین خداؤں میں سے ایک تھے اور اس حیثیت میں وہ آپؑ کی پرستش بھی کرتے تھے' مگر احبار و رہبان کو رب ماننے کی کیفیت ذرا مختلف تھی۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جنہوں نے عیسائیت سے اسلام قبول کیا تھا) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس آیت کے بارے میں وضاحت کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَمَا اِنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا يَعْبُدُوْنَهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا اَحَلُّوْا شَيْئًا اسْتَحَلُّوْهُ وَاِذَا حَرَّمُوْا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوْهُ)) (۲)

''وہ ان (احبار و رہبان) کی عبادت تو نہیں کرتے تھے' لیکن جب وہ کسی شے کو حلال قرار دیتے تو یہ اسے حلال مان لیتے اور جب وہ کسی شے کو حرام قرار دیتے تو یہ اسے حرام مان لیتے۔''

یعنی حلال و حرام کے بارے میں قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے' اور اگر کوئی دوسرا اس حق کو استعمال کرتا ہے تو گویا وہ اللہ کی الوہیت میں حصہ دار بننے کی کوشش کرتا ہے' اور جو کوئی اللہ کے علاوہ کسی کا یہ حق تسلیم کرتا ہے وہ گویا اُسے اللہ کے سوا اپنا رب تسلیم کر رہا ہے۔

آج بھی پوپ کو پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ مذہبی معاملات کے حوالے سے جو چاہے فیصلہ کرے۔ جیسا

---

(۲) سنن الترمذی' کتاب تفسیر القرآن' باب ومن سورۃ التوبۃ۔

کہ اُس نے ایک فرمان کے ذریعے سے یہودیوں کو دو ہزار سال پرانے اس الزام سے بری کر دیا' کہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کو سولی پر چڑھایا تھا۔ گویا کہ اسے تاریخ تک کو بدل دینے کا اختیار ہے' اسی طرح وہ کسی حرام چیز کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے سکتا ہے۔ اس طرح کے تصورات ہمارے ہاں اسماعیلیوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنے ''امامِ حاضر'' کو معصوم مانتے ہیں اور اس کے بارے میں یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ اسے کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ اس طرح انہوں نے شریعت کو ساقط کر دیا ہے۔ تاہم یہ معاملہ بالخصوص گجرات (انڈیا) کے علاقے میں بسنے والے اسماعیلیوں کا ہے' جبکہ ہنزہ میں جو اسماعیلی آباد ہیں اُن کے ہاں شریعت موجود ہے' کیونکہ یہ پرانے اسماعیلی ہیں جو باہر سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے۔ گجرات (انڈیا) کے علاقہ میں اسماعیلیوں نے جب مقامی آبادی میں اپنے نظریات کی تبلیغ شروع کی تو انہوں نے وہی کیا جو سینٹ پال نے کیا تھا۔ انہوں نے شریعت کو ساقط کر دیا اور ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق اوتار کا عقیدہ اپنا لیا۔ مقامی ہندو آبادی میں اپنے نظریات کی آسان ترویج کے لیے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دسویں اوتار کے طور پر پیش کیا (ہندوؤں کے ہاں نو اوتار کا عقیدہ رائج تھا)۔ لہٰذا ''دشم اوتار'' کا عقیدہ مستقل طور پر اُن کے ہاں رائج ہو گیا۔ اس کے علاوہ اُن کے حاضر امام کو مکمل اختیار ہے کہ وہ شریعت کے جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے' کسی حلال چیز کو حرام کر دے یا کسی حرام کو حلال قرار دے دے۔

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳۱﴾ ''انہیں نہیں حکم دیا گیا تھا مگر اسی بات کا کہ وہ پوجیں صرف ایک الٰہ کو' نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا۔ وہ پاک ہے اس سے جو شرک یہ لوگ کر رہے ہیں۔''

آیت ۳۲ ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ ''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں اپنے مُنہ (کی پھونکوں) سے''

﴿وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲﴾ ''اور اللہ کو ہرگز منظور نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اپنے نور کا اِتمام فرما کر رہے' چاہے یہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔''

اس اسلوب میں یہودیوں پر ایک طرح کا طنز ہے کہ وہ ہمیشہ خفیہ سازشوں کے ذریعے سے ہی دین اسلام کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی علی الاعلان میدان میں آ کر مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ اس آیت کی ترجمانی مولانا ظفر علی خان نے اپنے ایک شعر میں اس طرح کی ہے: ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

آیت ۳۳ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝۳۳﴾ ''وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسولؐ کو الہدیٰ اور دینِ حق دے کر تاکہ غالب کر دے اسے کُل کے کُل دین (نظامِ زندگی) پر' خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔''

یہ آیت حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی امتیازی یا تکمیلی شان کا واضح مظہر ہے۔ جیسے کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے، حضور ﷺ کی رسالت کا بنیادی مقصد تو دوسرے انبیاء و رُسل کی طرح تبشیر، انذار، تذکیر، دعوت اور تبلیغ ہے، جس کا تذکرہ سورۃ النساء (آیت ۱۶۵) میں بایں الفاظ ہوا ہے: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ ؕ﴾ لیکن اس کے علاوہ حضور ﷺ کی بعثت کا ایک امتیازی اور خصوصی مقصد بھی ہے اور وہ ہے تکمیلِ رسالت، یعنی دین کو بالفعل قائم اور غالب کرنا۔ اِن دو آیات میں آپ ﷺ کی رسالت کی اسی تکمیلی شان کا ذکر ہے۔ آیات کا یہ جوڑا بالکل اسی ترتیب سے سورۃ الصّف (آیت ۸ اور ۹) میں بھی آیا ہے۔ ان میں سے پہلی آیت سورۃ الصّف میں تھوڑے سے فرق کے ساتھ آئی ہے: ﴿یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸﴾﴾ جبکہ دوسری آیت جوں کی توں ہے، اس میں اور سورۃ التوبہ کی اس آیت میں بالکل کوئی فرق نہیں ہے۔ میں نے اس آیت کی وضاحت میں چوبیس صفحات پر مشتمل ایک مقالہ لکھا ہے جو ''نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت'' کے عنوان سے شائع ہوتا ہے۔ اس مقالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے خصوصی یا امتیازی مقصد کی کلی انداز میں تکمیل یعنی دنیا میں دین کو قائم اور غالب کرنے کی جدوجہد ہم سب پر حضور ﷺ کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے فرض ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگوں نے اس فرض سے جان چھڑانے کے لیے بھی دلائل دیے ہیں کہ دین کو ہم انسانوں نے نہیں بلکہ اللہ نے غالب کرنا ہے، لیکن اگر آپ اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو یہ حقیقت ان شاءاللہ آپ پر واضح ہو جائے گی۔

آیت ۳۴ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡاَحۡبَارِ وَ الرُّہۡبَانِ لَیَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ﴾

''اے اہلِ ایمان، یقیناً بہت سے علماء اور درویش ہڑپ کرتے ہیں لوگوں کے مال باطل طریقے سے''

مختلف مسلمان اُمتوں میں مذہبی پیشواؤں کے لیے مختلف نام اور القاب رائج رہے ہیں۔ بنی اسرائیل کے ہاں انہیں اَحبار اور رُہبان کہا جاتا تھا۔ آیت زیر نظر کے مطابق اس طبقے کے اکثر لوگ باطل اور ناجائز ذرائع سے مال و دولت جمع کرنے اور جائیدادیں بنانے کے مکروہ دھندے میں ملوث رہے ہیں۔ ایک عام دنیادار آدمی اگر جائز طریقے سے مال و دولت کماتا ہے یا جائیداد بناتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ مگر ایک ایسا شخص جو دین کی خدمت میں مصروف ہے اور اسی حیثیت سے جانا پہچانا جاتا ہے، اگر وہ بھی مال و دولت جمع کرنے اور جائیدادیں بنانے میں مشغول ہو جائے، اپنی دینی حیثیت کو نیلام کرتے ہوئے لوگوں کے مال ہڑپ کرنے لگے اور مال و دولت جمع کرنے ہی کو اپنا مقصدِ زندگی بنا لے، تو ایسا انسان آسمان کی چھت کے نیچے بدترین انسان ہوگا۔ یہاں حضور ﷺ کی ایک بہت عبرت انگیز حدیث بھی سن لیں جس میں آپ ﷺ نے اپنی امت کے علماءِ سو کا ذکر بھی فرمایا ہے:

عَنْ عَلِيٍّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يُوْشِكُ اَنْ يَّاْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُهٗ، وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ، مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى، عُلَمَاؤُهُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ، مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ)) (۳)

حضرت علی ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اندیشہ ہے کہ لوگوں پر ایک وقت

(۳) رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ مشکاۃ المصابیح، کتاب العلم، الفصل الثالث۔

ایسا آئے گا جب اسلام میں سے اس کے نام کے سوا کچھ نہیں بچے گا اور قرآن میں سے اس کے رسم الخط کے سوا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ ان کی مسجدیں بہت آباد (اور شاندار) ہوں گی مگر وہ ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء آسمان کی چھت کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے' فتنہ انہی میں سے برآمد ہوگا اور ان ہی میں لوٹ جائے گا۔''

﴿وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اور روکتے ہیں لوگوں کو اللہ کے راستے سے۔''

جب کوئی دینی تحریک اٹھتی ہے' کوئی اللہ کا مخلص بندہ لوگوں کو دین کی طرف بلاتا ہے' تو ان مذہبی پیشواؤں کو اپنی مسندیں خطرے میں نظر آتی ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ان کے عقیدت مند انہیں چھوڑ کر کسی دوسری دعوت کی طرف متوجہ ہوں' کیونکہ انہی عقیدت مندوں کے نذرانوں ہی سے تو ان کے دولت کے انباروں میں اضافہ ہو رہا ہوتا ہے اور ان کی جائیدادیں بن رہی ہوتی ہیں۔ وہ آخر کیونکر چاہیں گے کہ اُن کے نام لیوا کسی دوسری دعوت پر لبیک کہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾﴾ ''اور وہ لوگ جو جمع کرتے ہیں اپنے پاس سونا اور چاندی اور خرچ نہیں کرتے اس کو اللہ کی راہ میں' تو اُن کو بشارت دے دیجیے دردناک عذاب کی۔''

اس آیت کے حوالے سے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ کسی مسلمان کے لیے سونا اور چاندی اپنے پاس رکھنا مطلقاً حرام ہے۔ مگر دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' حضرت ابوذر غفاریؓ کی اس رائے سے متفق نہیں تھے۔ چنانچہ دین کا عام قانون اس بارے میں یہی ہے کہ اگر کسی نے کوئی مال جائز طریقے سے کمایا ہو اور وہ اس میں سے زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو تو اس مال کو وہ اپنے پاس رکھ سکتا ہے' چاہے وہ کتنی ہی زیادہ مقدار میں ہو اور چاہے وہ سونے اور چاندی ہی کی شکل میں ہو۔ ایسا مال ایک شخص کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو جائز مال کے طور پر قانونِ وراثت کے مطابق منتقل بھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قانونِ وراثت خود اس بات پر دلیل ہے کہ مال و دولت کو اپنی ملکیت میں رکھنا ناجائز نہیں ہے' کیونکہ اگر مال جمع نہیں ہوگا تو وراثت کس چیز کی ہوگی اور قانونِ وراثت کا عملاً کیا مقصد رہ جائے گا؟ اس لحاظ سے قرآن کے وہ احکام روحانی اور اخلاقی تعلیم کے زمرے میں آتے ہیں جن میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ جیسے اس حوالے سے ﴿قُلِ الْعَفْوَ ؕ﴾ (البقرۃ:۲۱۹) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ یعنی جو بھی زائد از ضرورت مال ہو اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے باوجود قانونی نقطہ نظر سے یہی فیصلہ ہوا تھا کہ کسی مسلمان کے لیے سونا' چاندی اپنے پاس رکھنا مطلقاً حرام نہیں ہے' مگر اس کے باوجود حضرت ابوذر غفاریؓ اپنی رائے میں کسی قسم کی لچک پیدا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ چونکہ آپؓ کے اختلاف کی شدت کے باعث مدینہ کے ماحول میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہو رہی تھی' اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپؓ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ سے باہر چلے جائیں۔ اس پر آپؓ مدینہ سے نکل گئے اور صحرا میں ایک جھونپڑی بنا کر اس میں رہنے لگے۔

میرے نزدیک اس آیت کا حکم اَحبار اور رُہبان یعنی مذہبی پیشواؤں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس حکم میں خصوصی طور پر سب لوگ شامل ہیں جنہوں نے اپنا وقت اور اپنی صلاحیتیں دین کی خدمت کے لیے وقف کر رکھی ہیں اور اُن کا اپنا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔ ایسے مذہبی پیشواؤں کو لوگ ہدیے دیتے ہیں اور اُن کی مالی معاونت کرتے ہیں تاکہ وہ اپنی ضروریاتِ زندگی کو باعزت طریقے سے پورا کر سکیں۔ جیسے حضورﷺ خود بیت المال سے اپنی ضروریات پوری کرتے تھے' ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو نان نفقہ بھی دیتے تھے اور اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ حسنِ سلوک بھی کرتے تھے۔ (اور بیت المال سے کچھ میسّر نہ ہونے کی صورت میں آپؐ فاقے بھی کرتے تھے)۔ اسی طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی مثال بھی ہے۔ چنانچہ ایسے تمام مذہبی پیشواؤں پر لازم ہے کہ وہ دوسروں کے ہدیے اور وظائف صرف معروف انداز میں اپنی اور اپنے زیرِ کفالت افراد کی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے استعمال میں لائیں۔ لیکن اگر یہ لوگ اپنی مذکورہ حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دولت اکٹھی کرنا اور جائیدادیں بنانا شروع کر دیں' اور پھر یہ دولت اور جائیدادیں قانونِ وراثت کے تحت اُن کے ورثاء کو بھی منتقل ہوں تو ایسی صورت میں اِن لوگوں پر اس آیت کے احکام کا حرف بہ حرف انطباق ہوگا۔ چنانچہ آج بھی اگر آپ علماءِ حق اور علماءِ سو کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں تو میرے نزدیک یہ آیت اس کے لیے ایک طرح کا لٹمس ٹیسٹ (litmus test) ہے۔ اگر کوئی مذہبی پیشوا یا عالم اپنے دینی کیریئر کے نتیجے میں جائیداد بنا کر اور اپنے پیچھے دولت چھوڑ کر مرا ہو تو وہ بلاشک وشبہ علماءِ سوء میں سے ہے۔

آیت ۳۵ ﴿يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ﴾ ''جس دن ان (سونے اور چاندی) کو تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں اور پھر داغا جائے گا ان سے اُن کی پیشانیوں' اُن کے پہلوؤں اور اُن کی پیٹھوں کو۔''

﴿هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۝۳۵﴾ ''(اور ساتھ کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے اپنے لیے اکٹھا کیا تھا' تو اب چکھو مزا اس کا جو کچھ تم جمع کرتے تھے۔''

آیات ۳۶' ۳۷

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڏ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَاۗفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَاۗفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۝ اِنَّمَا النَّسِيْۗءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِــــُٔــوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۝

آیت ۳۶ ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ ''بے شک اللہ کے ہاں مہینوں کی تعداد بارہ ہے' اللہ کے قانون میں' جس دن سے اُس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو''

اللہ کے قائم کردہ تکوینی نظام اور تشریعی قانون کے تحت مہینوں کی تعداد بارہ مقرر کی گئی ہے۔

﴿مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ﴾ ''ان میں سے چار مہینے محترم ہیں۔''

ان چار مہینوں (ذوالقعدہ' ذوالحجہ' محرم اور رجب) کو ''اَشہرِ حُرم'' کہتے ہیں اور ان میں جنگ وغیرہ جائز نہیں۔

﴿ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''یہی ہے سیدھا دین' تو ان کے معاملے میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو''

قانونِ خداوندی کے مطابق یہ چار مہینے شروع سے محترم ہیں' لہٰذا تم لوگ ان مہینوں کی حرمت کو پامال کر کے اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ اس میں قریش کے اس رواج کی طرف اشارہ ہے جس کے تحت وہ محترم مہینوں کو اپنی مرضی سے بدلتے رہتے تھے۔ کسی مہم یا لڑائی کے دوران میں اگر کوئی ماہِ حرام آ جاتا تو اس مہینے کے احترام میں جنگ وجدال بند کرنے کے بجائے وہ اعلان کر دیتے کہ اس سال اس مہینے کے بجائے فلاں مہینہ ماہِ حرام کے طور پر منایا جائے گا۔ اس طرح انہوں نے پورا کیلنڈر گڈمڈ کر رکھا تھا۔ لیکن مہینوں کے اَدل بدل اور الٹ پھیر سے گزرتے ہوئے قدرتِ خداوندی سے سن ۱۰ ہجری میں کیلنڈر واپس اپنی اصلی حالت پر پہنچ گیا تھا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: ((اِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَیْئَتِهٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ......))(٤) یعنی زمانے کی یہ تقویم (کیلنڈر) پورا چکر لگا کر ساری غلطیوں اور ترامیم میں سے گزرتے ہوئے اب ٹھیک اسی جگہ پر پہنچ گئی ہے جس پر اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔

﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ۝۳۶﴾ ''اور مشرکین سے سب مل کر جنگ کرو جیسے وہ سب اکٹھے ہو کر تم سے جنگ کرتے ہیں' اور جان لو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔''

آیت ۳۷ ﴿اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ ''یہ مہینوں کو ہٹا کر آگے پیچھے کر لینا تو کفر میں ایک اضافہ ہے' جس کے ذریعے سے گمراہی میں مبتلا کیے جاتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا''

یعنی امن کے مہینوں کو اپنی جگہ سے ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر میں ایک اور کافرانہ حرکت کا اضافہ ہے۔

﴿یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ ''ایک سال یہ لوگ حلال کر لیتے ہیں اس (مہینے) کو اور ایک سال اسے حرام قرار دے دیتے ہیں' تا کہ تعداد پوری کر لیں اس کی جو اللہ نے

---

(٤) صحیح البخاری' کتاب بدء الخلق و کتاب المغازی و کتاب تفسیر القرآن' باب قوله ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فی کتاب الله ...... وصحیح مسلم' کتاب القسامة والمحاربین والقصاص والدیات' باب تغلیظ تحریم الدماء والاعراض والاموال۔

حرام ٹھہرائے ہیں‘‘

﴿ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ ﴾ ’’اور (اس طرح) حلال کر لیتے ہیں وہ (مہینہ) جو اللہ نے حرام کیا ہے۔‘‘

یعنی اس طرح اُلٹ پھیر کر کے وہ ان مہینوں کو حلال کر لیتے جو اصل میں اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں۔ مشرکینِ عرب بارہ مہینوں میں سے چار مہینوں کو محترم ضرور مانتے تھے مگر اپنی مرضی سے ان مہینوں کو آگے پیچھے کرتے رہتے تھے اور سال کے آخر تک محترم مہینوں کی تعداد پوری کر دیتے تھے۔

﴿ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ ﴾ ’’(اسی طرح) ان کے لیے مزین کر دیے گئے اُن کے برے اعمال۔ اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔‘‘

یہاں وہ پانچ رکوع ختم ہوئے جن کا تعلق نبی اکرم ﷺ کی بعثتِ خصوصی سے ہے۔ اِن آیات میں اس سلسلے میں تکمیلی اور آخری احکام دے دیے گئے ہیں۔ اب چھٹے رکوع سے غزوۂ تبوک کے موضوع کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس کے پس منظر کے ضمن میں چند باتیں پھر سے ذہن میں تازہ کر لیجیے۔

سن ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے فوراً بعد رسول اللہ ﷺ نے عرب سے باہر مختلف فرمانرواؤں کی طرف اپنے خطوط اور ایلچی بھیجنے شروع کیے۔ اس سلسلے میں آپ ﷺ کا نامۂ مبارک بصریٰ (شام) کے رئیس شرحبیل بن عمرو کی طرف بھی بھیجا گیا۔ یہ شخص رومن ایمپائر کا باج گزار تھا۔ اس کے پاس حضور ﷺ کا نامۂ مبارک حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔ شرحبیل نے تمام اخلاقی و سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حضرت حارث رضی اللہ عنہ کو شہید کرا دیا۔ لہٰذا سفیر کے قتل کو اعلانِ جنگ سمجھتے ہوئے حضور ﷺ نے تین ہزار صحابہؓ پر مشتمل ایک لشکر تیار کر کے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت شام کی طرف روانہ فرمایا۔ مُوتہ پہنچنے پر ان لوگوں نے ایک لاکھ رومیوں کے لشکر کو اپنے خلاف صف آرا پایا۔ مخالف لشکر کی تعداد کا اندازہ کرنے کے بعد مسلمانوں نے مقابلہ کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں تفصیلی مشاورت کی اور حالات کی تمام تر سنگینی کے باوجود انہوں نے لشکر کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ظاہر ہے مسلمانوں کا یہ فیصلہ صرف اور صرف شوقِ شہادت کی بنیاد پر کیا گیا تھا: ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن   نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی! (اقبال)

جمادی الاولیٰ ۸ ہجری میں ان دونوں لشکروں کے درمیان موتہ کے مقام پر جنگ ہوئی۔ مسلمان لشکر کے لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کے علاوہ خصوصی طور پر دو مزید کمانڈر بھی مقرر فرمائے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو جعفرؓ بن ابی طالب (جعفر طیارؓ) کمان سنبھالیں گے، اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ انصاریؓ لشکر کے امیر ہوں گے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے مقرر کردہ تینوں کمانڈر اسی ترتیب سے یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے از خود لشکر کی کمان سنبھالی، اور کامیاب حکمتِ عملی کے تحت اپنے لشکر کو رومیوں کے نرغے سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔

جنگ موتہ سے پیدا ہونے والی صورت حال میں حضور ﷺ نے اعلانِ عام فرمایا کہ رومیوں کے مقابلے

کے لیے تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لاتے ہوئے ایک بڑا لشکر تبوک کے لیے روانہ کیا جائے۔ اس مرتبہ آپ ﷺ نے خود لشکر کی قیادت کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ تبوک مدینہ سے شمال کی جانب تقریباً ساڑھے تین سو میل کی مسافت پر حجاز کا آخری شہر ہے۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں سے آگے اس زمانے میں رومن ایمپائر کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ غزوۂ تبوک میں شرکت کے لیے آپ ﷺ نے اعلانِ عام فرمایا تھا۔ یعنی جنگ کے قابل ہر صاحبِ ایمان شخص کے لیے فرض تھا کہ وہ اس مہم میں شریک ہو۔ یہ اہل ایمان کے لیے سخت امتحان اور آزمائش کا وقت تھا۔ قحط کا زمانہ، شدید گرمی کا موسم، طویل صحرائی سفر، وقت کی سپر پاور سے مقابلہ اور سب پر مستزاد یہ کہ فصل سنبھالنے کا موسم سر پر کھڑا تھا۔ گویا ایک سے بڑھ کر ایک مسئلہ تھا اور ایک سے بڑھ کر ایک امتحان! مدینہ کے بیشتر لوگوں کی سال بھر کی معیشت کا دارومدار کھجور کی فصل پر تھا، جو اس وقت پک کر تیار کھڑی تھی۔ مہم پر نکلنے کا مطلب یہ تھا کہ پکی ہوئی کھجوروں کو درختوں پر ہی چھوڑ کر جانا ہوگا۔ عورتیں چونکہ کھجوروں کو درختوں سے اتارنے کا مشکل کام نہیں کر سکتی تھیں، اس لیے پکی پکائی فصل ضائع جاتی صاف نظر آ رہی تھی۔

دوسری طرف اس مہم کا اعلان منافقین پر بہت بھاری ثابت ہوا اور اس کی وجہ سے ان کی ساری خباثتیں طشت از بام ہو گئیں۔ چنانچہ آئندہ گیارہ رکوعوں کی آیات اگرچہ اپنے اندر اس سلسلے کے چھوٹے بڑے بہت سے موضوعات سمیٹے ہوئے ہیں، مگر دوسرے مضامین کے درمیان میں ایک مضمون جو مسلسل چل رہا ہے وہ منافقین کا تذکرہ ہے۔ گویا یہ مضمون ایک دھاگہ ہے جس میں دوسرے مضامین چھوٹے بڑے موتیوں کی طرح پروئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس سے پہلے سورۃ النساء میں منافقین کا ذکر بڑی تفصیل سے آ چکا ہے، لیکن آئندہ گیارہ رکوع اس موضوع پر قرآن کے ذروۂ سنام کا درجہ رکھتے ہیں۔

بہر حال رسول اللہ ﷺ تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک تشریف لے گئے۔ مقابل میں اگرچہ ہرقل (قیصرِ روم) بنفسِ نفیس موجود تھا، لیکن شاید وہ پہچان چکا تھا کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں، چنانچہ وہ مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ حضور ﷺ نے کچھ عرصہ تبوک میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں اردگرد کے بہت سے قبائل نے آ کر آپؐ سے معاہدے کیے۔ اس مہم میں اگرچہ جنگ کی نوبت نہ آئی مگر مسلمان لشکر کا مدینہ سے تبوک جا کر رومن ایمپائر کی سرحدوں پر دستک دینا اور ہرقل کا مقابلہ کرنے کی بجائے کنّی کترا جانا، کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا۔ چنانچہ اس مہم کی وجہ سے نہ صرف اس علاقے میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی بلکہ اسلامی ریاست کی سرحدیں عملی طور پر تبوک تک وسیع ہو گئیں۔ دوسری طرف جنگ موتہ کی وجہ سے مسلمانوں کی ساکھ کو جو نقصان پہنچا تھا اس کی بھرپور انداز میں تلافی ہو گئی۔ سلطنتِ روم کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا یہ سلسلہ جو غزوۂ تبوک کی صورت میں شروع ہوا، اس میں مزید پیش رفت دورِ صدیقیؓ میں ہوئی۔ حضور ﷺ کے وصال کے فوراً بعد مدینہ سے لشکرِ اسامہؓ کی روانگی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔

آیات ۳۸ تا ۴۲

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ
اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾
اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ
هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ
وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا
لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ
يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ ع ۶ ۱۲

آیت ۳۸ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ﴾ ”اے ایمان کے دعوے دارو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ نکلو اللہ کی راہ میں تو تم دھنسے جاتے ہو زمین کی طرف!“

اگرچہ یہ وضاحت سورۃ النساء میں بھی ہو چکی ہے مگر اس نکتے کو یہاں دوبارہ ذہن میں تازہ کرنے کی ضرورت ہے کہ قرآن حکیم میں منافقین سے خطاب بھی ”يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا“ کے صیغے میں ہی ہوتا ہے‘ کیونکہ ایمان کا دعویٰ تو وہ بھی کرتے تھے‘ جبکہ قانونی اور ظاہری طور پر بھی وہ مسلمان ہی تھے۔

﴿اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ”(سوچو!) کیا تم نے آخرت کی بجائے دُنیا کی زندگی کو قبول کرلیا ہے؟“

یہ ایک متجسسانہ سوال (searching question) ہے۔ یعنی تم دعویدار تو ہو ایمان بالآخرت کے‘ لیکن اس کے باوجود اگر تم اللہ کی راہ میں جنگ کے لیے نکلنے کو تیار نہیں ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم آخرت ہاتھ سے دے کر دنیا کے خریدار بنتے جا رہے ہو۔

﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾﴾ ”تو (جان لو کہ) دنیا کی زندگی کا ساز و سامان آخرت کے مقابلے میں بہت قلیل ہے۔“

آیت ۳۹ ﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ﴾ ”اگر تم

نہیں نکلو گے (اللہ کی راہ میں) تو وہ تمہیں عذاب دے گا دردناک عذاب اور تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئے گا' اور تم اُس کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکو گے۔''

اگر تم لوگ اللہ کے دین کا جھنڈا نہیں اٹھاؤ گے تو وہ تمہیں ہٹا کر اس مقصد کے لیے کسی اور قوم کو آگے لے آئے گا۔

﴿وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۳۹﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

آیت ۴۰ ﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ﴾ ''اگر تم ان (رسول اللہ ﷺ) کی مدد نہیں کرو گے تو (کچھ پروا نہیں) اللہ نے تو اُس وقت انؐ کی مدد کی تھی''

﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ﴾ ''جب کافروں نے انؐ کو (مکہ سے) نکال دیا تھا (اس حال میں کہ) آپؐ دو میں کے دوسرے تھے' جب کہ وہ دونوں غار میں تھے''

یعنی اُس وقت وہ صرف دو اشخاص تھے' محمد رسول اللہ ﷺ خود اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

﴿اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ﴾ ''جبکہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو' اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تلاش میں آنے والے مشرکین کو دیکھ کر کہا تھا کہ حضورؐ یہ لوگ تو غار کے دہانے تک پہنچ گئے ہیں' اگر کسی نے ذرا بھی نیچے جھانک کر دیکھ لیا تو ہم نظر آجائیں گے' تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ آپ فکر مت کریں' اللہ ہمارے ساتھ ہے!

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلَیْهِ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ ''تو اللہ نے اپنی سکینت نازل فرمائی انؐ پر اور انؐ کی مدد فرمائی ان لشکروں سے جنہیں تم نہیں دیکھتے''

﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰی ۭ﴾ ''اور کافروں کی بات کو پست کر دیا۔''

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی مدد فرما کر کفار کو زیر کر دیا اور پورے جزیرہ نمائے عرب کے اندر اللہ کا دین غالب ہو گیا۔

﴿وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۴۰﴾ ''اور اللہ ہی کا کلمہ سب سے اونچا ہے' اور اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔''

آیت ۴۱ ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ ''نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل''

ہلکے اور بوجھل کے الفاظ یہاں لوگوں کی ظاہری اور باطنی کیفیت کے حوالے سے آئے ہیں۔ چنانچہ اس جملے کا ایک مفہوم تو یوں ہوگا کہ تم بوجھل دل کے ساتھ نکلو یا آمادگی کے ساتھ' اب نکلنا تو پڑے گا' کیونکہ جہاد کا معاملہ اب محض تحریض و ترغیب تک نہیں رہا' بلکہ اب تو اس کے لیے نفیر عام کی نوبت آگئی ہے اور اللہ کے رستے میں نکلنا اب فرضِ عین ہو چکا ہے۔ اس کا دوسرا مفہوم یوں ہوگا کہ چاہے تمہارے پاس ساز و سامان اور اسلحہ وغیرہ

کافی ہے تب بھی نکلو اور اگر ساز و سامان کم ہے تب بھی نکلو۔

﴿وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱﴾ ”اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے اموال سے اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔“

آیت ۴۲ ﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ﴾ ”اگر مالِ غنیمت قریب ہوتا اور سفر بھی چھوٹا ہوتا تو (اے نبی ﷺ) یہ آپ کی پیروی کرتے، لیکن ان کو تو بڑی بھاری پڑ رہی ہے دُور کی مسافت۔“

اگر ان منافقین کو توقع ہوتی کہ مالِ غنیمت آسانی سے مل جائے گا اور ہدف بھی کہیں قریب ہوتا تو یہ لوگ ضرور آپؐ کا ساتھ دیتے، مگر اب تو صورتِ حال یہ ہے کہ تبوک کی مسافت کا سن کر ان کے دل بیٹھے جا رہے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپؐ کسی بھی مہم کے ہدف وغیرہ کو ہمیشہ صیغہ راز میں رکھتے تھے۔ جنگ یا مہم کے لیے نکلنا ہوتا تو تیاری کا حکم دے دیا جاتا، مگر یہ نہ بتایا جاتا کہ کہاں جانا ہے اور منصوبہ کیا ہے۔ اسی طرح فتح مکہ کے منصوبہ کو بھی آخر وقت تک خفیہ رکھا گیا تھا۔ مگر غزوۂ تبوک کی تیاری کے حکم کے ساتھ ہی آپؐ نے تمام تفصیلات بھی علی الاعلان سب کو بتا دی تھیں کہ لشکر کی منزلِ مقصود تبوک ہے اور مقابلہ سلطنتِ روما سے ہے، تاکہ ہر شخص ہر لحاظ سے اپنا جائزہ لے لے اور ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے تیاری کر لے۔ ساز و سامان بھی مہیا کر لے اور اپنے حوصلے کی بھی جانچ پرکھ کر لے۔

﴿وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ﴾ ”اور عنقریب یہ لوگ قسمیں کھائیں گے اللہ کی کہ اگر ہمارے اندر استطاعت ہوتی تو ہم ضرور نکلتے تم لوگوں کے ساتھ۔“

یعنی قسمیں کھا کھا کر بہانے بنائیں گے اور اپنی فرضی مجبوریوں کا رونا روئیں گے۔

﴿يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۴۲﴾ ”یہ لوگ اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں، اور اللہ کو معلوم ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔“

آیات ۴۳ تا ۶۰

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۴۳
لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۴۴ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝۴۵ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً
وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۴۶ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا

زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ
وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّىْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ
سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٤٩﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ
مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا
مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ
اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ
اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿٥٢﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ
مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ
كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ
كٰرِهُوْنَ ﴿٥٤﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ
وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿٥٦﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ
يَجْمَحُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا
مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ
سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿٥٩﴾ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۗءِ ع ۱۴
وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾

آیت ۴۳ ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) اللہ آپ کو معاف فرمائے (یا اللہ نے آپ کو معاف فرما دیا) آپ نے انہیں کیوں اجازت دے دی؟“

یعنی آپ ﷺ کے پاس کوئی منافق آیا اور اپنی کسی مجبوری کا بہانہ بنا کر جہاد سے رخصت چاہی تو آپ ﷺ نے اپنی نرم مزاجی کی وجہ سے اُسے اجازت دے دی۔ اب اس شخص کو تو گویا سند مل گئی کہ میں نے حضور ﷺ سے رخصت لے لی ہے۔ جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ تو اُس کا تھا ہی نہیں، مگر اجازت مل جانے سے اُس کی منافقت کا پردہ چاک نہیں ہوا۔ اجازت نہ ملتی تو واضح طور پر معلوم ہو جاتا کہ اُس کا حضور ﷺ کے ساتھ جانے کا ارادہ تھا بھی یا نہیں۔ اس طرح کئی منافقین آئے اور اپنی مجبوریوں کا بہانہ بنا کر آپ ﷺ سے رخصت لے گئے۔

﴿حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾﴾ ”یہاں تک کہ آپ کے لیے واضح

ہو جاتا کہ کون لوگ سچے ہیں اور آپؐ (یہ بھی) جان لیتے کہ کون جھوٹے ہیں۔“

آیت ۴۴ ﴿لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ ”وہ لوگ جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپؐ سے اجازت کے طالب ہو ہی نہیں سکتے کہ وہ جہاد نہ کریں اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ۔“

سچے مؤمن ایسی صورتِ حال میں ایسا کبھی نہیں کر سکتے کہ وہ جہاد سے معافی کے لیے درخواست کریں‘ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ واضح رہے کہ سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ میں ایمان کی جو تعریف (definition) کی گئی ہے اس میں تصدیق قلبی اور جہاد فی سبیل اللہ کو واضح طور پر ایمان کے ارکان قرار دیا گیا ہے۔ یہ مضمون قبل ازیں سورۃ الانفال کی آیت ۲ اور آیت ۷۴ کے مطالعہ کے دوران بھی زیر بحث آ چکا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۴۴﴾ ”اور اللہ متقی بندوں سے خوب واقف ہے۔“

آیت ۴۵ ﴿اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ”آپؐ سے رخصت تو وہی مانگ رہے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے‘ اور ان کے دل شکوک میں پڑ گئے ہیں“

یہاں سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ کے الفاظ ”ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا“ ذہن میں دوبارہ تازہ کر لیجیے کہ مؤمن تو وہی ہیں جو ایمان لانے کے بعد شک میں نہ پڑیں۔ جبکہ آیت زیر مطالعہ کے الفاظ ”وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ“ سے واضح ہوتا ہے کہ ان منافقین کے دلوں کے اندر شکوک و شبہات مستقل طور پر ڈیرے ڈال چکے ہیں۔

﴿فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝۴۵﴾ ”اور وہ اپنے اسی شک و شبہ کے اندر متردد ہیں۔“

اپنے ایمان کے اندر پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کی وجہ سے وہ تذبذب میں پڑے ہوئے ہیں اور جہاد کے لیے نکلنے کے بارے میں فیصلہ نہیں کر پا رہے۔ کبھی اُن کو مسلمانوں کے ساتھ چلنے میں مصلحت نظر آتی ہے کہ نہ جانے سے ایمان کا ظاہری بھرم بھی جاتا رہے گا‘ مگر پھر فوراً ہی مسافت کی مشقت کے تصور سے دل بیٹھ جاتا ہے‘ دُنیوی مفادات کا تصور پاؤں کی بیڑی بن جاتا ہے اور وہ پھر سے جھوٹے بہانے بنانے شروع کر دیتے ہیں۔

آیت ۴۶ ﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ ”اور اگر انہوں نے نکلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کے لیے ساز و سامان فراہم کرتے“

ایسے طویل اور کٹھن سفر کے لیے بھرپور تیاری کی ضرورت تھی‘ بہت سا ساز و سامان درکار تھا‘ سواری کا بندوبست کرنا تھا‘ مگر اس کی تیاری کے لیے ان کا کچھ بھی نہ کرنا اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا خود ہی ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے جانے کا ارادہ تک نہیں کیا تھا۔

﴿وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۴۶﴾ ”لیکن (حقیقت یہ ہے

کہ) اللہ نے پسند ہی نہیں کیا اُن کا اٹھنا (اور نکلنا) تو ان کو روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھے رہو تم بھی بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ۔"

اس فرمان میں جو حکمت تھی اس کی تفصیل اگلی آیت میں بیان فرمائی گئی ہے:

آیت ۴۷ ﴿لَوۡ خَرَجُوۡا فِيۡكُمۡ مَّا زَادُوۡكُمۡ اِلَّا خَبَالًا﴾ "اگر یہ نکلتے (اے مسلمانو!) تمہارے ساتھ تو ہرگز اضافہ نہ کرتے تمہارے لیے مگر خرابی ہی کا"

اُن کے دلوں میں چونکہ روگ تھا' اس لیے لشکر کے ساتھ جا کر بھی یہ لوگ فتنے ہی اٹھاتے' طرح طرح کی سازشیں کرتے اور مسلمانوں کو باہم لڑانے کی کوشش کرتے۔ لہٰذا ان کے بیٹھے رہنے اور سفر میں آپ لوگوں کے ساتھ نہ جانے میں ہی بہتری تھی۔ گویا بندۂ مؤمن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر طرح خیر ہی خیر ہے' جبکہ منافق کے لیے ہر حالت میں نقصان ہی نقصان ہے۔

﴿وَّلَا۟اَوۡضَعُوۡا خِلٰلَكُمۡ يَبۡغُوۡنَكُمُ الۡفِتۡنَةَ‌ۚ﴾ "اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے مابین' فتنہ پیدا کرنے کے لیے۔"

﴿وَفِيۡكُمۡ سَمّٰعُوۡنَ لَهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ۝۴۷﴾ "اور تمہارے اندر ان کے جاسوس بھی ہیں۔ اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔"

اس کا دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ "تمہارے درمیان ان کی باتیں سننے والے بھی ہیں"۔ یعنی تمہارے درمیان ایسے نیک دل اور سادہ لوح مسلمان بھی ہیں جو ان منافقین کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کے اِن منافقین کے ساتھ دوستانہ مراسم بھی ہیں اور وہ ان کی باتوں کو بڑی توجہ سے سنتے ہیں۔ چنانچہ اگر یہ منافقین تمہارے ساتھ لشکر میں موجود ہوتے اور کوئی فتنہ اٹھاتے تو عین ممکن تھا کہ تمہارے وہ ساتھی اپنی سادہ لوحی کے باعث اُن کے اٹھائے ہوئے فتنے کا شکار ہو جاتے۔

آیت ۴۸ ﴿لَقَدِ ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَةَ مِنۡ قَبۡلُ﴾ "یہ پہلے بھی فتنہ اٹھاتے رہے ہیں"

یاد رہے کہ یہی لفظ "فتنہ" اس حدیث میں بھی آیا ہے جس کا ذکر علماءِ سوء کے کردار کے سلسلے میں قبل ازیں آیت ۳۴ کے ضمن میں ہو چکا ہے: ((عُلَمَاءُ هُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ)) یعنی ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین لوگ ہوں گے' فتنہ ان ہی میں سے برآمد ہو گا اور ان ہی میں پلٹ جائے گا"۔ یعنی وہ آپس میں لڑائی جھگڑوں' فتویٰ پردازیوں اور تفرقہ بازیوں میں مشغول رہا کریں گے۔ تو اے نبی (ﷺ) ان منافقین نے آپؐ کے خلاف سازشیں کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

﴿وَقَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ﴾ "اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ کے لیے معاملات کو الٹ پلٹ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں"

یہ لوگ اپنی امکانی حد تک کوشش کرتے رہے ہیں کہ آپ ﷺ کے معاملات کو تلپٹ کر دیں۔

﴿حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾﴾ ''یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا امر غالب ہو گیا اور انہیں یہ پسند نہیں تھا۔''

یعنی جزیرہ نمائے عرب کی حد تک ان لوگوں کی خواہشوں اور کوششوں کے علی الرغم اللہ کا دین غالب ہو گیا۔

آیت ۴۹ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ﴾ ''اور ان میں سے وہ بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت دے دیجیے اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیے۔''

یہ منافق اور مردود شخص جُد بن قیس تھا (لعنۃ اللہ علیہ)۔ جب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے لیے تیاری کا اعلان فرمایا تو یہ شخص آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عجیب استہزائیہ انداز میں آپ ﷺ سے رخصت چاہی کہ حضور مجھے تو رہنے ہی دیں‘ کیونکہ میں حسن پرست قسم کا انسان ہوں اور لشکر جا رہا ہے شام کے علاقے کی طرف‘ جہاں کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں۔ میں وہاں کی خوبصورت عورتوں کو دیکھ کر خود پر قابو نہیں رکھ سکوں گا اور فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا‘ لہٰذا آپ مجھے اس فتنے میں مت ڈالیں اور مجھے پیچھے ہی رہنے دیں۔

﴿اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ﴾ ''آگاہ ہو جاؤ فتنے میں تو یہ لوگ پڑ چکے۔''

یعنی یہ شخص اور اس کے دوسرے ساتھی تو پہلے ہی بدترین فتنے کا شکار ہو چکے ہیں جو اس طرح کے بہانے تراشنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ ان کا یہ رویہ جس سوچ کی غمازی کر رہا ہے اس سے مزید بڑا فتنہ اور کون سا ہو گا!

﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾﴾ ''اور یقیناً جہنم ان کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔''

آیت ۵۰ ﴿اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) اگر آپ کو کوئی اچھی بات پہنچتی ہے تو انہیں وہ بُری لگتی ہے۔''

اگر آپ ﷺ کو کوئی کامیابی ملتی ہے‘ اگر کہیں سے کوئی اچھی خبر آپؐ کے لیے آتی ہے تو انہیں یہ سب کچھ ناگوار لگتا ہے۔

﴿وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور اگر آپؐ کو کوئی تکلیف آ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنا معاملہ پہلے ہی درست کر لیا تھا''

کہ ہم کوئی ان لوگوں کی طرح بے وقوف تھوڑے ہیں‘ ہم نے تو حالات پر نظر رکھی ہوئی تھی اور ممکنہ خطرے سے پہلے ہی ان برے حالات سے اپنی حفاظت کا بندوبست ہم نے قبل از وقت ہی کر لیا تھا۔

﴿وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾﴾ ''اور وہ لوٹ جاتے ہیں خوشیاں مناتے ہوئے۔''

وہ اس صورتِ حال میں بڑے شاداں وفرحاں پھرتے ہیں کہ مسلمانوں پر مصیبت آ گئی اور ہم بچ گئے۔

اگلی دو آیات معرکہ حق و باطل کی صورت میں ایک بندۂ مؤمن کے لیے بہت بڑا ہتھیار ہیں۔ اس لیے ہر مسلمان کو یہ دونوں آیات زبانی یاد کر لینی چاہئیں۔

آیت ۵۱ ﴿قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے کہ ہم پر کوئی مصیبت

نہیں آسکتی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہو۔ وہی ہمارا مولا ہے۔“

ہم تو اللہ کے بندے ہیں۔ ہم پر جو بھی مصیبت آتی ہے وہ اللہ ہی کی مرضی اور اجازت سے آتی ہے۔ اُس کے اذن کے بغیر کائنات میں ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ وہ ہمارا کارساز اور پروردگار ہے۔ اگر اس کی مشیت ہو کہ ہمیں کوئی تکلیف آئے تو سر آنکھوں پر ع ”سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے“۔ جو اُس کی رضا ہو ہم بھی اسی پر راضی ہیں۔ اگر اُس کی طرف سے کوئی تکلیف آجائے تو اس میں بھی ہمارے لیے خیر ہی ہے ع ”ہر چہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است“ (ہمارا ساقی ہمارے پیالے میں جو بھی ڈال دے اُس کا لطف و کرم ہی ہے)۔ محبوب کی شمشیر سے تو ذبح ہونا بھی بہت بڑے اعزاز کی بات ہے اور یہ اعزاز کسی غیر کے نصیب میں کیوں ہو، جبکہ ہماری گردنیں ہر وقت اس سعادت کے لیے حاضر ہیں: ؎

نہ شود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت سرِ دوستاں سلامت کہ تُو خنجر آزمائی!

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۵۱﴾ ”اور اللہ پر ہی توکّل کرنا چاہیے اہلِ ایمان کو۔“

آیت ۵۲ ﴿قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ؕ﴾ ”(ان سے) کہیے کہ تم ہمارے بارے میں کس شے کا انتظار کر سکتے ہو سوائے دو نہایت عمدہ چیزوں میں سے کسی ایک کے!“

اَلْحُسْنَيَيْنِ، اَلْحُسْنٰى کی تثنیہ ہے، جو اَحْسَن کی مؤنث ہے۔ یہ افعل التفضیل کا صیغہ ہے۔ چنانچہ اَلْحُسْنَيَيْنِ کے معنی ہیں دو نہایت احسن صورتیں۔ جب کوئی بندۂ مؤمن اللہ کے راستے میں کسی مہم پر نکلتا ہے تو اس کے لیے دونوں امکانی صورتیں ہی احسن ہیں، اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں تو وہ بھی احسن: ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی! (اقبالؔ)

اور اگر فتح یاب ہو کر لوٹیں تو بھی احسن۔ دونوں صورتوں میں کامیابی ہی کامیابی ہے۔ تیسری کوئی صورت تو ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ایک بندۂ مؤمن کو خوف کاہے کا؟ ؎

جو حق کی خاطر جیتے ہیں مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگرؔ
جب وقتِ شہادت آتا ہے دل سینوں میں رقصاں ہوتے ہیں!

﴿وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۫ۖ﴾ ”اور (اے منافقو!) ہم منتظر ہیں تمہارے بارے میں کہ اللہ تمہیں پہنچائے کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں“

ہمیں بھی تمہارے بارے میں انتظار ہے کہ تمہارے کرتوتوں کے سبب اللہ تعالیٰ تم پر خود کوئی عذاب نازل کردے یا عین ممکن ہے کہ کبھی ہمیں اجازت دے دی جائے اور ہم تمہاری گردنیں اڑائیں۔

﴿فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝۵۲﴾ ”تو تم بھی انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہے ہیں۔“

آیت ۵۳ ﴿قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۵۳﴾ ”کہہ دیجیے کہ چاہے خوشی سے خرچ کرو یا مجبوری سے، تم سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس لیے کہ تم نافرمان لوگ ہو۔“

یہ منافقین کے اس حربے کا ذکر ہے کہ کچھ مال اسباب چندے کے طور پر لے آئے اور بہانہ بنایا کہ مجھے

فلاں فلاں مجبوری ہے‘ میں خود تو جانے سے معذور ہوں‘ مجھے رخصت دے دیں اور یہ ساز و سامان قبول کر لیں۔ ایسی صورتِ حال کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ اب جبکہ جہاد کے لیے بنفسِ نفیس نکلنا فرضِ عین ہے‘ تو اس صورتِ حال میں روپیہ پیسہ اور ساز و سامان اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔

آیت ۵۴ ﴿وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ﴾ ”اور نہیں مانع ہوئی کوئی چیز کہ ان سے ان کے نفقات (اموال کا خرچ کرنا) کو قبول کیا جاتا‘ مگر یہ کہ انہوں نے کفر کیا ہے اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ“

﴿وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ۝۵۴﴾ ”اور وہ نماز کے لیے نہیں آتے مگر بہت ہی کسل مندی سے اور خرچ نہیں کرتے مگر کراہت کے ساتھ۔“

یعنی اب جو چندہ یہ لوگ پیش کر رہے ہیں وہ تو جان بچانے کے لیے دے رہے ہیں کہ ہم سے ساز و سامان لے لیا جائے اور ہمیں اس مہم پر جانے سے معاف رکھا جائے۔

آیت ۵۵ ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ کو ان کے اموال اور ان کی اولاد سے تعجب نہ ہو۔“

ان کو دیکھ کر آپ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ مال و دولت اور اولاد کی کثرت ان کے لیے اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے‘ بلکہ ایسے لوگوں کو تو اللہ تعالیٰ ایسی نعمتیں اس لیے دیتا ہے کہ ان کا حساب اسی دنیا میں بے باق ہو جائے اور آخرت میں ان کے لیے کچھ نہ بچے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اوقات دنیا کی انہی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ انسان کے لیے باعث عذاب بنا دیتا ہے۔

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ”اللہ تو چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے سے انہیں دُنیوی زندگی میں عذاب دے“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے حالات بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ یہی اولاد جس کو انسان بڑے لاڈ پیار اور ارمانوں سے پال پوس کر بڑا کرتا ہے اس کے لیے سوہانِ روح بن جائے اور یہی مال و دولت جسے وہ جان جوکھوں میں ڈال کر جمع کرتا ہے اس کی جان کا وبال ثابت ہو۔

﴿وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ۝۵۵﴾ ”اور ان کی جانیں نکلیں اسی کفر کی حالت میں۔“

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ یہ لوگ دنیا کی زندگی میں اپنی دولت ہی سے لپٹے رہیں اور اپنی اولاد کی محبت میں اس قدر مگن رہیں کہ جیتے جی انہیں آنکھ کھول کر حق کو دیکھنے اور پہچاننے کی فرصت ہی نصیب نہ ہو‘ اور اسی حالت میں یہ لوگ آخری عذاب کے مستحق بن جائیں۔

آیت ۵۶ ﴿وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ﴾ ”اور وہ اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ ہم بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہیں۔“

کہ ہم بھی مسلمان ہیں‘ آپ لوگوں کے ساتھی ہیں‘ ہماری بات کا اعتبار کیجیے‘ وغیرہ وغیرہ۔

﴿وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝﴾ ’’لیکن (اے مسلمانو! حقیقت میں) یہ لوگ تم میں سے نہیں ہیں‘ بلکہ اصل میں یہ ڈرے ہوئے لوگ ہیں۔‘‘

اصل میں یہ لوگ اسلام کے غلبے کے تصور سے خوفزدہ ہیں اور خوف کے مارے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہے ہیں۔

آیت ۵۷ ﴿لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝﴾ ’’اگر یہ پالیں کہیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا کوئی سر چھپانے کی جگہ‘ تو یہ اس کی طرف بھاگ جائیں اپنی رسیاں تڑاتے ہوئے۔‘‘

جیسے کوئی جانور خوف کے مارے اپنی رسی تڑا کر بھاگتا ہے‘ اسی طرح کی کیفیت ان پر بھی طاری ہے۔ اس اضطراری کیفیت میں اگر جزیرہ نمائے عرب میں انہیں کہیں بھی کوئی پناہ گاہ مل جاتی یا کسی بھی طرح کا کوئی ٹھکانہ جان بچانے کے لیے نظر آجاتا تو وہ خوف کے مارے یہاں سے بھاگ گئے ہوتے۔

آیت ۵۸ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ﴾ ’’اور (اے نبی ﷺ!) ان میں سے وہ بھی ہیں جو آپ پر الزام لگاتے ہیں صدقات کے بارے میں۔‘‘

زکوٰۃ وصدقات کا مال رسول اللہ ﷺ خود تقسیم فرماتے تھے۔ ایک دفعہ یوں ہوا کہ مال کی تقسیم کے دوران ایک منافق نے آپ ﷺ کو ٹوک دیا: يَا مُحَمَّدُ اعْدِلْ ’’اے محمدؐ انصاف (کے ساتھ تقسیم) کیجیے!‘‘ اس کی مراد یہ تھی کہ آپ ناانصافی کر رہے ہیں۔ اس پر حضور ﷺ کو غصہ آیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ((وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ اِذَا لَمْ اَكُنْ اَعْدِلُ......))(۵) ’’تم برباد ہو جاؤ‘ اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا؟‘‘

﴿فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝﴾ ’’تو اگر اس میں سے انہیں (خاطر خواہ) دے دیا جائے تو یہ راضی رہتے ہیں اور اگر اس میں سے انہیں (اس قدر) نہ دیا جائے تو فوراً ناراض ہو جاتے ہیں۔‘‘

آیت ۵۹ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝﴾ ’’اور اگر وہ راضی رہتے اس پر جو کچھ دیا انہیں اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے‘ اور وہ کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے‘ عنقریب اللہ اور اس کے رسولؐ ہمیں (پھر بھی) اپنے فضل سے نوازتے رہیں گے‘ یقیناً ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں (تو ان کے حق میں بہتر ہوتا)!‘‘

اگر ان لوگوں کی سوچ مثبت ہوتی اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں اچھا گمان رکھتے تو ان

---

(۵) صحیح البخاری‘ کتاب الادب‘ باب ما جاء فی قول الرجل ویلك۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الزکاۃ‘ باب ذکر الخوارج وصفاتهم۔ واللفظ للمسلم۔ راوی: جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ۔

کے لیے بہتر ہوتا۔ اب وہ مشہور آیت آ رہی ہے جس میں زکوٰۃ کے مصارف بیان ہوئے ہیں۔

آیت ۶۰ ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ ''صدقات تو بس مفلسوں اور محتاجوں اور عاملینِ صدقات کے لیے ہیں''

صدقات سے مراد یہاں زکوٰۃ ہے۔ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا میں محکمہ زکوٰۃ کے چھوٹے بڑے تمام ملازمین شامل ہیں جو زکوٰۃ اکٹھی کرنے، اس کا حساب رکھنے اور اسے مستحقین میں تقسیم کرنے یا اس محکمہ میں کسی بھی حیثیت میں مامور ہیں، ان سب ملازمین کی تنخواہیں اسی زکوٰۃ میں سے دی جائیں گی۔

﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''اور ان کے لیے جن کی تالیفِ قلوب مطلوب ہو''

جب دین کی تحریک اور دعوت چل رہی ہو تو معاشرے کے بعض صاحبِ حیثیت افراد کی تالیفِ قلوب کے لیے زکوٰۃ کی رقم استعمال کی جاسکتی ہے، تاکہ ایسے لوگوں کو کچھ دے دلا کر اُن کی مخالفت کا زور کم کیا جاسکے۔ فقہاء کے نزدیک دین کے غالب ہو جانے کی صورت میں اس مد کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن جب اس قسم کی صورتحال درپیش ہو تو اس مد میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

﴿وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ﴾ ''اور گردنوں کے چھڑانے میں، اور جن پر تاوان پڑا ہو (ان کے لیے)''

ایسا مقروض جو قرض کے بوجھ سے نکلنے کی مقدرت نہ رکھتا ہو یا ایسا شخص جس پر کوئی تاوان پڑ گیا ہو، ایسے لوگوں کی گلو خلاصی کے لیے زکوٰۃ کی رقم سے مدد کی جاسکتی ہے۔

﴿وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور اللہ کی راہ میں''

یعنی جہاد اور دعوت و اقامتِ دین کی جدّوجہد میں بھی یہ رقم خرچ ہوسکتی ہے۔ لیکن زکوٰۃ اور صدقات کے سلسلے میں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ پہلی ترجیح کے طور پر اولین مستحقین وہ غرباء، یتامیٰ، مساکین اور بیوائیں ہیں جو واقعی محتاج ہوں۔ البتہ اگر زکوٰۃ کی کچھ رقم ایسے لوگوں کی مدد کے بعد بچ جائے تو وہ دین کے دوسرے کاموں میں صرف کی جاسکتی ہے۔

﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰﴾ ''اور مسافروں (کی امداد) میں۔ یہ اللہ کی طرف سے معیّن ہو گیا ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔''

﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ﴾ کے الفاظ احکامِ وراثت کے سلسلے میں سورۃ النساء کی آیت ۱۱ میں بھی آئے ہیں۔

آیات ۶۱ تا ۶۶

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۱ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ

كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا
فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ
قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا
نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ
ع بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾

آیت ۶۱ ﴿وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ﴾ ''اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی (ﷺ) کو ایذا پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو نرے کان ہیں۔''

یہ تو نرے کان ہی کان ہیں۔ مراد یہ ہے کہ ہر ایک کی بات سن لیتے ہیں اور ہم جو بھی جھوٹا سچا بہانہ بناتے ہیں اسے مان لیتے ہیں' گویا بالکل ہی بے بصیرت ہیں (معاذ اللہ!) منافقین ایسی باتیں کر کے (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ کی توہین کرتے تھے اور آپؐ کو اذیت پہنچاتے تھے۔

﴿قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''آپؐ کہیے کہ یہ کان تمہاری بہتری کے لیے ہیں' وہ یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور بات مان لیتے ہیں اہلِ ایمان کی۔''

یہاں پر ''يُؤْمِنُ'' کے ساتھ ''بِ'' اور ''لِ'' کے استعمال سے معنی کا واضح فرق ملاحظہ ہو۔ آمَنَ، يُؤْمِنُ 'ب' کے ساتھ ایمان لانے اور 'ل' کے ساتھ بات ماننے اور یقین کر لینے کے معنی میں آتا ہے۔ یعنی ہمارے رسول ﷺ جانتے ہیں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو' مگر یہ آپ ﷺ کی شرافت' نجابت اور مروّت ہے کہ تمہاری جھوٹی باتیں سن کر بھی تمہیں یہ نہیں کہتے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو' اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی تمہارا پول نہیں کھولتے۔ یہ تمہاری حماقت کی انتہا ہے کہ تم اپنے زعم میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دے رہے ہو۔ تم لوگوں کو اللہ کے رسول ﷺ کی بصیرت کا کچھ بھی اندازہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ تو اللہ کے رسولؐ ہیں' جبکہ ایک بندۂ مؤمن کی بصیرت کی بھی کیفیت یہ ہے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ))(٦) ''مؤمن کی فراست سے بچو' بے شک وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔''

﴿وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ﴾ ''اور جو تم میں سے واقعی مؤمن ہیں ان کے حق میں رحمت ہیں۔''

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾﴾ ''اور جو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ کے رسول (ﷺ) کو اُن کے لیے بڑا دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۶۲ ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ﴾ ''(اے مسلمانو!) یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں۔''

اس مہم کی تیاری کے دوران منافقین کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ جھوٹے بہانے بنا کر رسول اللہ ﷺ سے

(٦) سنن الترمذی' کتاب تفسیر القرآن' باب ومن سورۃ الحجر۔

رخصت لے لیتے، اور پھر قسمیں کھا کھا کر عام مسلمانوں کو یقین دلانے کی کوشش کرتے کہ ہم آپ کے مخلص ساتھی ہیں، آپ لوگ ہم پر شک نہ کریں۔

﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲﴾ ''اللہ اور اُس کا رسولؐ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ انہیں راضی کریں اگر وہ واقعتاً مؤمن ہیں۔''

آیت ۶۳ ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝۶۳﴾ ''کیا وہ جانتے نہیں کہ جو کوئی بھی اللہ اور اُس کے رسولؐ کا مقابلہ کرے گا تو اُس کے لیے جہنم کی آگ ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گا۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔''

آیت ۶۴ ﴿يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ﴾ ''یہ منافق ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کو ہمارے دلوں کی حالت بتا دے۔''

ان کے دلوں میں چونکہ چور ہے اس لیے انہیں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں وحی کے ذریعے ان کے جھوٹ کا پردہ چاک نہ کر دیا جائے۔

﴿قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝۶۴﴾ ''آپؐ کہیے کہ ابھی تم استہزاء کرتے رہو، یقیناً (ایک وقت آئے گا کہ) اللہ ظاہر کر کے رہے گا جس سے تم ڈر رہے ہو۔''

آیت ۶۵ ﴿وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ﴾ ''اور اگر آپؐ ان سے پوچھیں گے تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کر رہے تھے۔''

رسول اللہ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ منافقین جو آئے دن آپؐ اور مسلمانوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں، اگر آپؐ اس کے بارے میں اِن سے باز پُرس کریں تو فوراً کہیں گے کہ ہماری گفتگو سنجیدہ نوعیت کی نہیں تھی، ہم تو ویسے ہی ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔

﴿قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶۵﴾ ''آپؐ کہیے کیا تم اللہ، اُس کی آیات اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ استہزاء کر رہے تھے؟''

تو کیا اب ؏ ''بازی بازی باریشِ بابا ہم بازی!'' کے مصداق اللہ، اُس کی آیات اور اُس کا رسول ﷺ بھی تمہارے استہزاء اور تمسخر کا تختۂ مشق بنیں گے؟

آیت ۶۶ ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ﴾ ''اب بہانے مت بناؤ، تم کفر کر چکے ہو اپنے ایمان کے بعد۔''

﴿اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۶۶﴾ ''اگر ہم تمہاری ایک جماعت سے درگزر بھی کر لیں گے تو کسی دوسری جماعت کو عذاب بھی دیں گے، اس لیے کہ وہ مجرم ہیں۔''

یعنی اب وہ وقت آ رہا ہے کہ تمہیں تمہارے ان کرتوتوں کے سبب سزائیں بھی ملیں گی۔

آیات ۶۷ تا ۷۲

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ
وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ
الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ
وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا
وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ
وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ
وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ
بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ اللّٰهُ
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً
فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾ ع ۹ ۶ ۱۵

آیت ۶۷ ﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ﴾ ”منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک دوسرے میں سے ہیں۔“

ان سب منافقین کا آپس میں گٹھ جوڑ ہے‘ اندر سے یہ سب ایک ہیں۔

﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ﴾ ”یہ بدی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے روکتے ہیں“
یعنی اللہ کے احکام کے خلاف یہ لوگ ”امر بالمنکر اور نہی عن المعروف“ کی پالیسی پر عمل کر رہے ہیں۔
دوسروں سے ہمدردی جتا کر انہیں نیکی سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دیکھو اپنے خون پسینے کی کمائی کو اِدھر اُدھر مت ضائع کرو‘ بلکہ اسے اپنے اور اپنے بچوں کے مستقبل کے لیے سنبھال کر رکھو۔

﴿وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ﴾ ”اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔“

یعنی اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔

﴿نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾﴾ ”انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے (بھی) انہیں نظر انداز کر دیا۔ یقیناً یہ منافق ہی نافرمان ہیں۔“

آیت ۶۸ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ﴾ ''اللہ نے وعدہ کیا ہے ان منافق مَردوں' منافق عورتوں اور تمام کُفّار سے جہنّم کی آگ کا' جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

﴿هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۶۸﴾ ''بس وہی ان کے لیے کفایت کرے گی۔اور اللہ نے ان پر لعنت فرما دی ہے' اور ان کے لیے عذاب ہے قائم رہنے والا۔''

ایسا عذاب جو اُن کو مسلسل دیا جائے گا اور اس کی شدت کبھی کم نہ ہو گی۔

آیت ۶۹ ﴿كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''(تم منافق لوگ) ان لوگوں کی مانند ہو جو تم سے پہلے تھے''

﴿كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ﴾ ''وہ تم سے کہیں بڑھ کر تھے طاقت میں اور کہیں زیادہ تھے مال اور اولاد میں۔''

تم سے پہلے جو کافر قومیں گزری ہیں' مثلاً قومِ عاد' قومِ ثمود وغیرہ وہ طاقت' مال و دولت اور تعداد کے لحاظ سے تم سے بہت بڑھ کر تھیں۔

﴿فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ﴾ ''تو انہوں نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھا لیا اور اب تم نے بھی اپنے حصے سے فائدہ اٹھا لیا ہے''

یعنی تمہاری مدتِ مہلت اب ختم ہونے کو ہے' اب تم لوگ بہت جلد اپنے انجام کو پہنچنے والے ہو۔

﴿كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ﴾ ''جیسے کہ اُن لوگوں نے اپنے حصے کا فائدہ اٹھایا تھا جو تم سے پہلے تھے''

﴿وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ﴾ ''اور ویسی ہی بحثوں میں تم بھی پڑے جیسی بحثوں میں وہ پڑے تھے۔''

تم نے بھی اسی طرح کی روش اختیار کی جیسی انہوں نے اختیار کی تھی۔

﴿اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۹﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے تمام اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے۔اور یہی لوگ ہیں خسارے میں رہنے والے۔''

آیت ۷۰ ﴿اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ﴾ ''کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبریں نہیں آ چکی ہیں جو ان سے پہلے تھے؟ قومِ نوحؑ' عاد' ثمود اور قومِ ابراہیمؑ''

یہ قرآن مجید کا واحد مقام ہے جہاں قومِ ابراہیمؑ کا تذکرہ اس انداز میں آیا ہے کہ شاید آپؑ کی قوم پر بھی عذاب آیا ہو'لیکن آپؑ کی قوم کے حوالے سے واضح طور پر ایسے کسی عذاب کا ذکر پورے قرآن میں کہیں نہیں ہے۔

﴿وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ﴾ ''اور مدین کے لوگوں اور ان بستیوں کی (خبریں) جو اُلٹ دی گئیں۔''

﴿اَتَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظۡلِمَهُمۡ وَلٰكِنۡ كَانُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ۝﴾ ''اُن کے پاس آئے اُن کے رسول واضح نشانیاں (یا احکام) لے کر۔ پس اللہ اُن پر ظلم کرنے والا نہیں تھا' بلکہ وہ اپنے اوپر خود ہی ظلم ڈھاتے رہے۔''

آیت ۷۱ ﴿وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ۘ﴾ ''اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں' یہ سب ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔''

﴿يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيۡعُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ﴾ ''وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں' بدی سے روکتے ہیں' نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔''

﴿اُولٰٓئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ۝۷۱﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ رحمت فرمائے گا۔ یقیناً اللہ زبردست' حکمت والا ہے۔''

آیت ۷۲ ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ﴾ ''اللہ نے وعدہ کیا ہے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے اُن باغات کا جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' اور بہت عمدہ مکانات (کا وعدہ) ہمیشہ رہنے والے باغات میں۔''

﴿وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكۡبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ۝۷۲﴾ ''اور اللہ کی رضا تو سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہی تو ہے بہت بڑی کامیابی۔''

جنت کی ساری نعمتیں اپنی جگہ' مگر اہلِ جنت کے لیے سب سے بڑی نعمت یہ ہو گی کہ اللہ اُن سے راضی ہو جائے گا۔

آیات ۷۳ تا ۸۰

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ وَمَاۡوٰٮهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ
الۡمَصِيۡرُ۝۷۳ يَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوۡا ؕ وَلَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡرِ وَكَفَرُوۡا بَعۡدَ اِسۡلَامِهِمۡ
وَهَمُّوۡا بِمَا لَمۡ يَنَالُوۡا ۚ وَمَا نَقَمُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ اَغۡنٰٮهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ فَاِنۡ يَّتُوۡبُوۡا
يَكُ خَيۡرًا لَّهُمۡ ۚ وَاِنۡ يَّتَوَلَّوۡا يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمۡ
فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ۝۷۴ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰٮنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ
لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ۝۷۵ فَلَمَّاۤ اٰتٰٮهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ
مُّعۡرِضُوۡنَ۝۷۶ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ

وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿٧٧﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ
الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا
يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾
اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾ ع ۸ ۱۰ ۱۶

آیت ۷۳ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ﴾ ''اے نبی (ﷺ)! جہاد کیجیے کفار اور منافقین سے اور ان پر سختی کیجیے۔''

یہ آیت بالکل انہی الفاظ کے ساتھ سورۃ التحریم میں بھی آئی ہے جو اٹھائیسویں پارے کی آخری سورت ہے۔ یہاں توجہ طلب نکتہ یہ ہے کہ اس آیت میں جہاد بمعنی قتال استعمال نہیں ہوا۔ اس لیے کہ منافقین کے ساتھ آپؐ نے کبھی جنگ نہیں کی۔ لہٰذا یہاں جہاد سے مراد قتال سے نچلے درجے کی جدوجہد (دُوْنَ الْقِتَالِ) ہے۔ چنانچہ اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ اے نبی ﷺ! آپ منافقین کی ریشہ دوانیوں کا توڑ کرنے اور ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے جدوجہد کریں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس آ رہے تھے تو اسی حوالے سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ((رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ))(۷) یعنی ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اُس زمانے کی سپر پاور سلطنتِ روما کے خلاف جہاد کو آپ ﷺ نے ''جہادِ اصغر'' فرمایا اور پھر فرمایا کہ اب ''جہادِ اکبر'' تمہارے سامنے ہے۔ عام طور پر اس حدیث کی توجیہہ اس طرح کی گئی ہے کہ انسان کا اپنے نفس کے خلاف جہاد سب سے بڑا جہاد ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ ایک دفعہ جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا: اَیُّ الْجِهَادِ اَفْضَلُ؟ یعنی سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟ تو جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))(۸) ''یہ کہ تم جہاد کرو اپنے نفس اور اپنی خواہشات کے خلاف اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں''۔ لہٰذا اسی حدیث کی بنیاد پر جہادِ اکبر والی مذکورہ حدیث کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ جہاد بالنفس دشمن کے خلاف قتال سے بھی بڑا جہاد ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس حدیث کا اصل مفہوم سمجھنے کے لیے اس کے موقع محل اور پس منظر کے حالات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ مدینہ کے اندر منافقین دراصل مسلمانوں کے حق میں مارِ آستین تھے۔ آیت زیر مطالعہ میں ان کے خلاف رسول اللہ ﷺ کو جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے، مگر ان کے خلاف جہاد کا معاملہ اتنا آسان اور سادہ نہیں تھا۔ ان منافقین کے اوس اور خزرج کے لوگوں کے ساتھ تعلقات تھے اور اُن کے خلاف اقدام کرنے سے اندرونی طور پر کئی طرح کے مسائل جنم لے سکتے تھے۔ مگر ان مشکلات کے باوجود اس آیت کے نزول کے بعد تبوک سے واپس آ کر حضور ﷺ نے منافقین کے خلاف کئی سخت اقدامات کیے تھے۔ مثلاً

(۷) تخریج الکشاف للزیلعی ۲/۳۹۵۔ (غریب جدا)

(۸) حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۲/۲۸۲۔

آپ ﷺ نے مسجد ضرار کو گرانے اور جلانے کا حکم دیا، اور پھر اس پر عمل بھی کرایا۔ یہ بہت بڑا اقدام تھا۔ منافقین مسجد کے تقدس کے نام پر لوگوں کو مشتعل بھی کر سکتے تھے۔ چنانچہ میرے نزدیک یہی وہ ''جہادِ اکبر'' تھا جس کی طرف مذکورہ حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔ یعنی مسلمانوں کو اپنی صفوں کے اندر چھپے ہوئے دشمنوں کے وار سے بچتے ہوئے ان کے خلاف مسلسل نبرد آزما رہنا تھا جو کہ واقعی ایک بہت بڑا جہاد تھا۔

﴿وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ؀﴾ ''اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔''

آیت ۷۴ ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ﴾ ''وہ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کی۔''

یہ جس بات کا ذکر ہے اس کی تفصیل اٹھائیسویں پارے کی سورۃ المنافقون میں آئے گی۔ بہر حال یہاں صرف اتنا جان لینا ضروری ہے کہ تبوک سے واپسی کے سفر کے دوران عبد اللہ بن ابی کے منہ سے کسی نوجوان مسلمان نے غلط بات سنی تو اُس نے آ کر رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کر دیا۔ آپ ﷺ نے طلب فرما کر باز پرس کی تو وہ صاف مکر گیا کہ اس نوجوان نے خواہ مخواہ فتنہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔

﴿وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾ ''حالانکہ انہوں نے کہا ہے کفر کا کلمہ''

عبد اللہ بن اُبی کے مکر جانے پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کو سچا قرار دیا اور اس منافق کے جھوٹ کا پردہ چاک کر دیا۔

﴿وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ﴾ ''اور وہ کفر کر چکے اپنے اسلام کے بعد، اور انہوں نے ارادہ کیا تھا اُس شے کا جو وہ حاصل نہ کر سکے۔''

یہ جس واقعے کی طرف اشارہ ہے وہ بھی غزوۂ تبوک سے واپسی کے سفر کے دوران پیش آیا تھا۔ پہاڑی راستہ میں ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک ایسی تنگ گھاٹی سے ہوا جہاں سے ایک وقت میں صرف ایک اونٹ گزر سکتا تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ قافلے سے علیحدہ تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ صرف دو صحابہ حضرت حذیفہؓ بن یمان اور عمارؓ بن یاسرؓ تھے۔ اس تنگ جگہ پر کچھ منافقین نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ ﷺ پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے پہچانے جانے کے ڈر سے ڈھاٹے باندھ رکھے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ حضور ﷺ کو (نعوذ باللہ) شہید کر دیں۔ بہر حال آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہؓ نے حملہ آوروں کو مار بھگایا اور وہ اپنے ناپاک منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ان دو صحابہ (رضی اللہ عنہما) کو حملہ آوروں میں سے ہر ایک کے نام بتا دیے اور ان کے علاوہ بھی تمام منافقین کے نام بتا دیے۔ مگر ساتھ ہی آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات کو تاکید فرما دی کہ وہ یہ نام کسی کو نہ بتائیں اور آپ ﷺ کے اس راز کو اپنے پاس ہی محفوظ رکھیں۔ اسی وجہ سے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ صحابہؓ میں ''صاحبُ سِرِّ النَّبی ﷺ'' (نبی ﷺ کے رازدان) کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ﴾ ''اور یہ لوگ اپنے عناد کا مظاہرہ نہیں کر رہے مگر اسی لیے کہ اللہ اور اُس کے رسول نے انہیں غنی کر دیا ہے اپنے فضل سے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کے رسول ﷺ کی مہربانی سے یہ لوگ مالِ غنیمت اور زکوٰۃ و صدقات میں سے بافراغت حصہ پا رہے ہیں۔

﴿فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ﴾ ''اب بھی اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہے۔''

﴿وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ''اور اگر وہ پیٹھ موڑیں گے تو اللہ انہیں بہت دردناک عذاب دے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

﴿وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾﴾ ''اور پوری زمین میں ان کا نہ کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی مددگار۔''

اب وہ تین آیات آ رہی ہیں جن کا حوالہ میری تقاریر میں اکثر آتا رہتا ہے۔ ان میں مدینہ کے منافقین کی ایک خاص قسم کا تذکرہ ہے، مگر مسلمانانِ پاکستان کے لیے ان آیات کا مطالعہ بطورِ خاص مقامِ عبرت بھی ہے اور لمحۂ فکریہ بھی۔

آیت ۷۵ ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾﴾
''اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے نواز دے گا تو ہم خوب صدقہ و خیرات کریں گے اور نیک بن جائیں گے۔''

آیت ۷۶ ﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾﴾ ''پھر جب اللہ نے انہیں نواز دیا اپنے فضل سے (غنی کر دیا) تو انہوں نے اس دولت کے ساتھ بخل کیا اور پیٹھ موڑ لی اور اعراض کیا۔''

آیت ۷۷ ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''تو اللہ نے سزا کے طور پر ڈال دیا ان کے دلوں میں نفاق''

اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر کے اس سے پھر جانے کی دنیا میں یہ نقد سزا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں میں نفاق پیدا فرما دیتے ہیں، اور بدقسمتی سے یہی روگ آج مسلمانانِ پاکستان کے دلوں میں پیدا ہو چکا ہے۔ گویا پاکستانی قوم بحیثیت مجموعی اس سزا کی مستحق ہو چکی ہے۔ مسلمانانِ برصغیر نے تحریک پاکستان کے دوران اللہ تعالیٰ سے ایک وعدہ کیا تھا اور یہ وعدہ ایک نعرہ بن کر بچے بچے کی زبان پر آ گیا تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ!'' گویا دنیا کے نقشے پر یہ نیا ملک اسلام کے نام پر اور اسلام کے لیے بنا تھا۔ اس ضمن میں ہندوستان کے مسلمانوں نے تو ووٹ دے کر اپنا فرضِ کفایہ ادا کر دیا کہ تم جا کر پاکستان میں اسلام کا نظام قائم کرو، ہم پر جو گزرے گی سو گزرے گی۔ مگر مسلمانانِ پاکستان نے اس سلسلے میں اب تک کیا کیا ہے؟ کہاں ہے پاکستان میں اسلام اور کہاں ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ؟ یہ پاکستانی قوم کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اجتماعی بے وفائی اور بدعہدی کی بدترین مثال ہے۔ اس بدعہدی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے نفاق اس قوم پر مسلط کر دیے۔ ایک باہمی نفاق، جس کے باعث یہ قوم اب قوم نہیں رہی فرقوں میں بٹ چکی ہے اور اس میں مختلف عصبیتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ صوبائیت، مذہبی فرقہ واریت وغیرہ نے باہمی اتحاد پارہ پارہ کر دیا ہے۔ دوسرے جب یہ نفاق ہمارے

دلوں کا روگ بنا تو اس سے شخصی کردار اور پھر قومی کردار کا بیڑا غرق ہو گیا۔ اس حوالے سے ایک متفق علیہ حدیث ملاحظہ کیجیے اور اس کے آئینے میں پاکستانی قوم کے اصلی چہرے کی جھلک دیکھئے۔ حضرت ابوہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ [وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ :وَإِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ] إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))

''منافق کی تین نشانیاں ہیں [اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''اگرچہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو''] (i) جب بولے جھوٹ بولے (ii) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (iii) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔''

اس حدیث کو کسوٹی سمجھ کر اپنی قوم کے کردار کو پرکھ لیجیے۔ اس وقت پاکستان میں جو جتنا بڑا ہے اتنا ہی بڑا جھوٹا ہے، اتنا ہی بڑا وعدہ خلاف ہے اور اتنا ہی بڑا خائن ہے (الا ماشاء اللہ!)

تیسرا نفاق جو اس قوم کے حصے میں آیا وہ بہت ہی بڑا ہے اور وہ ہے آئین کا نفاق۔ کسی ملک کا آئین اس ملک کی اہم ترین دستاویز ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے اس ملک کی اس اہم ترین دستاویز کو بھی منافقت کا پلندہ بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ پاکستانی آئین میں ایک ہاتھ سے اسلام داخل کیا جاتا ہے اور دوسرے ہاتھ سے نکال لیا جاتا ہے۔ الفاظ دیکھو تو ہر سمت اسلام ہی اسلام ہے، تعمیل دیکھو تو اسلام کا سایہ تک کہیں نظر نہیں آتا۔ اگر آئین پاکستان کی عبارت میں منافقت کی مثال دیکھنی ہو تو عبرت کے لیے اس جملے کو پڑھ لیجیے:

No legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah.

اندازہ کیجیے کہ آئین کے اندر یہ کتنی بڑی بات لکھ دی گئی ہے۔ یعنی اس ملک میں قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی۔ ان الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الحجرات کی پہلی آیت کا ترجمہ کر کے دستور میں لکھ دیا گیا ہے، لیکن ملک اور معاشرے کے اندر اس کے عملی پہلو پر نظر ڈالیں تو یوں لگتا ہے جیسے یہ الفاظ صرف آئینی اور قانونی تقاضا پورا کرنے کے لیے رسماً لکھے گئے ہیں، ان پر عمل کرنے کا کسی کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ بس ایک اسلامی نظریاتی کونسل بنا دی گئی ہے جو اپنی سفارشات مرتب کرتی رہتی ہے۔ یہ سفارشات کونسل کی طرف سے سالانہ رپورٹس کے طور پر حکومت کو باقاعدگی سے پیش ہوتی ہیں، مگر ان کی کوئی تعمیل نہیں ہوتی۔ اسی طرح فیڈرل شریعت کورٹ بھی دکھاوے کا ایک ادارہ ہے۔ بڑے بڑے علماء اس کے تحت بڑی بڑی تنخواہیں اور مراعات لے رہے ہیں، مگر عملی پہلو دیکھو تو دستورِ پاکستان اُن کے دائرۂ عمل سے ہی خارج ہے۔ اسی طرح عدالتی قوانین، عائلی قوانین، مالی قوانین وغیرہ سب فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں۔ دستور کی سطح پر اتنی بڑی منافقت شاید پوری دنیا میں اور کہیں نہ ہو۔ بہرحال یہ ہے ایک ہلکی سی جھلک پاکستانی قوم کی اُس سزا کی جو انہیں وعدہ خلافی کے جرم کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ہے۔

﴿إِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ﴾ ''(اور یہ نفاق اب رہے گا) اُس دن تک جس دن یہ لوگ ملاقات کریں گے اُس سے''

اس نفاق سے اب ان کی جان روزِ قیامت تک نہیں چھوٹے گی۔ اب یہ کانٹا ان کے دلوں سے کبھی نکلے گا نہیں۔

﴿بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۷۷﴾ ''بسبب اُس وعدہ خلافی کے جو انہوں نے اللہ سے کی اور بسبب اُس جھوٹ کے جو وہ بولتے رہے۔''

آیت ۷۸ ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝۷۸﴾ ''کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ اللہ جانتا ہے ان کے بھیدوں کو اور ان کی سرگوشیوں کو اور یہ کہ اللہ تمام غیب کا جاننے والا ہے۔''

آیت ۷۹ ﴿اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ﴾ ''جو دل کی خوشی سے نیکی کرنے والے اہلِ ایمان پر طعن کرتے ہیں (اُن کے) صدقات کے بارے میں''

جب رسول اللہ ﷺ نے تبوک کی مہم کے لیے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو مسلمانوں کی طرف سے ایثار اور اخلاص کے عجیب وغریب مظاہر دیکھنے میں آئے۔ ابوعقیل رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی تھے' ان کے پاس دینے کو کچھ نہیں تھا۔ انہوں نے رات بھر ایک یہودی کے ہاں مزدوری کی اور ساری رات کنویں سے پانی نکال نکال کر اس کے باغ کو سیراب کرتے رہے۔ صبح انہیں مزدوری کے طور پر کچھ کھجوریں ملیں۔ انہوں نے اُن میں سے آدھی کھجوریں تو گھر میں بچوں کے لیے چھوڑ دیں اور باقی آدھی حضور ﷺ کی خدمت میں لا کر پیش کر دیں۔ آپ ﷺ ان کے خلوص واخلاص اور حسنِ عمل سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ کھجوریں سب مال واسباب پر بھاری ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ کی ہدایت کے مطابق ان کھجوروں کو ساز وسامان کے پورے ڈھیر کے اوپر پھیلا دیا گیا۔ لیکن وہاں جو منافقین تھے انہوں نے حضرت ابوعقیلؓ کا مذاق اڑایا اور فقرے کسے کہ جی ہاں' کیا کہنے! واقعی بہت بڑی قربانی دی ہے! ان کھجوروں کے بغیر تو گویا یہ مہم کامیاب ہو ہی نہیں سکتی تھی' وغیرہ وغیرہ۔

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۹﴾ ''اور جن کے پاس اپنی محنت ومشقت کے سوا کچھ ہے ہی نہیں (اور وہ اس میں سے بھی خرچ کرتے ہیں) تو وہ (منافقین) ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے' اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

آیت ۸۰ ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ ان کے لیے استغفار کریں یا ان کے لیے استغفار نہ کریں۔ اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لیے استغفار کریں گے تب بھی اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں فرمائے گا۔''

یہ آیت سورۃ النساء کی آیت ۱۴۵ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ﴾ کے بعد منافقین کے حق میں سخت ترین آیت ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۸۰﴾ ''یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ کفر کر چکے ہیں' اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

آیات ۸۱ تا ۸۹

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ع

آیت ۸۱ ﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ’’بہت خوش ہو گئے پیچھے رہ جانے والے اپنے بیٹھ رہنے پر اللہ کے رسولؐ کے (جانے کے) بعد اور انہوں نے ناپسند کیا کہ وہ جہاد کرتے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں‘‘

﴿وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ﴾ ’’اور (دوسروں سے بھی) کہنے لگے کہ اس گرمی میں مت نکلو۔‘‘
یہ لوگ خود بھی اللہ کے رستے میں نہ نکلے اور دوسروں کو بھی روکنے کی کوشش میں رہے کہ ہم تو رخصت لے آئے ہیں، تم بھی ہوش کے ناخن لو کوئی بہانہ بنا لو اور اس قدر شدید گرمی میں سفر کے لیے مت نکلو۔

﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱﴾ ’’(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے: جہنم کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے، کاش ان لوگوں کو فہم حاصل ہوتا۔‘‘

آیت ۸۲ ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲﴾ ’’تو انہیں چاہیے کہ ہنسیں کم اور روئیں زیادہ، بدلہ اُس کا جو کمائی انہوں نے کی ہے۔‘‘

آیت ۸۳ ﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ﴾ ”پس (اے نبی ﷺ!) اگر اللہ آپ کو لوٹا کر لے جائے ان کے کسی گروہ کے پاس“

مضمون سے ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ آیت مقامِ تبوک پر نازل ہوئی ہے۔ سورت کے اس دوسرے حصے کے پہلے چار رکوعوں (چھٹے رکوع سے لے کر نویں رکوع تک) کے بارے میں تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ غزوۂ تبوک پر روانگی سے قبل نازل ہوئے تھے۔ ان کے بعد کی آیات مختلف مواقع پر نازل ہوئیں، کچھ جاتے ہوئے راستے میں، کچھ تبوک میں قیام کے دوران اور کچھ واپس آتے ہوئے راستے میں۔

﴿فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ﴾ ”پھر وہ آپؐ سے اجازت مانگیں (آپؐ کے ساتھ) نکلنے کے لیے“
یعنی کسی مہم پر، کسی اور دشمن کے خلاف آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہونا چاہیں:
﴿فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا﴾ ”تو کہہ دیجیے گا کہ اب تم میرے ساتھ کبھی نہیں نکلو گے“
غزوۂ تبوک کی مہم میں تمہارا آخری امتحان ہو چکا ہے اور اس میں تم لوگ ناکام ہو چکے ہو۔
﴿وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ”اور اب میرے ساتھ ہو کر تم کسی دشمن کے ساتھ جنگ نہیں کرو گے۔ تم پہلی مرتبہ راضی ہو گئے تھے بیٹھ رہنے پر“
جب جہاد کے لیے نفیرِ عام ہوئی اور سب پر نکلنا فرض قرار پایا تو اُس وقت تم اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے تھے۔

﴿فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۝۸۳﴾ ”تو (اب ہمیشہ کے لیے) بیٹھ رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ۔“

آیت ۸۴ ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) ان میں سے کوئی مر جائے تو اُس کی نمازِ جنازہ کبھی بھی ادا نہ کریں اور اُس کی قبر پر بھی کھڑے نہ ہوں۔“
یہ گویا اب اُن کی رسوائی کا سامان ہو رہا ہے۔ اب تک تو منافقت پر پردے پڑے ہوئے تھے مگر اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ جب کسی کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار فرماتے تھے تو سب کو معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ منافق مرا ہے۔

﴿اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸۴﴾ ”یقیناً انہوں نے کفر کیا ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ اور وہ مرے ہیں اسی حال میں کہ وہ نافرمان تھے۔“

آیت ۸۵ ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ﴾ ”اور آپؐ کو پسند نہ آئیں اُن کے اموال اور اُن کی اولاد۔“

یعنی آپؐ ان کے مال اور اولاد کو اہمیت مت دیجیے۔ یہ آیت اسی سورت میں ۵۵ نمبر پر معمولی فرق کے ساتھ پہلے بھی آ چکی ہے۔

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۸۵﴾ ”اللہ تو یہی

چاہتا ہے کہ انہیں عذاب دے انہی چیزوں کے ذریعے سے دنیا میں اور ان کی جانیں نکلیں اسی حالتِ کفر میں۔"

آیت ۸۶ ﴿وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ﴾ "اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو اُس کے رسولؐ کے ساتھ مل کر تو آپ سے رخصت مانگتے ہیں ان میں سے مقدرت والے بھی"

﴿وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٨٦﴾﴾ "اور کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دیجیے کہ ہم بیٹھ رہنے والوں میں شامل ہو جائیں۔"

آیت ۸۷ ﴿رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ "وہ اس پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں شامل ہو جائیں"

اس اندازِ بیان میں اُن پر گہرا طنز ہے۔ یعنی جنگ کرنا مَردوں کا کام ہے جبکہ خواتین اور بچے ایسے مواقع پر پیچھے گھروں میں رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ اب جب تمام مَردوں پر لازم ہے کہ وہ غزوۂ تبوک کے لیے نکلیں، تو یہ منافقین طرح طرح کے بہانوں سے رخصت چاہتے ہیں۔ گویا انہوں نے پیچھے گھروں میں رہ جانے والی عورتوں کا کردار اپنے لیے پسند کر لیا ہے۔

﴿وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٧﴾﴾ "اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے، پس اب وہ سمجھ نہیں سکتے۔"

آیت ۸۸ ﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ "لیکن (اس کے برعکس) رسولؐ اور وہ لوگ جو آپؐ کے ساتھ ایمان لائے، انہوں نے جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے اموال سے بھی اور اپنی جانوں سے بھی۔"

﴿وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾﴾ "اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بھلائیاں ہیں، اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔"

فلاح محض ایک لفظ ہی نہیں بلکہ قرآن کی ایک جامع اصطلاح ہے۔ اس اصطلاح پر تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ سورۃ المؤمنون کی پہلی آیت کے مطالعے کے دوران ہو گی۔

آیت ۸۹ ﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٨٩﴾﴾ "اللہ نے اُن کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے دامن میں (یا جن کے نیچے) ندیاں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔"

آیات ۹۰ تا ۹۹

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ
سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى
وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى
الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ
قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا
مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا
مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ
اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ
عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾
سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ
رِجْسٌ ۫ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ
فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا
وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾
وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ
السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا
يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ
رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ع ۱۲

الجزء الحادی عشر (۱۱)

آیت ۹۰ ﴿وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ﴾ ’’اور آئے آپؐ کے پاس بہانے بنانے والے بدّو بھی کہ ان کو رخصت دے دی جائے‘‘

’اَعراب‘ جمع ہے ’اَعرابی‘ کی، یعنی بدّو، دیہاتی، بادیہ نشین لوگ۔ ظاہر ہے جہاد کے لیے اس نفیرِ عام کا اطلاق مدینہ کے اطراف وجوانب کی آبادیوں میں بسنے والے مسلمانوں پر بھی ہوتا تھا۔ اب اُن کا ذکر ہو رہا ہے کہ اُن میں سے بھی لوگ آ آ کر بہانے بنانے لگے کہ انہیں اس مہم پر جانے سے معاف رکھا جائے۔

﴿وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ﴾ ’’اور بیٹھ رہے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ کہا تھا اللہ سے اور اُس کے رسولؐ سے۔‘‘

انہوں نے جو وعدے کیے تھے وہ جھوٹے نکلے' یا جو عذر وہ لوگ رخصت کے لیے پیش کر رہے تھے' وہ سب بے بنیاد تھے۔

﴿سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۹۰﴾﴾ ''عنقریب دردناک عذاب پہنچے گا اُن لوگوں کو جو اُن میں سے کفر پر اَڑے رہیں گے۔''

آیت ۹۱ ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ﴾ ''کچھ گناہ (اور الزام) نہیں ضعیفوں پر' نہ بیماروں پر' اور نہ ہی اُن لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کے لیے کچھ نہیں''

آخر اتنا طویل سفر کرنے کے لیے ضروری تھا کہ آدمی تندرست و توانا ہو' اس کے پاس سواری کا انتظام ہو' راستے میں کھانے پینے اور دوسری ضروریات کے لیے سامان مہیا ہو' لیکن اگر کوئی شخص ضعیف ہے' بیمار ہے' یا اس قدر نادار ہے کہ سفر کے اخراجات کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہیں تو اللہ کی نظر میں وہ واقعتاً مجبور و معذور ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں سے کوئی مؤاخذہ نہیں۔ ان کو اس بات کا کوئی الزام نہیں دیا جا سکتا۔

﴿إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ﴾ ''جبکہ وہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ مخلص ہوں۔''

﴿مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۹۱﴾﴾ ''ایسے محسنین پر کوئی الزام نہیں' اور اللہ غفور اور رحیم ہے۔''

یعنی مندرجہ بالا وجوہات میں سے کسی وجہ سے کوئی شخص اگر واقعی معذور ہے مگر سچا اور پکا مومن ہے' خلوصِ دل سے اللہ اور اُس کے رسول کا وفادار ہے' اس کا دین درجۂ احسان تک پہنچا ہوا ہے' تو ایسے صاحبِ ایمان اور محسن لوگوں پر کوئی ملامت نہیں۔

آیت ۹۲ ﴿وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۖ﴾ ''اور نہ ہی اُن پر (کوئی الزام ہے) جو آئے آپؐ کے پاس کہ آپؐ ان کے لیے سواری کا انتظام کر دیں تو آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس بھی کوئی چیز نہیں جس پر میں تم لوگوں کو سوار کر سکوں''

﴿تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ﴿۹۲﴾﴾ ''(تو مجبوراً) وہ لوٹ گئے اور اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے' اس رنج سے کہ ان کے پاس کچھ نہیں جسے وہ خرچ کر سکیں۔''

یہ اُن لوگوں کی کیفیت کا ذکر ہے جو دل و جان سے چاہتے تھے کہ اس مہم میں شریک ہوں' مگر وسائل کی کمی کی وجہ سے شرکت نہیں کر پا رہے تھے۔ اپنی اس محرومی پر وہ لوگ واقعتاً صدمے اور رنج و غم سے ہلکان ہو رہے تھے۔ ایک طرف ایسے مؤمنین صادقین تھے اور دوسری طرف وہ صاحبِ حیثیت (اُولُوا الطَّوْلِ) لوگ تھے جن کے پاس سب کچھ موجود تھا' وسائل و ذرائع کی کمی نہیں تھی' تندرست و توانا تھے' لیکن اس سب کچھ کے باوجود وہ اللہ کی راہ میں نکلنے کو تیار نہیں تھے۔

آیت ۹۳ ﴿اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَھُمْ اَغْنِیَآءُ ۚ﴾ ''الزام تو اُن لوگوں پر ہے جو آپؐ سے رخصت مانگتے ہیں جب کہ وہ غنی (مالدار) ہیں۔''

﴿رَضُوْا بِاَنْ یَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ﴾ ''وہ راضی ہو گئے اس پر کہ ہو جائیں پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ''

﴿وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۹۳﴾ ''اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے' پس وہ صحیح علم سے بے بہرہ ہو چکے ہیں۔''

آیت ۹۴ ﴿یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْهِمْ ؕ﴾ ''بہانے بنائیں گے وہ تمہارے پاس آ کر جب تم لوگ اُن کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔''

یَعْتَذِرُوْنَ چونکہ فعل مضارع ہے اس لیے اس کا ترجمہ حال میں بھی ہو سکتا ہے اور مستقبل میں بھی۔ اگر تو یہ آیات تبوک سے واپسی کے سفر کے دوران نازل ہوئی ہیں تو ترجمہ وہ ہوگا جو اوپر کیا گیا ہے' لیکن اگر ان کا نزول رسول اللہ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ہوا ہے تو ترجمہ یوں ہوگا: ''بہانے بنا رہے ہیں وہ تمہارے پاس آ کر جب تم لوگ اُن کے پاس لوٹ کر آ گئے ہو۔''

﴿قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ﴾ ''آپؐ کہہ دیجیے (یا کہہ دیجیے گا) کہ بہانے مت بناؤ' ہم تمہاری بات نہیں مانیں گے' اللہ نے ہمیں پوری طرح مطلع کر دیا ہے تمہاری خبروں سے۔''

مہم پر جانے سے قبل تو حضور ﷺ اپنی طبعی شرافت اور مروّت کے باعث منافقین کے جھوٹے بہانوں پر بھی سکوت فرماتے رہے تھے' لیکن اب چونکہ بذریعہ وحی ان کے جھوٹ کے سارے پردے چاک کر دیے گئے تھے اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! اب آپ ڈنکے کی چوٹ اُن سے کہہ دیجیے کہ اب ہم تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کریں گے' کیونکہ اب اللہ تعالیٰ نے تمہاری باطنی کیفیات سے ہمیں مطلع کر دیا ہے۔

﴿وَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ﴾ ''اب اللہ اور اُس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھیں گے''

یعنی آئندہ تمہارے طرزِ عمل اور رویے (attitude) کا جائزہ لیا جائے گا۔

﴿ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۹۴﴾ ''پھر تمہیں لوٹا دیا جائے گا اُس (اللہ) کی طرف جو غائب و حاضر کا جاننے والا ہے' پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔''

آیت ۹۵ ﴿سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ﴾ ''ابھی یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے (یا کھا رہے ہیں) جب کہ تم لوگ اُن کی طرف لوٹ کر جاؤ گے (یا آ گئے ہو) تا کہ آپؐ ان سے چشم پوشی برتیں۔''

﴿فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ رِجۡسٌ ۫ وَّمَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ﴿۹۵﴾﴾ ''تو (ٹھیک ہے) آپؐ اُن سے اعراض برتیں۔ یہ ناپاک لوگ ہیں اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے' بدلہ اس کا جو کمائی یہ کرتے رہے ہیں۔''

آیت ۹۶ ﴿يَحۡلِفُوۡنَ لَـكُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ ۚ﴾ ''یہ قسمیں کھائیں گے (یا کھا رہے ہیں' اے مسلمانو!) تمہارے سامنے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ۔''

یہ ان منافقین کی معاشرتی مجبوری تھی۔ ایک معاشرے کے اندر سب کا اکٹھے رہنا سہنا تھا۔ اوس اور خزرج کے اندر ان کی رشتہ داریاں تھیں۔ ایسے ماحول میں وہ سمجھتے تھے کہ اگر مسلمانوں کے دل ان کی طرف سے صاف نہ ہوئے تو وہ اس معاشرے کے اندر ایک طرح سے اچھوت بن کر رہ جائیں گے۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے اندر اپنا اعتماد پھر سے بحال کرنے کے لیے ہر طرح سے دوڑ دھوپ کر رہے تھے' مسلمانوں سے ملاقاتیں کرتے تھے' ان کو اپنی مجبوریاں بتاتے تھے اور ان کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنے اخلاص کا یقین دلانے کی کوشش کرتے تھے۔

﴿فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرۡضٰى عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ﴿۹۶﴾﴾ ''تو اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ ان نافرمانوں سے راضی ہونے والا نہیں ہے۔''

آیت ۹۷ ﴿اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجۡدَرُ اَلَّا يَعۡلَمُوۡا حُدُوۡدَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ﴿۹۷﴾﴾ ''یہ بدّو لوگ کفر و نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور زیادہ اس لائق ہیں کہ ناواقف ہوں اُس چیز کی حدود سے جو اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل فرمائی ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' کمال حکمت والا ہے۔''

یعنی اہلِ مدینہ تو مسلسل رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہو رہے تھے' آپ ﷺ سے جمعہ کے خطبات سنتے تھے اور آپ ﷺ کی نصیحت کا ایک سلسلہ شب و روز ان کے درمیان چلتا رہتا تھا۔ مگر بادیہ نشین لوگوں کو تعلیم و تعلّم کے ایسے مواقع میسر نہیں تھے۔ لہٰذا فطری اور منطقی وجوہات کی بنا پر کفر و شرک اور نفاق کی شدت ان لوگوں میں نسبتاً زیادہ تھی۔

آیت ۹۸ ﴿وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا﴾ ''اور ان بدوؤں میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو کچھ انہیں خرچ کرنا پڑتا ہے اسے وہ تاوان سمجھتے ہیں''

یعنی زکوٰۃ' عُشر وغیرہ کی ادائیگی جو اسلامی نظامِ حکومت کے تحت اُن پر عائد ہوئی ہے یہ لوگ اس کو تاوان سمجھتے ہوئے بڑی ناگواری سے ادا کرتے ہیں' اس لیے کہ اس سے پہلے اس علاقے میں نہ تو کوئی ایسا نظام تھا اور نہ ہی یہ لوگ محصولات وغیرہ ادا کرنے کے عادی تھے۔

﴿وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ﴾ ''اور وہ منتظر ہیں تم لوگوں پر کسی گردشِ زمانہ کے۔''

یہ لوگ بڑی بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں کہ گردشِ زمانہ کے باعث مسلمانوں کے خلاف کچھ ایسے

حالات پیدا ہو جائیں جن سے مدینہ کی یہ اسلامی حکومت ختم ہو جائے اور وہ ان پابندیوں سے آزاد ہو جائیں۔

﴿عَلَیۡہِمۡ دَآئِرَۃُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۹۸﴾﴾ ''(اصل میں) بُری گردش خود ان کے اوپر مسلط ہے۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔''

ان کی منافقت جو ان کے دلوں کا روگ بن چکی ہے' وہی اصل برائی ہے جو ان پر مسلط ہے۔

آیت ۹۹ ﴿وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰہِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ﴾ ''اور ان بدوؤں میں وہ لوگ بھی ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یوم آخرت پر' اور جو وہ خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں) اُس کو سمجھتے ہیں اللہ کے قرب اور رسولؐ کی دعاؤں کا ذریعہ۔''

یعنی یہ بادیہ نشین لوگ سب کے سب ہی کفر و نفاق پر کاربند اور انفاق فی سبیل اللہ کو تاوان سمجھنے والے نہیں ہیں' بلکہ ان میں سچے مؤمن بھی ہیں' جو نہ صرف اللہ کے راستے میں شوق سے خرچ کرتے ہیں بلکہ اِس انفاق کو وہ تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ دین کے لیے مال خرچ کرنے سے اللہ کے رسول ﷺ کی دعائیں بھی اُن کے شامل حال ہو جائیں گی۔

﴿اَلَاۤ اِنَّہَا قُرۡبَۃٌ لَّہُمۡ ؕ سَیُدۡخِلُہُمُ اللّٰہُ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۹۹﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ' یہ (اُن کا انفاق) واقعتاً ان کے لیے باعثِ تقرب ہے۔ عنقریب اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یقیناً اللہ معاف فرمانے والا' رحم فرمانے والا ہے۔''

آیات ۱۰۰ تا ۱۱۰

وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُہٰجِرِیۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ وَاَعَدَّ لَہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ تَحۡتَہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنۡ حَوۡلَکُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ مُنٰفِقُوۡنَ ؕ وَمِنۡ اَہۡلِ الۡمَدِیۡنَۃِ ۟ؔ مَرَدُوۡا عَلَی النِّفَاقِ ۟ لَا تَعۡلَمُہُمۡ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُہُمۡ ؕ سَنُعَذِّبُہُمۡ مَّرَّتَیۡنِ ثُمَّ یُرَدُّوۡنَ اِلٰی عَذَابٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ۚ وَاٰخَرُوۡنَ اعۡتَرَفُوۡا بِذُنُوۡبِہِمۡ خَلَطُوۡا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا ؕ عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّتُوۡبَ عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ صَدَقَۃً تُطَہِّرُہُمۡ وَتُزَکِّیۡہِمۡ بِہَا وَصَلِّ عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّہُمۡ ؕ وَاللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ ہُوَ یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ عَنۡ عِبَادِہٖ وَیَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰہَ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمۡ وَرَسُوۡلُہٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ وَسَتُرَدُّوۡنَ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَالشَّہَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ۚ وَاٰخَرُوۡنَ مُرۡجَوۡنَ لِاَمۡرِ اللّٰہِ

اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٠٦﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا
ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ
وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٧﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ
لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ
يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ
خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا
يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ
قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾ ع ۱۳

اب اہلِ ایمان کے مابین حفظِ مراتب کا مضمون آرہا ہے۔ ظاہر ہے کسی بھی معاشرے میں تمام انسان برابر نہیں ہوتے: ؎

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد!

چنانچہ مدینہ کے اُس معاشرے میں بھی سب لوگ نظریات وعقائد کی پختگی کے اعتبار سے برابر نہیں تھے حتیٰ کہ جو منافقین تھے وہ بھی سب ایک جیسے منافق نہیں تھے۔ چونکہ انسانی فطرت تو تبدیل نہیں ہوتی اس لیے آئندہ بھی جب کبھی کسی مسلمان معاشرے میں کوئی دینی تحریک اٹھے گی تو اُس وقت بھی اسی طرح کی صورتِ حال پیش آئے گی۔ گویا کسی بھی تنظیم یا تحریک کے ارکان کے درمیان درجہ بندی کے حوالے سے ایک واضح اور غیر مبہم ادراک کا پایا جانا انتہائی ضروری ہے۔ لہٰذا اہلِ ایمان کے مابین یہ درجہ بندی حکمتِ قرآنی کا ایک بہت اہم موضوع ہے اور اس اعتبار سے یہ آیات بہت اہم ہیں۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ﴾ ’’اور پہلے پہل سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار میں سے‘ اور وہ جنہوں نے اُن کی پیروی کی نیکوکاری کے ساتھ‘‘

﴿رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ﴾ ’’اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے‘ اور اُس نے ان کے لیے وہ باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی‘ ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔‘‘

﴿ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾﴾ ’’یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔‘‘

اس آیت میں اہلِ ایمان کے دو بلند ترین مراتب کا ذکر ہوا ہے۔ یعنی سب سے اوپر اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ اور اس کے بعد ان کے پیروکار۔ (اس سے پہلے یہ مضمون ہم سورۃ النساء کی آیت ۶۹ میں انبیاء‘ صِدِّیقین‘ شہداء اور صالحین کے مراتب کے حوالے سے بھی پڑھ چکے ہیں۔ مگر وہاں مراتب کی درجہ بندی کسی اور اعتبار سے ہے‘

جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں)۔ بنیادی طور پر مذکورہ دونوں ہی گروہوں کے لوگ فطرتِ سلیمہ اور عقل سلیم سے نوازے گئے ہیں۔ البتہ ان کی آپس کی درجہ بندی میں جو فرق ہے وہ ان کی طبیعت اور ہمت کے فرق کے باعث ہے۔ ان میں سے درجہ اول (السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ) پر فائز دراصل وہ لوگ ہیں جو حق کو سامنے آتے ہی فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ حق ان کے لیے اس قدر قیمتی متاع ہے کہ اس کی قبولیت میں ذرا سی تاخیر بھی انہیں گوارا نہیں ہوتی۔ وہ اتنے باہمت لوگ ہوتے ہیں کہ قبولِ حق کا فیصلہ کرتے ہوئے وہ اس کے نتائج وعواقب کے بارے میں سوچ بچار میں نہیں پڑتے۔ وہ اس خیال کو خاطر میں نہیں لاتے کہ اس کے بعد انہیں کیا کچھ چھوڑنا ہوگا اور کیا کچھ بھگتنا پڑے گا۔ نہ وہ لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ اُن کے آگے اس راستے پر پہلے سے کوئی چل بھی رہا ہے یا نہیں' اور اگر نہیں چل رہا تو کسی اور کے آنے کا انتظار کر لیں' سب سے پہلے' اکیلے وہ کیونکر اس پر خطر وادی میں کود پڑیں! وہ ان سب پہلوؤں پر سوچنے میں وقت ضائع نہیں کرتے' حق کو قبول کرنے میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے' کسی مصلحت کو خاطر میں نہیں لاتے' عقل کے دلائل کی منطق میں نہیں پڑتے اور ع ''ہرچہ بادا باد' ما کشتی در آب انداختیم'' کے مصداق آتشِ ابتلا میں کود جاتے ہیں۔ بقولِ اقبال:

؎ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی!

دوسرے درجہ میں وہ لوگ ہیں جو ان السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے اتباع میں داعیٔ حق کی پکار پر لبیک کہتے ہیں۔ یہ بھی سلیم الفطرت لوگ ہوتے ہیں' حق کو پہلی نظر میں پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اس کی قبولیت کے لیے آمادہ بھی ہوتے ہیں' مگر ان میں ہمت قدرے کم ہوتی ہے۔ یہ ''ہرچہ بادا باد'' والا نعرہ بلند نہیں کر سکتے اور چاہتے ہیں کہ یہ نئی پگڈنڈی ذرا راستے کی شکل اختیار کر لے' ہمارے آگے کوئی دو چار لوگ چلتے ہوئے نظر آئیں تو ہم بھی اُن کے پیچھے چل پڑیں گے۔ یعنی اس میں معاملہ نیت کے کسی خلل کا نہیں' صرف ہمت کی کمی کا ہے۔ اور وہ بھی اس لیے کہ ان کی طبائع ہی اس نہج پر بنائی گئی ہیں۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: ((اَلنَّاسُ مَعَادِنُ کَمَعَادِنِ الْفِضَّۃِ وَالذَّھَبِ))(۹) ''انسان (معدنیات کی) کانوں کی طرح ہیں' جیسے چاندی اور سونے کی کانیں ہوتی ہیں''۔ یعنی جس طرح معدنیات کی قسمیں ہوتی ہیں اسی طرح انسانوں کی بھی مختلف اقسام ہیں۔ ظاہر ہے سونا آپ کو سونے کی کچ دھات (ore) سے ہی حاصل ہوگا۔ چاندی کی ore کو خواہ کتنا ہی صاف کر لیں وہ سونا نہیں بن سکتی۔ اسی طرح انسانوں کے طبائع میں جو بنیادی فرق ہوتا ہے اس کے سبب سب انسان برابر نہیں ہو سکتے۔

بہر حال یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ''السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' اور اُن کے اتباع میں حق کو قبول کرنے والے خوش نصیب لوگوں کا ذکر ایک ساتھ کیا ہے' کیونکہ ان متبعین نے بھی حق کو پوری نیک نیتی سے قبول کیا ہے اور صرف اللہ کی رضا کے لیے قبول کیا ہے۔ اس سلسلے میں کوئی اور غرض' کوئی اور عامل' کوئی اور مفاد ان کے پیش نظر نہیں تھا۔ بس تھوڑی سی ہمت کی کمی تھی جس کی وجہ سے وہ سبقت نہ لے سکے' مگر اپنے اخلاص کی بنا پر دوسرے درجے پر فائز ہونے میں کامیاب ہو گئے۔

اب یہاں ایک اہم بات یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ ''السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ'' مہاجرین میں سے بھی ہیں اور

(۹) صحیح مسلم' کتاب البر والصلۃ والآداب' باب الارواح جنود مجندۃ۔

انصار میں سے بھی‘ اور پھر ان میں ان کے اپنے اپنے متبعین ہیں۔ انصار چونکہ کہیں دس سال بعد ایمان لائے تھے‘ اس لیے اگر زمانی اعتبار سے دیکھا جائے تو گروہِ مہاجرین میں سے جو اصحاب متبعین قرار پائے وہ انصار کے ’’السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ‘‘ سے بہت پہلے ایمان لائے تھے‘ مگر اس درجہ بندی اور مراتب میں وہ ان سے پیچھے ہی رہے۔ اس لیے کہ یہاں پہلے یا بعد میں آنے کا اعتبار زمانی لحاظ سے نہیں‘ بلکہ یہ مزاج کا معاملہ ہے اور اس پہلے ردِعمل کا معاملہ ہے جو کسی کے مزاج سے اس وقت ظہور پذیر ہوا جب اس نے پہلی دفعہ حق کو پہچانا۔ لہٰذا اگرچہ اہلِ مدینہ (جو بعد میں انصار کہلائے) بہت بعد میں ایمان لائے تھے مگر ان میں بھی وہ لوگ ’’السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ‘‘ ہی قرار پائے تھے جنہوں نے حق کو پہچان کر فوراً لبیک کہا‘ پھر نہ انہوں نے نتائج کی پروا کی اور نہ کوئی مصلحت ان کے آڑے آئی۔

آیت ۱۰۱ ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ؕ﴾ ’’اور جو تمہارے آس پاس کے بادیہ نشین ہیں ان میں منافق بھی ہیں۔‘‘

اعلیٰ ترین مراتب والے اصحاب کے ذکر کے بعد اب بالکل نچلی سطح کے لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

﴿وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ﴾ ’’اور اہلِ مدینہ میں بھی‘ جو نفاق پر اڑ چکے ہیں‘‘

یہ وہ لوگ ہیں جن کے نفاق کا مرض اب آخری مرحلے میں پہنچ کر لاعلاج ہو چکا ہے اور اب اس مرض سے ان کے شفایاب ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ منافقت کے مرض کی بھی ٹی بی کی طرح تین stages ہوتی ہیں۔ جھوٹے بہانے بنانا اس مرض کی ابتدا ہے‘ جبکہ بات بات پر جھوٹی قسمیں کھانا دوسری سٹیج کی علامت ہے‘ اور جب یہ مرض تیسری اور آخری سٹیج میں پہنچتا ہے تو اس کی واضح علامت منافقین کی اہلِ ایمان کے ساتھ ضد اور دشمنی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اہل ایمان تو دین کے تمام مطالبات خوشی خوشی پورے کرتے ہیں‘ جس مہم سے بچنے کے لیے منافقین بہانے تراشنے میں مصروف ہوتے ہیں اہلِ ایمان بلاحیل وحجت اس کے لیے دل و جان سے حاضر ہو جاتے ہیں۔ مؤمنین صادقین کا یہ رویہ منافقین کے لیے ایک عذاب سے کم نہیں ہوتا‘ جس کے باعث آئے دن ان کی سبکی ہوتی ہے اور آئے دن ان کی منافقت کا پول کھلتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منافقین کو مسلمانوں سے نفرت اور عداوت ہو جاتی ہے اور یہی اس مرض کی آخری سٹیج ہے۔

﴿لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ﴾ ’’آپ انہیں نہیں جانتے‘ ہم انہیں جانتے ہیں۔ ہم انہیں دوہرا عذاب دیں گے‘‘

جیسے منافقینِ مدینہ ہر روز نئے عذاب سے گزرتے تھے۔ ہر روز کہیں نہ کہیں اللہ کی راہ میں نکلنے کا مطالبہ ہوتا تھا اور ہر روز انہیں جھوٹی قسمیں کھا کھا کر‘ جھوٹے بہانے بنا بنا کر جان چھڑانا پڑتی تھی۔ اس لحاظ سے ان کی زندگی مسلسل عذاب میں تھی۔

﴿ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾﴾ ’’پھر وہ لوٹا دیے جائیں گے ایک بہت بڑے عذاب کی طرف۔‘‘

دنیا کا عذاب جتنا بھی ہو آخرت کے عذاب کے مقابلے میں تو وہ کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا دنیا کے عذاب جھیلتے جھیلتے ایک دن انہیں بہت بڑے عذاب کا سامنا کرنے کے لیے بھی پیش ہونا پڑے گا۔

السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ' ان کے متبعین اور پھر منافقین کے ذکر کے بعد اب کچھ ایسے لوگوں کا ذکر ہونے جارہا ہے جو ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہیں۔ ان لوگوں کا ذکر بھی دو الگ الگ درجوں میں ہوا ہے۔ ان میں پہلے جس گروہ کا ذکر آرہا ہے وہ اگرچہ مخلص مسلمان تھے مگر ان میں ہمت کی کمی تھی۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ چلنا بھی چاہتے تھے مگر چل نہیں پاتے تھے۔ کسی قدر چلتے بھی تھے مگر کبھی کوتاہی بھی ہو جاتی تھی۔ ہمت کر کے آگے بڑھتے تھے لیکن کبھی کسل مندی اور سستی کا غلبہ بھی ہو جاتا تھا۔

آیت ۱۰۲ ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ ''اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں''

وہ اپنی کوتاہیوں کو چھپانے کے لیے جھوٹ نہیں بولتے' جھوٹی قسمیں نہیں کھاتے' جھوٹے بہانے نہیں بناتے' بلکہ کھلے عام اعتراف کر لیتے ہیں کہ ہم سے غلطی ہوگئی' معمولاتِ زندگی کی مصروفیات اور اہل وعیال کی مشغولیات نے ہمیں اس قدر اُلجھایا کہ ہم دینی فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کا ارتکاب کر بیٹھے۔ جب غلطی کا ایسا کھلا اعتراف ہو گیا تو نفاق کا احتمال جاتا رہا۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو توبہ کی توفیق مل گئی۔

﴿خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا﴾ ''انہوں نے اچھے اور بُرے اعمال کو گڈمڈ کر دیا ہے۔''

وہ نیک اعمال بھی کرتے ہیں مگر کبھی کوئی غلطی بھی کر بیٹھتے ہیں۔ ایثار و انفاق بھی کرتے ہیں مگر دنیاداری کے جھمیلوں میں الجھ کر کہیں کوئی تقصیر بھی ان سے ہو جاتی ہے۔

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰۲﴾ ''امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

ایک روایت کے مطابق یہ آیت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ان لوگوں سے سستی اور دنیاداری کی مصروفیات کے باعث یہ کوتاہی ہوئی کہ وہ غزوۂ تبوک پر نہ جاسکے' مگر جلد ہی انہیں احساس ہو گیا کہ ان سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوگئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے شدید احساسِ ندامت کے باعث رسول اللہ ﷺ کے واپس مدینہ تشریف لانے سے پہلے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا کہ اب یا تو حضور ﷺ تشریف لا کر ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمائیں گے اور ہمیں اپنے دستِ مبارک سے کھولیں گے یا پھر ہم یہیں بندھے بندھے اپنی جانیں دے دیں گے۔ حضور ﷺ کی واپسی پر یہ آیات نازل ہوئیں تو آپؐ نے تشریف لے جا کر انہیں کھولا اور خوشخبری سنائی کہ ان کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔ توبہ کرنے اور توبہ کی قبولیت کا یہ وہی اصول تھا جو ہم سورۃ النساء کی اس آیت میں پڑھ آئے ہیں: ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰۗىِٕكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۷﴾ یعنی کوئی غلطی یا کوتاہی سرزد ہونے کے فوراً بعد انسان کے اندر ایمانی جذبات لوٹ آئیں' اسے

احساسِ ندامت ہوا اور وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی توبہ کو قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے۔ مگر اِن اصحابؓ کو یہ اعزاز نصیب ہوا کہ ان کی توبہ کی قبولیت کے بارے میں خصوصی حکم نازل ہوا۔

آیت ۱۰۳ ﴿خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا﴾ ''ان کے اموال میں سے صدقات قبول فرما لیجیے' اس (صدقے) کے ذریعے سے آپؐ انہیں پاک کریں گے اور ان کا تزکیہ کریں گے''

روایت میں آتا ہے کہ یہ اصحابؓ اپنے اموال کے ساتھ خود حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے کہ توبہ کی قبولیت کے شکرانے کے طور پر ہم اللہ کی راہ میں یہ اموال پیش کرتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ مخلص مؤمن تھے' صرف سُستی اور کمزوری کے باعث کوتاہی ہوئی تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے آپ ﷺ کو یہ صدقات قبول کرنے کی اجازت فرمائی۔ جبکہ منافقین کے صدقات قبول کرنے سے آپ ﷺ کو منع فرما دیا گیا تھا۔

﴿وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ﴾ ''اور ان کے لیے دعا کیجیے' یقیناً آپؐ کی دعا ان کے حق میں سکون بخش ہے۔''

آپ ﷺ کی دعا ان کے لیے باعثِ اطمینان ہو گی۔ اس سے انہیں تسلی ہو جائے گی کہ اُن کی خطا معاف ہو گئی ہے اور اُن کی توبہ قبول کی جا چکی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝۱۰۳﴾ ''اور اللہ سب کچھ سننے والا' جاننے والا ہے۔''

آیت ۱۰۴ ﴿اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقۡبَلُ التَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهٖ وَيَاۡخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾ ''کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اُن کے صدقات کو قبولیت عطا فرماتا ہے''

یعنی اللہ کے بندوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ التوّاب بھی ہے اور اپنے بندوں کے صدقات کو شرفِ قبولیت بھی بخشتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے صدقہ وخیرات وغیرہ کے مال کو اپنے اور اپنی اولاد کے لیے حرام قرار دیا ہے۔ مگر اللہ کا اپنے بندوں پر یہ خاص احسان ہے کہ وہ ''الغنی'' ہے' بے نیاز ہے' اُسے کسی چیز کی ضرورت نہیں' مگر پھر بھی وہ اپنے بندوں سے اُن کے نفقات وصدقات کو قبول فرماتا ہے۔

﴿وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ۝۱۰۴﴾ ''اور یہ کہ وہ بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا' بہت رحم فرمانے والا ہے۔''

آیت ۱۰۵ ﴿وَقُلِ اعۡمَلُوۡا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ﴾ ''اور آپؐ ان سے کہہ دیجیے کہ تم عمل کرو' اب اللہ اور اس کا رسولؐ اور اہل ایمان تمہارے عمل کو دیکھیں گے۔''

اب پھر سے محنت کرو' سرفروشی اور جاں فشانی کا مظاہرہ کرو' آئندہ تمہارے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا کہ مطالباتِ دین کے بارے میں تمہارا کیا رویہ ہے اور یہ کہ پھر سے کہیں کوئی کوتاہی' لغزش وغیرہ تو نہیں ہو رہی۔

﴿وَسَتُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۱۰۵﴾ ''اور عنقریب تمہیں لوٹا دیا جائے گا اُس کی طرف جو ہر غائب اور حاضر کا جاننے والا ہے' پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو کچھ تم

کرتے رہے تھے۔''

قیامت کے دن تمہیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے' وہاں تمہارے سارے اعمال تمہارے سامنے پیش کر دیے جائیں گے۔ جیسا کہ سورۃ الزلزال میں فرمایا گیا ہے: ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ⑦ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ⑧﴾ ''تو جس نے ذرّہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے (بچشم خود) دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ اسے (بچشم خود) دیکھ لے گا''۔ اس کے بعد وہاں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

آیت ۱۰۶ ﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰہِ اِمَّا یُعَذِّبُھُمْ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْھِمْ ۭ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ⑩⑥﴾

''اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کے معاملے کو اللہ کے فیصلے تک مؤخر کر دیا گیا ہے' چاہے انہیں عذاب دے اور چاہے تو اُن کی توبہ قبول فرما لے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

یہ ضعفاء میں سے دوسری قسم کے لوگوں کا ذکر ہے' جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔ یہ تین اصحابؓ تھے: کعب بن مالک' ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم' ان میں سے ایک صحابی حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے جو کتبِ احادیث اور تفاسیر میں منقول ہے۔ مولانا مودودیؒ نے بھی تفہیم القرآن میں بخاری شریف کے حوالے سے یہ طویل حدیث نقل کی ہے۔ یہ بہت سبق آموز اور عبرت انگیز واقعہ ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد مدینہ کے اُس معاشرے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت افراد کے اندازِ فکر اور جماعتی زندگی کے نظم وضبط کی جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے وہ حیران کن بھی ہے اور ایمان افروز بھی۔

یہ تینوں حضرات سچے مسلمان تھے' مہم پر جانا بھی چاہتے تھے مگر سُستی کی وجہ سے تاخیر کر بیٹھے اور اس طرح وہ جانے سے رہ گئے۔ حضرت کعبؓ بن مالک خود فرماتے ہیں کہ میں اُس زمانے میں بہت صحت مند اور خوشحال تھا' میری اونٹنی بھی بہت توانا اور تیز رفتار تھی۔ جب سستی کی وجہ سے میں لشکر کے ساتھ روانہ نہ ہو سکا تو بھی میرا خیال تھا کہ میں آج کل میں روانہ ہو جاؤں گا اور راستے میں لشکر سے جا ملوں گا۔ میں اسی طرح سوچتا رہا اور روانہ نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ وقت نکل گیا اور پھر ایک دن اچانک مجھے یہ احساس ہوا کہ اب خواہ میں کتنی ہی کوشش کر لوں' لشکر کے ساتھ نہیں مل سکتا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے رہ جانے والوں کو بلا کر باز پرس شروع کی۔ منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قسمیں کھا کھا کر بہانے بناتے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی باتوں کو مانتے رہے۔ جب کعبؓ بن مالک کی باری آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دیکھ کر تبسّم فرمایا۔ ظاہر بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ کعبؓ سچے مؤمن ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ لوگ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر چھوٹ گئے ہیں' اللہ نے مجھے بھی زبان دی ہے' میں بھی بہت سی باتیں بنا سکتا ہوں' مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے کوئی عذر مانع نہیں تھا۔ میں اُن دِنوں جتنا صحت مند تھا اتنا پہلے کبھی نہ تھا' جتنا غنی اور خوشحال تھا ویسا پہلے کبھی نہ تھا۔ مجھے کوئی عذر مانع نہیں تھا سوائے اس کے کہ شیطان نے مجھے ورغلایا

اور میں تاخیر کر بیٹھا۔ ان کے باقی دو ساتھیوں نے بھی اسی طرح سچ بولا اور کوئی بہانہ نہ بنایا۔

ان تینوں حضرات کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص ان تینوں سے بات نہ کرے اور یوں ان کا مکمل طور پر معاشرتی مقاطعہ (social boycott) ہو گیا' جو پورے پچاس دن تک جاری رہا۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں اس دوران ایک دن انہوں نے اپنے چچا زاد بھائی اور بچپن کے دوست سے بات کرنا چاہی تو اُس نے بھی جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے اُس سے کہا کہ اللہ کے بندے تمہیں تو معلوم ہے کہ میں منافق نہیں ہوں تو اُس نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ اللہ اور اُس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ چالیس دن بعد حضور ﷺ کے حکم پر انہوں نے اپنی بیوی کو بھی علیحدہ کر دیا۔ اسی دوران والی غسان کی طرف سے انہیں ایک خط بھی ملا' جس میں لکھا تھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کے ساتھی آپ پر ظلم ڈھا رہے ہیں' آپ باعزت آدمی ہیں' آپ ایسے نہیں ہیں کہ آپ کو ذلیل کیا جائے' لہٰذا آپ ہمارے پاس آ جائیں' ہم آپ کی قدر کریں گے اور اپنے ہاں آپ کو اعلیٰ مراتب سے نوازیں گے۔ یہ بھی ایک بہت بڑی آزمائش تھی' مگر انہوں نے وہ خط تنور میں جھونک کر شیطان کا یہ وار بھی ناکام بنا دیا۔ اُن کی اس سزا کے پچاسویں دن اُن کی معافی اور توبہ کی قبولیت کا حکم (آیت ۱۱۸ کی صورت میں) نازل ہوا' اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اس آزمائش اور ابتلا میں سرخرو فرمایا۔ بائیکاٹ کے اختتام پر ہر فرد کی طرف سے ان حضرات کے لیے خلوص و محبت کے جذبات کا جس طرح سے اظہار ہوا' اور پھر ان تینوں اصحابؓ نے اپنی آزمائش اور ابتلا کے دوران اخلاص و استقامت کی داستان جس خوبصورتی سے رقم کی' یہ ایک دینی جماعتی زندگی کی مثالی تصویر ہے۔

آیت ۱۰۷ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد بنائی ہے ضرر (نقصان) اور کفر کے لیے اور اہل ایمان میں تفریق پیدا کرنے کے لیے اور ان لوگوں کو گھات فراہم کرنے کے لیے جو پہلے سے اللہ اور اُس کے رسولؐ سے جنگ کر رہے ہیں۔''

ضِرَارًا بابِ مفاعلہ ہے' یعنی انہوں نے مسجد بنائی ہے ضِدّم ضِدًّا مقابلے میں اور دعوتِ حق کو نقصان پہنچانے کے لیے۔ یہ مسجد منافقین نے مسجد قبا کے قریبی علاقے میں بنائی تھی۔ اس کی تعمیر کے پیچھے ابو عامر راہب کا ہاتھ تھا۔ اس شخص کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں عیسائیت قبول کر کے راہب بن گیا تھا اور عرب میں اہل کتاب کے ایک بہت بڑے عالم کے طور پر جانا جاتا تھا۔ ابو عامر راہب کے تقابل کے طور پر یہاں ورقہ بن نوفل راہب کا ذکر خالی از دلچسپی نہیں ہو گا۔ ورقہ بن نوفل بنیادی طور پر قرشی تھے۔ انہوں نے بھی بُت پرستی چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی تھی۔ وہ اپنے زمانے کے اتنے بڑے عالم تھے کہ تورات عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ وہ بہت نیک اور سلیم الفطرت انسان تھے۔ جب حضرت خدیجہ ؓ حضور ﷺ کو لے کر اُن کے پاس گئیں تو انہوں نے آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی اور بتایا کہ آپ ﷺ کے پاس وہی ناموس آیا ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) کے پاس آتا تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں

جب آپ کی قوم آپ کو یہاں سے نکال دے گی۔ حضور ﷺ نے جب حیرت سے پوچھا کہ کیا یہ لوگ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہاں! معاملہ ایسا ہی ہے' آپ کی دعوت کے نتیجے میں آپ کی قوم آپ کی دشمن بن جائے گی۔

مگر ابو عامر راہب کا رویہ اس کے برعکس تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا شدید ترین دشمن بن گیا۔ قریشِ مکہ کی بدر میں شکست کے بعد یہ شخص مکہ میں جا کر آباد ہو گیا اور اہل مکہ کو حضور ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف اُکساتا رہا۔ چنانچہ غزوۂ اُحد کے پیچھے بھی اسی شخص کی سازشیں کارفرما تھیں' بلکہ میدانِ اُحد میں جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو اس نے لشکر سے باہر نکل کر انصارِ مدینہ کو خطاب کر کے انہیں ورغلانے کی کوشش بھی کی تھی۔ اس کے بعد بھی تمام جنگوں میں یہ مسلمانوں کے خلاف کسی نہ کسی انداز میں حصہ لیتا رہا' مگر حنین کی جنگ کے بعد جب اسے محسوس ہوا کہ اب جزیرہ نمائے عرب میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں رہی تو وہ مایوس ہو کر شام چلا گیا' لیکن وہاں جا کر بھی وہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہا۔ اس کے لیے اس نے منافقین مدینہ کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھا اور اسی کے کہنے پر منافقین نے مسجدِ ضرار تعمیر کی جو نام کو تو مسجد تھی مگر حقیقت میں سازشی عناصر کی کمین گاہ اور فتنے کا ایک مرکز تھی۔

﴿وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰہُ یَشْہَدُ اِنَّہُمْ لَکٰذِبُوْنَ ۝۱۰۷﴾ ''اور وہ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو نیکی ہی کا ارادہ کیا تھا' مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔''

اب جواب طلبی پر یہ منافقین قسمیں کھا کھا کر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کریں گے کہ ہماری کوئی بُری نیت نہیں تھی' ہمارا ارادہ تو نیکی اور بھلائی ہی کا تھا' اصل میں دوسری مسجد ذرا دور پڑتی تھی جس کی وجہ سے ہم تمام نمازیں جماعت کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے تھے' اس لیے ہم نے سوچا کہ اپنے محلے میں ایک مسجد بنا لیں تاکہ تمام نمازیں آسانی سے باجماعت ادا کر سکیں' وغیرہ وغیرہ۔

آیت ۱۰۸ ﴿لَا تَقُمْ فِیْہِ اَبَدًا ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔''

مسجد بنانے کے بعد یہ منافقین حضور ﷺ کے پاس یہ درخواست لے کر آئے تھے کہ آپؐ مسجد میں تشریف لے آئیں تو بڑی برکت ہو گی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بروقت روک دیا کہ آپؐ وہاں تشریف نہ لے جائیں۔

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ ؕ﴾ ''یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی' وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپؐ اس میں کھڑے ہوں (نماز پڑھیں)۔''

اس سے مراد مسجد قبا ہے جو قریب ہی تھی اور جس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دستِ مبارک سے رکھی تھی۔ یہ مقام اُس وقت کے مدینہ کی آبادی سے تین میل کے فاصلے پر تھا۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو اس مقام کو مدینہ میں آپؐ کے پہلے پڑاؤ کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس مقام پر قیام فرمایا تھا اور یہاں اس مسجد کی بنیاد رکھی تھی۔

﴿فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَہَّرُوْا ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّہِّرِیْنَ ۝۱۰۸﴾ ''اس میں وہ لوگ ہیں جو پسند

کرتے ہیں کہ وہ بہت پاک رہیں۔ اور اللہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے جو بہت زیادہ پاک رہتے ہیں۔''

اصحابِ قبا سے جب پوچھا گیا کہ آپ لوگوں کے کس عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طہارت کی تعریف فرمائی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ قضائے حاجت کے بعد ڈھیلے بھی استعمال کرتے ہیں اور پھر پانی سے بھی طہارت حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر یہی سمجھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں طہارت کے اس معیار کی تعریف فرمائی ہے۔

آیت ۱۰۹ ﴿اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ﴾ ''تو کیا بھلا جس نے اپنی عمارت کی بنیاد رکھی ہو اللہ کے تقویٰ اور اُس کی رضا پر، وہ بہتر ہے''

﴿اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ﴾ ''یا وہ کہ جس نے اپنی تعمیر کی بنیاد رکھی ایک ایسی کھائی کے کنارے پر جو گرا چاہتی ہے، تو وہ اُس کو لے کر گر گئی جہنم میں؟''

یعنی جب انسان کوئی عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے کسی مضبوط اور ٹھوس جگہ کا انتخاب کرتا ہے۔ اگر وہ کسی کھوکھلی جگہ پر یا کسی کھائی وغیرہ کے کنارے پر عمارت تعمیر کرے گا تو جلد یا بدیر وہ عمارت گر کر ہی رہے گی۔ دراصل یہ منافقین کی تدبیروں اور سازشوں کی مثال ہے کہ ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے وہ جہنم کی گہری کھائی کے کنارے پر اپنی عمارتیں تعمیر کر رہے ہوں، چنانچہ وہ کنارہ خود بھی گر کر رہے گا اور اُن کو اور اُن کی تعمیرات کو بھی جہنم میں گرائے گا۔

﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾﴾ ''اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔''

آیت ۱۱۰ ﴿لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۱۱۰﴾﴾

''یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ان کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کیے رکھے گی، اِلا یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے کر دیے جائیں۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔''

ان لوگوں کے دلوں کے اندر منافقت کی جڑیں اتنی گہری جا چکی ہیں کہ اس کے اثرات کا زائل ہونا اب ممکن نہیں رہا۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر کسی شخص کے پورے جسم میں کینسر پھیل چکا ہو تو کسی معمولی آپریشن سے وہ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں اگر اس کے سارے جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے تو تب شاید اس مرض کی جڑوں کو نکالنا ممکن ہو۔ لہٰذا ان منافقین کے دل ہمیشہ شکوک و شبہات کے اندھیروں میں ہی ڈوبے رہیں گے، انہیں ایمان و یقین کی روشنی کبھی نصیب نہیں ہوگی، اِلا یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔

اگلی دو آیات اپنے مضمون کے اعتبار سے خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔

آیات ۱۱۱، ۱۱۲

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

آیت ۱۱۱ ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾ ''یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہلِ ایمان سے اُن کی جانیں بھی اور اُن کے مال بھی اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنّت ہے۔''

یہ دوطرفہ سودا ہے جو ایک صاحبِ ایمان بندے کا اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہے۔ بندہ اپنے جان و مال بیچتا ہے اور اللہ اُس کے جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیتا ہے۔

﴿يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫﴾ ''وہ جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں' پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔''

جیسے جنگ بدر میں مسلمانوں نے ستر کافروں کو جہنم رسید کیا' اور میدانِ اُحد میں ستر اہلِ ایمان شہید ہو گئے۔

﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ﴾ ''یہ وعدہ اللہ کے ذِمّے ہے سچا' تورات' انجیل اور قرآن میں۔''

یہاں بین السطور میں دراصل یہ یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ یہ سودا اگرچہ ادھار کا سودا ہے مگر یہ ایک پختہ عہد ہے جس کو پورا کرنا اللہ کے ذمہ ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں کوئی وسوسہ تمہارے دلوں میں نہ آنے پائے۔ دراصل یہ اس سوچ کا جواب ہے جو طبع بشری کی کمزوری کے سبب انسانی ذہن میں آتی ہے۔ انسان کو طبعی طور پر ''نو نقد نہ تیرہ ادھار'' والا فلسفہ ہی اچھا لگتا ہے۔ ظاہر ہے انسانی سوچ کے مطابق کامیاب سودا تو وہی ہوتا ہے جو ایک ہاتھ دو اور دوسرے ہاتھ لو کے اصول کے مطابق ہو۔ مگر یہاں تو دُنیوی زندگی میں سب کچھ قربان کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے اور اس کے انعام کے لیے وعدۂ فردا کا انتظار کرنے کو کہا جا رہا ہے کہ اس قربانی کا انعام مرنے کے بعد آخرت میں جا کر ملے گا۔ لہٰذا ایک عام انسان تو اس ''جنت موعودہ'' کا ہلکا سا تصور ہی اپنے ذہن میں لاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں یقین کی پختگی تو صرف خواص کو ہی نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ اہلِ ایمان کو ادھار کے اس سودے پر اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ اللہ کی طرف سے اس وعدے کی توثیق تین مرتبہ ہو چکی ہے' تورات میں' انجیل میں اور پھر قرآن مجید میں بھی۔

﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾﴾ ''اور اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کو وفا کرنے والا کون ہے؟ پس خوشیاں مناؤ اپنی اس بیع پر جس کا سودا تم نے اُس کے ساتھ کیا ہے۔ اور یہی ہے بڑی کامیابی۔''

بَایَعْتُمْ بِہٖ یعنی آپس میں جو سودا تم نے کیا۔ مبایعت بابِ مفاعلہ بَایَعَ یُبَایِعُ (آپس میں سودا کرنا) سے ہے۔ ثلاثی مجرد میں بَاعَ یَبِیْعُ کا معنی بیچنا ہے۔ یہیں سے لفظ ''بیعت'' نکلا ہے۔ چنانچہ لفظ ''بیعت'' میں بھی خود

کو بیچ دینے اور کسی کے سپرد کر دینے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ لہٰذا حضورﷺ کے ہاتھ پر صحابہؓ نے جو بیعت کی تھی‘ اس کا مطلب یہی تھا کہ انہوں نے خود کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔ اللہ تو چونکہ سامنے موجود نہیں تھا اس لیے بظاہر یہ بیعت حضورﷺ کے دست مبارک پر ہوئی تھی‘ مگر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے نبی (ﷺ) جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں دراصل وہ اللہ سے ہی بیعت کرتے ہیں اور وقت بیعت ان کے ہاتھوں کے اوپر ایک تیسرا غیر مرئی ہاتھ اللہ کا بھی موجود ہوتا ہے۔ (الفتح: ۱۰)

یہ سودا اور یہ بیع جس کا ذکر آیت زیر نظر میں ہوا ہے دراصل ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو یہ سودا کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم اللہ کے ہاتھ اپنی جانیں اور اپنے اموال بیچ دیں۔ تو جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے یہ سودا کرتا ہے تو اس کے اثرات کی وجہ سے اس کی شخصیت سے اعمالِ صالحہ کا ظہور عمل میں آتا ہے۔ لہٰذا اس کیفیت کا نقشہ آئندہ آیت میں دکھایا گیا ہے۔

آیت ۱۱۲ ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ﴾ ”توبہ کرنے والے (اللہ کی) بندگی کرنے والے‘ (اللہ کی) حمد کرنے والے‘ دُنیوی آسائشوں سے لاتعلق رہنے والے‘ رکوع کرنے والے‘ سجدہ کرنے والے“

’سَآئِحُوْنَ‘ کا معنی ہے ”سیاحت کرنے والے“۔ لیکن اس سے مراد محض سیر و سیاحت نہیں بلکہ عبادت و ریاضت کے لیے گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہونے کا مفہوم بھی اس میں شامل ہے۔ پچھلی اُمتوں میں روحانی ترقی کے لیے لوگ لذاتِ دنیوی کو ترک کر کے اور انسانی آبادیوں سے لاتعلق ہو کر جنگلوں میں چلے جاتے تھے یعنی رہبانیت اختیار کر لیتے تھے‘ مگر ہمارے دین میں ایسی سیاحت اور رہبانیت کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حضورﷺ نے فرمایا: ((لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ وَلَا سِيَاحَةَ))(۱۰) ”اسلام میں نہ رہبانیت ہے نہ سیاحت“۔ سابقہ ادیان کے برعکس اسلام نے سیاحت اور رہبانیت کا جو تصور متعارف کرایا ہے اس کی وضاحت درج ذیل احادیث سے ہوتی ہے۔ ابواُمامہ باہلیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ سِيَاحَةً وَاِنَّ سِيَاحَةَ اُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ‘ وَاِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَهْبَانِيَّةً وَرَهْبَانِيَّةُ اُمَّتِي الرِّبَاطُ فِي نُحُوْرِ الْعَدُوِّ))(۱۱)

”ہر اُمت کے لیے سیاحت کا ایک طریقہ تھا اور میری اُمت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے‘ اور ہر اُمت کی ایک رہبانیت تھی‘ جبکہ میری اُمت کی رہبانیت دشمن کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونا ہے۔“

ایک موقع پر ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے سیاحت کی اجازت دیجیے تو آپﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ سِيَاحَةَ اُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ))(۱۲)

---

(۱۰) فتح الباری لابن رجب: ۱۰۲/۱۔ ومراسیل ابی داؤد: ۲۸۷۔

(۱۱) مجمع الزوائد للهیثمی: ۲۸۱/۵۔ والجامع الصغیر للسیوطی‘ ح: ۲۴۰۸۔

(۱۲) سنن ابی داؤد‘ کتاب الجهاد‘ باب فی النهی عن السیاحة۔ وصحیح الجامع للالبانی‘ ح: ۲۰۹۳۔

”بے شک میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔“

گویا اُمت مسلمہ کے لیے ’سیاحت‘ کا اطلاق جہاد و قتال کے لیے گھر سے نکلنے اور اس راستے میں صعوبتیں اٹھانے پر ہوگا۔

یہ چھ اوصاف جو اوپر گنوائے گئے ہیں ان کا تعلق انسانی شخصیت کے نظریاتی پہلو سے ہے۔ اب اس کے بعد تین ایسی خصوصیات کا ذکر ہونے جا رہا ہے جو انسان کی عملی جدوجہد سے متعلق ہیں اور دعوت و تحریک کی صورت میں معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

﴿الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾﴾

”نیکی کا حکم دینے والے‘ بدی سے روکنے والے‘ اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اور (اے نبی ﷺ!) آپ ان اہل ایمان کو بشارت دے دیجیے۔“

امر بالمعروف گویا دین کے لیے عملی جدوجہد کا نقطہ آغاز ہے۔ یہ جدوجہد جب آگے بڑھ کر نہی عن المنکر بالید کے مرحلے تک پہنچتی ہے تو پھر ان خدائی فوجداروں کی ضرورت پڑتی ہے جن کو یہاں ﴿وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ﴾ کا لقب دیا گیا ہے۔ یہ لوگ اگر پوری طرح منظم ہوں تو اپنی تنظیمی طاقت کے بل پر کھڑے ہو کر اعلان کریں کہ ہم اپنے معاشرے میں منکرات کا سکہ نہیں چلنے دیں گے اور کسی کو اللہ کی حدود توڑنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ! منہج انقلاب نبوی ﷺ میں اس مرحلے کے ضمن میں آج باقاعدہ اجتہاد کی ضرورت ہے کہ موجودہ حالات میں نہی عن المنکر بالید کے لیے اجتماعی اور منظم جدوجہد کی صورت کیا ہوگی۔

آیات ۱۱۳ تا ۱۱۸

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع ۱۴

آیت ۱۱۳ ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى﴾ ''نبیؐ اور اہلِ ایمان کے لیے یہ روا نہیں کہ وہ استغفار کریں مشرکین کے لیے خواہ وہ اُن کے قرابت دار ہی ہوں''

﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ ''اس کے بعد جبکہ اُن پر واضح ہو چکا کہ وہ لوگ جہنمی ہیں۔''

آیت ۱۱۴ ﴿وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ﴾ ''اور نہیں تھا استغفار کرنا ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے حق میں مگر ایک وعدے کی بنیاد پر جو انہوں نے اُس سے کیا تھا۔''

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد نے آپؑ کو گھر سے نکالا تھا تو جاتے ہوئے آپؑ نے اُس کے لیے دعا کرنے کا وعدہ کیا تھا' اس وعدے کا ذکر سورۂ مریم میں اس طرح آیا ہے: ﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا﴾ ''میں اپنے رب سے آپ کے لیے بخشش کی درخواست کروں گا' بے شک وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔''

﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ﴾ ''اور جب آپؑ پر واضح ہوگیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپؑ نے اُس سے اعلانِ بیزاری کر دیا۔ یقیناً ابراہیمؑ بہت دردِ دل رکھنے والے اور حلیم الطبع تھے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام وعدے کے مطابق اپنے والد کی زندگی میں اُس کے لیے دعا کرتے رہے کہ جب تک وہ زندہ تھا تو امید تھی کہ شاید اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کی توفیق دے دے' لیکن جب اُس کی موت واقع ہوگئی تو آپؑ نے اس کے لیے استغفار بند کر دیا کہ زندگی میں جب وہ کفر پر ہی اڑا رہا اور اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوگئی تو ثابت ہوگیا کہ اب اُس کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔

آیت ۱۱۵ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ﴾ ''اور اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ کسی قوم کو گمراہ کر دے اس کے بعد کہ انہیں ہدایت دی ہو جب تک اُن پر واضح نہ کر دے کہ انہیں کس چیز سے بچنا ہے۔''

یہ گویا معافی کا اعلان ہے اُن لوگوں کے لیے جو اس حکم کے نازل ہونے سے پہلے اپنے مشرک والدین یا رشتہ داروں کے لیے دعا کرتے رہے تھے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ''یقیناً اللہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔''

آیت ۱۱۶ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾ ''یقیناً اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی۔ وہی زندہ رکھتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ اور تمہارے لیے اللہ کے سوا نہیں ہے کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔''

آیت ۱۱۷ ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَي النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ ''اللہ مہربان ہوا نبی (ﷺ) پر' اور مہاجرین وانصار پر بھی' جنہوں نے آپ کا اتباع کیا (ساتھ دیا)

مشکل وقت میں"

یہ تبوک کی مہم کی طرف اشارہ ہے۔ تاریخ میں یہ مہم "جَیْشُ الْعُسْرَۃ" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب خشک سالی کے باعث مدینہ میں قحط کا سماں تھا۔ ان حالات میں اتنے بڑے لشکر کا اتنی لمبی مسافت پر وقت کی سپر پاور سے نبرد آزما ہونے کے لیے جانا واقعی بہت بڑی آزمائش تھی۔ جو لوگ اس آزمائش میں ثابت قدم رہے، یہ ان کے لیے رحمت و شفقت کا ایک اعلانِ عام ہے۔

﴿مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ﴾ "اس کے بعد کہ اُن میں سے ایک گروہ کے دل میں کچھ کجی آنے لگی تھی"

بربنائے طبع بشری کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی انسان میں کچھ کمزوری آ ہی جاتی ہے۔ جیسے غزوۂ اُحد میں بھی دو مسلمان قبائل بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے لوگوں کے دلوں میں عارضی طور پر تھوڑی سے کمزوری آ گئی تھی۔

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾﴾ "پھر اللہ نے ان پر نظر رحمت فرمائی۔ یقیناً وہ ان کے حق میں بہت مہربان، رحم فرمانے والا ہے۔"

آیت ۱۱۸ ﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ﴾ "اور ان تین پر بھی (اللہ نے رحمت کی نگاہ کی) جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا۔"

یہ تین صحابہ کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم کے لیے اعلانِ معافی ہے۔ ان تین اصحابؓ کا ذکر قبل ازیں آیت ۱۰۶ میں آیا ہے۔ وہاں ان کے معاملے کو مؤخر کر دیا گیا تھا۔ پچاس دن کے معاشرتی مقاطعہ کی سزا کے بعد ان کی معافی کا بھی اعلان کر دیا گیا اور انہیں اس حکم کی صورت میں قبولیتِ توبہ کی سند عطا ہوئی۔

﴿حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ﴾ "یہاں تک کہ زمین اپنی تمام تر کشادگی کے باوجود اُن پر تنگ پڑ گئی اور اُن پر اپنی جانیں بھی بوجھ بن گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ کے سوا کوئی اور جائے پناہ ہے ہی نہیں۔"

انسان کی اس کیفیت کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی بچہ ماں سے پٹنے کے بعد اُسی سے لپٹتا ہے۔ اللہ کے بندوں پر بھی اگر اللہ کی طرف سے سختی آتی ہے، کوئی سزا ملتی ہے تو نہ صرف وہ اس سختی کو خوش دلی اور صبر سے برداشت کرتے ہیں، بلکہ پناہ کے لیے رجوع بھی اُسی کی طرف کرتے ہیں، کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ انہیں پناہ ملے گی تو اسی کے حضور ملے گی، اور اگر ان کے دکھوں کا مداوا ہوگا تو اُسی کی جناب سے ہوگا۔ علامہ اقبال نے اس حقیقت کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے: ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو، ترے عفوِ بندہ نواز میں

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾﴾ "تو اُس نے اُن کی توبہ قبول

فرمائی تاکہ وہ بھی پھر متوجہ ہو جائیں۔ یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا' بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''
تاکہ وہ اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کر لیں اور اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو دور کر لیں۔

آیات ۱۱۹ تا ۱۲۲

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ
مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا
يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾
وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ
اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ
مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ع

آیت ۱۱۹ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾﴾ ''اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سچے لوگوں کی معیت اختیار کرو۔''

یہ گویا اہلِ ایمان کے لیے جماعتی زندگی اختیار کرنے کا حکم ہے۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور جماعتی زندگی سے منسلک رہنے کے بہت سے فوائد اور بہت سی برکتیں ہیں' جیسا کہ اس سے پہلے ہم سورۃ الانعام کی آیت ۷۱ میں پڑھ آئے ہیں: ﴿لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ﴾ ''اس کے ساتھی اس کو سیدھے راستے کی طرف پکار رہے ہوں کہ آؤ ہماری طرف!'' جماعتی زندگی دراصل ایک قافلے کی مانند ہے۔ قافلے میں دورانِ سفر اگر کسی ساتھی کی ہمت جواب دے رہی ہو یا کوئی معذوری آڑے آ رہی ہو تو دوسرے ساتھی اسے سہارا دیتے' ہاتھ پکڑنے اور ہمت بندھانے کے لیے موجود ہوتے ہیں۔

آیت ۱۲۰ ﴿مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ﴾ ''اہلِ مدینہ اور ان کے اردگرد کے بدو لوگوں کے لیے روا نہیں تھا کہ وہ اللہ کے رسول (ﷺ) کو چھوڑ کر پیچھے بیٹھ رہتے اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو آپؐ کی جان سے بڑھ کر عزیز رکھتے۔''

غزوۂ تبوک کے لیے نکلتے ہوئے مدینہ کے ماحول میں ''تپتی راہیں مجھ کو پکاریں' دامن پکڑے چھاؤں گھنیری'' والا معاملہ تھا۔ لہٰذا جب اللہ کے رسول ﷺ ان تپتی راہوں کی طرف کوچ فرما رہے تھے تو کسی ایمان کے دعویدار کو یہ زیب نہیں دیتا تھا کہ وہ آپؐ کا ساتھ چھوڑ کر پیچھے رہ جائے' آپؐ کی جان سے بڑھ کر اپنی جان کی عافیت کی فکر کرے اور آپؐ کے سفر کی صعوبتوں پر اپنی آسائشوں کو ترجیح دے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا

یَغِیْظُ الْکُفَّارَ وَلَا یَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ بِہٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ﴾ ''یہ اس لیے کہ انہیں پیاس، مشقت اور فاقے کی (صورت میں) جو بھی تکلیف پہنچتی ہے اللہ کی راہ میں، اور جہاں کہیں بھی وہ قدم رکھتے ہیں کفار (کے دلوں) کو جلاتے ہوئے اور دشمن کے مقابلے میں کوئی بھی کامیابی حاصل کرتے ہیں، تو اُن کے لیے اس (سب کچھ) کے عوض نیکیوں کا اندراج ہوتا رہتا ہے۔''

اہل ایمان جب اللہ کے راستے میں نکلتے ہیں تو ان کی ہر مشقت اور ہر تکلیف کے عوض اللہ تعالیٰ ان کے نیکیوں کے ذخیرہ میں مسلسل اضافہ فرماتے رہتے ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾﴾ ''یقیناً اللہ نیک لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔''

آیت ۱۲۱ ﴿وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِیْرَةً وَّلَا کَبِیْرَةً وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ﴾ ''اور جو بھی وہ خرچ کرتے ہیں کوئی نفقہ، چھوٹا ہو یا بڑا اور طے کرتے ہیں کوئی وادی تو (اُن کا ایک ایک عمل) اُن کے لیے لکھ لیا جاتا ہے''

﴿لِیَجْزِیَھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾﴾ ''تا کہ اللہ بدلہ دے انہیں بہت ہی عمدہ اس کا جو عمل وہ کرتے رہے۔''

آیت ۱۲۲ ﴿وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّةً﴾ ''اور اہلِ ایمان کے لیے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ وہ سب کے سب نکل آئیں۔''

مدینہ کے مضافات میں بسنے والے بدو قبائل کا تذکرہ پچھلی آیات میں ہو چکا ہے: ﴿اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا ...... ﴿۹۷﴾﴾ کہ یہ بدو لوگ کفر اور نفاق میں بہت زیادہ سخت تھے اور اس کا سبب علم دین سے ان کی ناواقفیت تھی۔ اس لیے کہ انہیں حضور ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ اب اس کے لیے یہ تو ممکن نہیں تھا کہ سارے بادیہ نشین لوگ اپنی اپنی آبادیاں چھوڑتے اور مدینہ میں آ کر آباد ہو جاتے۔ چنانچہ یہاں اس مسئلے کا حل بتایا جا رہا ہے۔

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ﴾ ''تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ نکلتا اُن کی ہر جماعت میں سے ایک گروہ تا کہ وہ دین کا فہم حاصل کرتے''

چنانچہ مذکورہ مشکل کا حل یہ بتایا گیا کہ ہر علاقے اور ہر قبیلے سے چند لوگ آئیں اور صحبت نبوی ﷺ سے فیض یاب ہوں۔

﴿وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾﴾ ''اور وہ اپنے لوگوں کو خبردار کرتے جب ان کی طرف واپس لوٹتے تا کہ وہ بھی نافرمانی سے بچتے۔''

یہاں اس سلسلے میں باقاعدہ ایک نظام وضع کرنے کی ہدایت کر دی گئی کہ مختلف علاقوں سے قبائل کے نمائندے آئیں، مدینہ میں قیام کریں، رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہیں، اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت سے استفادہ

کریں، احکامِ دین کو سمجھیں اور پھر اپنے اپنے علاقوں میں واپس جا کر اس تعلیم کو عام کریں۔

آیات ۱۲۳ تا ۱۲۹

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَاتِلُوا الَّذِیۡنَ یَلُوۡنَکُمۡ مِّنَ الۡکُفَّارِ وَ لۡیَجِدُوۡا فِیۡکُمۡ غِلۡظَةً ؕ وَ اعۡلَمُوۡۤا
اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۲۳﴾ وَ اِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ اَیُّکُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ
اِیۡمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا وَّ هُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾ وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ
قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰی رِجۡسِهِمۡ وَ مَاتُوۡا وَ هُمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَ لَا یَرَوۡنَ اَنَّهُمۡ
یُفۡتَنُوۡنَ فِیۡ کُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوۡ مَرَّتَیۡنِ ثُمَّ لَا یَتُوۡبُوۡنَ وَ لَا هُمۡ یَذَّکَّرُوۡنَ ﴿۱۲۶﴾ وَ اِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ
سُوۡرَةٌ نَّظَرَ بَعۡضُهُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ ؕ هَلۡ یَرٰىکُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ ثُمَّ انۡصَرَفُوۡا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ
قُلُوۡبَهُمۡ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡهِ مَا
عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰهُ ۫ۖ لَاۤ
اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَیۡهِ تَوَکَّلۡتُ وَ هُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۶ ۵

آیت ۱۲۳ ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَاتِلُوا الَّذِیۡنَ یَلُوۡنَکُمۡ مِّنَ الۡکُفَّارِ وَ لۡیَجِدُوۡا فِیۡکُمۡ غِلۡظَةً ؕ﴾ ”اے اہلِ ایمان! جنگ کرو ان کافروں سے جو تم سے قریب ہیں اور وہ تمہارے اندر سختی پائیں۔“

اس حکم میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے بین الاقوامی اور آفاقی دور کے آغاز کی طرف اشارہ ہے کہ اے مسلمانو! اب اس دعوت کو چہار سو پھیلنا ہے اور دار الاسلام کی سرحدوں کو وسیع ہونا ہے۔ چنانچہ تم لوگ آگے بڑھو اور اسلامی حکومت کی سرحدوں پر جو کفار بستے ہیں ان سے قتال کرو، پھر جیسے جیسے یہ سرحدیں آگے بڑھتی جائیں تمہارے قتال کا سلسلہ بھی اُن کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا چلا جائے، حتیٰ کہ اللہ کا دین پوری دنیا پر غالب آجائے۔ واضح رہے کہ سورۃ الانفال کی اس آیت میں جزیرہ نمائے عرب کی حد تک قتال جاری رکھنے کا حکم ہوا تھا: ﴿وَ قَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّ یَکُوۡنَ الدِّیۡنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ (آیت ۳۹) یعنی جب تک جزیرہ نمائے عرب سے کفر و شرک کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اور اللہ کا دین اس پورے علاقے میں غالب نہیں ہو جاتا یہ جنگ جاری رہے گی۔ بہر حال آیت زیر نظر میں غلبہ دین کے لیے بین الاقوامی سطح پر جدوجہد کے لیے اللہ تعالیٰ کا واضح حکم اور اسلام کا چارٹر موجود ہے۔ اسی چارٹر پر عمل کرتے ہوئے جزیرہ نمائے عرب سے اسلامی افواج جہاد کے لیے نکلی تھیں اور پھر اسلامی سرحدوں کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا تھا۔

﴿وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۲۳﴾﴾ ”اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔“

آیت ۱۲۴ ﴿وَ اِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ اَیُّکُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِیۡمَانًا ۚ﴾ ”اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض (منافقین آپس میں) کہتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے

ایمان میں اضافہ کیا؟''

سورۃ الانفال کی آیت ۲ میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ جب ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ منافقین اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر طنز و استہزاء کرتے تھے اور حضور ﷺ کی طرف سے جب بھی کوئی تازہ وحی سنائی جاتی تو اس کا تمسخر اڑاتے ہوئے ایک دوسرے سے پوچھتے کہ ہاں بھئی اس سورت کو سن کر آج کس کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے؟

﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾﴾ ''تو جو لوگ واقعی ایمان والے ہیں وہ ان کے ایمان میں تو یقیناً اضافہ کرتی ہے اور وہ خوشیاں مناتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر حقیقی مؤمنین کے ایمان میں یقیناً اضافہ بھی ہوتا ہے اور وہ ہر وحی کے نازل ہونے پر خوشیاں بھی مناتے ہیں کہ اللہ نے اپنے کلام سے مزید انہیں نوازا ہے اور ان کے ایمان کو جلا بخشی ہے۔

آیت ۱۲۵ ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾﴾ ''رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے تو وہ ان (کے اندر) کی گندگی پر مزید گندگی کا اضافہ کر دیتی ہے اور وہ مرتے ہیں اسی حال میں کہ وہ کافر ہوتے ہیں۔''

آیت ۱۲۶ ﴿اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ﴾ ''کیا یہ (منافقین) دیکھتے نہیں ہیں کہ ہر سال انہیں آزمایا جاتا ہے ایک بار یا دو بار''

قتال کا مرحلہ ہو یا کسی اور آزمائش کا موقع، وقفے وقفے سے سال میں ایک دو مرتبہ منافقین کے امتحان کا سامان ہو ہی جاتا ہے، جس سے ان کی منافقت کا پردہ چاک ہوتا رہتا ہے۔

﴿ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾﴾ ''پھر بھی نہ تو یہ لوگ توبہ کرتے ہیں اور نہ ہی نصیحت اخذ کرتے ہیں۔''

آیت ۱۲۷ ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ ''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں''

جب قتال کے بارے میں احکام نازل ہوتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی محفل میں موجود منافقین کنکھیوں سے ایک دوسرے کو اشارے کرتے ہیں۔

﴿هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا﴾ ''کہ تمہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا، پھر وہ وہاں سے کھسک جاتے ہیں۔''

﴿صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾﴾ ''(دراصل) اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے، اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔''

اس سورت کی آخری دو آیات اپنے مضمون کے اعتبار سے قرآن مجید کی عظیم ترین آیات میں سے ہیں۔

آیت ۱۲۸ ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ ''(اے لوگو دیکھو!) آ چکا ہے تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول' بہت بھاری گزرتی ہے آپ پر تمہاری تکلیف''

حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شے جو تمہیں مصیبت اور ہلاکت سے دوچار کرنے والی ہو ہمارے رسول (ﷺ) کے دل پر نہایت گراں گزرتی ہے۔ آپ ﷺ تم لوگوں کو دنیا اور آخرت دونوں کی ہلاکتوں اور مصیبتوں سے محفوظ اور دونوں کی سعادتوں سے بہرہ مند دیکھنا چاہتے ہیں۔

﴿حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲۸﴾ ''تمہارے حق میں آپ (بھلائی کے) بہت حریص ہیں' اہلِ ایمان کے لیے شفیق بھی ہیں' رحیم بھی۔''

آپ ﷺ کی شدید خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی خیر' ساری خوبیاں اور تمام بھلائیاں تم لوگوں کو عطا فرمادے۔

آیت ۱۲۹ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ﴾ ''پھر بھی اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے' اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝۱۲۹﴾ ''اُسی پر میں نے توکّل کیا اور وہ بہت بڑے عرش کا مالک ہے۔''

ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے عرش کی کیفیت اور عظمت ہمارے تصوّر سے بہت بالا ہے۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى واياكم بالآيات والذكر الحكيم ○○